الحمد لله الذي يسر لنا مع مزيد الشكر
تحفة الإنابة المحتوية على شرح جزيلة ودقائق جليلة المسماة
بالدر النثري
في شرح
أسماء الله الحسنى
تأليف العبد الفقير إلى الله الولي أصغر على الترحمي المدرس
العربية في الكلية الإسلامية الكائنة ببلدة لاهور صانها الله
عن الضير بعد الكور
نفعنا الله بعلومه آمين

Marfat.com

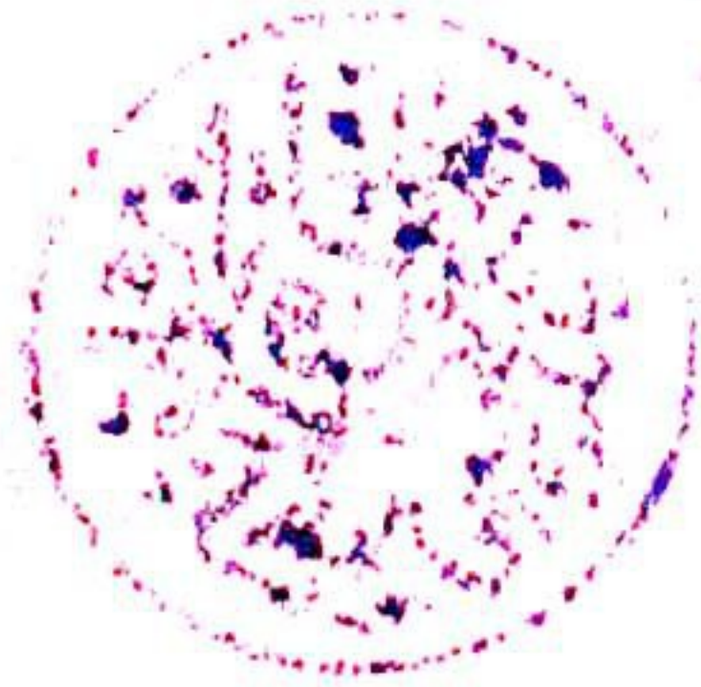

Marfat.com

13586

بسم الله الرحمن الرحيم

دیباچہ

الحمد لله المتولی بحقائق اسمائه الحسنی قلوب العاشقین
والمتجلی بانوار صفاته العظمی لارواح العارفین المستنیر
ببسر ادقات جلاله البارز علی المظاهر بکماله المتفرد بالخلق
والتدبیر الواحد فی الامر والتقدیر الداعی الی دار السلم
ارباب الحج والبراهین والهادی الی القول الثابت اصحاب العلم
والیقین المنعم علی طوائف الخلائق انواع النعیم الواهب لاصناف
الامم عطایا جوده العمیم فقال فی کتابه المجید کلا نمد هؤلاء و
هؤلاء من عطاء ربک وما کان عطاء ربک محظورا القاضی بالحکمة البالغة
فی الاشیاء وکان ذلک فی الکتب مسطورا وهو الذی انتهت الیه غایات
الاکوان ومبادیها واستغرقت شئون صفاته حواضر الاعیان
ولوادیها فاشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریک له
شهادة من شط به التصدیق عن الارتیاب وفتح
الله علیه من نعمته کل باب ۔

Marfat.com

وَفِيْ كُلِّ شَيْءٍ لَهٗ اٰيَةٌ تَدُلُّ عَلٰى اَنَّهٗ وَاحِدٌ

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَى الْمَظْهَرِ الْاَتَمِّ الْاَكْمَلِ الْاَمْجَدِ
الْاَمْثَلِ الْاَعْلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰى اَحْمَدَ
الْمُجْتَبٰى الْمُخَاطَبِ مِنْ حَضْرَةِ الرَّبُوْبِيَّةِ بِخِطَابِ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ
اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ الْمَعْنَوِنِ مَنْشُوْرَ عِزِّهٖ بِعُنْوَانِ اِنَّكَ
لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ الَّذِيْ بَعَثَهٗ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ بِالْحَقِّ
بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَاَرْسَلَهٗ بِالْهُدٰى حِيْنَ تَرَاكَمَتِ الظُّلُمٰتُ
سِرَاجًا مُّنِيْرًا ؎

فَقُلْ مَا شِئْتَ فِيْهِ مِنْ مَدِيْحٍ تَجِدْهُ فَوْقَ مَا نَطَقَ الْمَدِيْحُ

وَعَلٰى اٰلِهِ الْعِظَامِ وَاَصْحَابِهِ الْكِرَامِ الَّذِيْنَ هُمْ مَصَابِيْحُ
الظَّلَامِ بَيْنَ الْاَنَامِ وَهَا اَنَا اَجْرِيْ فِيْ مَيْدَانِ الْمَقْصُوْدِ
مُتَوَكِّلًا عَلَى اللّٰهِ الْوَدُوْدِ ۝ وَالسَّلَامُ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

توحید ذات باری کی حقیقت کا سمجھنا اسماء وصفات کے معانی کے سمجھنے پر موقوف ہے۔ قرآن مجید میں جن اسماء وصفات کا ذکر آیا ہے وہ سب کے سب علیحدہ علیحدہ مختلف مسائل علم عقائد کے لئے بمنزلہ اصل اصول کے ہیں۔ سلف صالحین ان اسماء وصفات کے معانی کو خوب سمجھتے اور اس لئے انہیں علیحدہ علم عقائد کی تعلیم کی ضرورت نہ پڑتی اسلام میں جس قدر عقائد تسلیم کئے گئے ہیں ان کا منبع یہی اسماء وصفات ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے۔ کہ جب تک اسماء وصفات کا علم نہ ہو۔ کوئی شخص عقائد صحیحہ حاصل نہیں کر سکتا اور نہ معانئے آیات کے سمجھنے کی اس کو قدرت ہو سکتی ہے۔ چونکہ موجودہ زمانہ میں لوگوں کی ہمتیں بہت پست ہو گئی ہیں۔ اور حقایق علمیہ کے سمجھنے پر محنت اور وقت کا صرف کرنا دشوار ہو گیا ہے لہذا خاکسار نے برادرانِ اسلام کی دینی خدمت کو مدنظر رکھ کر بطور اختصار اسماء وصفات ذات باری کی یہ شرح لکھی ہے۔ تاکہ انہیں بہت سے مذہبی مسائل مشکلہ کے حل کرنے میں مفید ثابت ہو۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ اسماء وصفات کی علمی تحقیق کو لفظوں میں ظاہر کیا جا سکتا ہے مگر یہ ناممکن ہے۔ کہ وہ حقایق جن کا انکشاف تصفیہ وتزکیہ باطن پر موقوف ہے اور جو محض وجدان سلیم اور ذوق صحیح سے حاصل ہوتے ہیں بذریعہ الفاظ ظاہر کئے جائیں کیونکہ یہ بات صرف صاحب مقام ہونے پر منحصر ہے۔

Marfat.com

اور صاحب مقام لاکھوں میں سے کوئی ایک آدہ ہی ہو سکتا ہے ہر ایک ہوسناک کو یہ پایہ نصیب نہیں ہوتا ؎

اگر ز الہ ہر قطرۂ دُر شدے چو خر مہرہ بازار ہا پر شدے

ہاں یہ ممکن ہے۔ کہ اگر کسی سعادتمند کو توفیق ازلی یاور ہو۔ اور روش صالحین کی محبت اس کے دل مین جاگزین ہو جائے تو شوق طلب اس کو انہیں حضرات کے ساتھ وابستہ کر دے ؎

مور مسکیں ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد دست در پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

حق یہ ہے۔ کہ محبت صالحین انسان کو صالح بنا دیتی ہے۔ کیونکہ بموجب فرمان حضرت نبوی اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ قیامت کے دن انہیں لوگوں کے زمرہ میں مبعوث ہوگا۔ جن کی محبت اور جن کے طریق کو وہ پسند رکھتا ہے۔ یہ کبھی ہو نہیں سکتا۔ کہ اہل سعادت کا دامن پکڑ کر کوئی شخص منزل مقصود تک نہ پہنچ جائے ہاں حسن ارادت شرط ہے کیونکہ بے طلب صادق کبھی کچھ نہیں ملا کرتا ؎

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

اس حسن ارادت کے ساتھ حسن ادب بھی شرط ہے کیونکہ بے ادب آدمی جو سوء ظن کے مرض میں مبتلا ہوتا ہے ہمیشہ محروم رہا کرتا ہے کَمَا قُلْتُ فِیْ ذَالِكَ ؎

ادب گزیں کہ بخشند قسمۂ زیں خواں بسا کسے کہ نشیند بر آستاں گستاخ

مجھے یہ خیال تھا۔ کہ میں اس موضوع پر کسی قدر طوالت کے ساتھ بحث کروں گا۔ مگر بعد میں بوجود پندا یجاز و اختصار کو مد نظر رکھنا ضروری معلوم ہوا۔ کیونکہ عام طبائع مباحث دقیقہ سے مستفید نہیں ہوتیں

Marfat.com

جہاں کوئی مشکل بحث شروع ہوگئی۔ کتاب کو بند کیا اور وہیں کی وہیں طاق نسیان میں پڑی رہی۔

عربی میں اسماء وصفات ذات باری پر بہت سی کتب ورسائل موجود ہیں۔ ہر ایک کا طرز بیان جدا ہے۔ اور کسی نہ کسی پہلو میں مفید مگر میری نظر سے جس قدر کتابیں اس موضوع کی گذری ہیں۔ ان میں سے حضرت امام حجۃ الاسلام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب المقصد الاسنیٰ اور فخر المتکلمین امام رازی علیہ الرحمۃ کی کتاب لوامع البینات زیادہ قابل اعتماد ہیں۔ لہذا انہیں کو اس رسالہ کا ماخذ تصور کرنا چاہیئے۔ اگرچہ دو تین اور کتابیں بھی لکھتے وقت میری زیر نظر تھیں۔ ان ہر دو بزرگوار کی تصانیف جدا جدا ان کے اپنے مقامات قلب کا پایہ معلوم ہوتا ہے چنانچہ ان ہر دو کتب سے بھی صاف طور پر یہ معلوم ہو رہا ہے۔ کہ حضرت غزالی بحر عرفان میں مستغرق ہیں۔ اور امام رازی عقلیات کے میدان میں چل رہے ہیں۔ اگرچہ کہیں کہیں اصحاب ذوق ووجدان کی روش بھی اختیار کر لیتے ہیں۔ مگر حق یہ ہے۔ کہ یہ مقام حضرت غزالی ہی کا ہے۔ رازی بیشک علوم میں بڑا پایہ رکھتے ہیں۔ مگر غزالی میدان ریاضت ومجاہدت میں بہت دور نکل گئے ہیں۔ لہذا ان کا کلام ایک خالص صاحب حال کا کلام ہے۔ رازی جا بجا ان کی کتاب مذکور کا حوالہ دیتے ہیں۔ اور امام صاحب کا نام نہایت معزز الفاظ میں لیتے ہیں فرحمہما اللہ تعالےٰ شرح اسماء وصفات سے پہلے چند ایسے مسائل کا قلمبند کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جن کا سمجھنا اس رسالہ کے مطالعہ کرنے سے پہلے ضروری ہے وھا انا اشرع فی المقصود متوکلاً

Marfat.com

علی الرّب المعبود ھوحسبی ونعم الوکیل

اسماء وصفات منبع جمیع عقائد حقہ ہیں۔

ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ کہ اسماء وصفات جمیع عقائد اسلامیہ کا منبع ہیں لہذا اہل السنت والجماعۃ کثرہم اللہ تعالےٰ مسئلہ اسماء وصفات کو معرفت ذات باری کا وسیلہ قرار دیتے ہیں۔ اور کبھی مسلک اعتدال سے تجاوز نہیں کرتے برخلاف دیگر اسلامی بدعتی فرقوں کے جن کا مدار عقائد علوم عقلیہ پر ہے۔ اور کتاب وسنت میں تاویلات باطلہ کرکے اپنے مسلمات کو ثابت کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ یہ مسلم ہے کہ جب کسی شخص کو اللہ تعالیٰ محبوبیت دینی اور راحت دنیوی دینا چاہتا ہے۔ اور اپنی معرفت کی طرف بلاتا ہے اس کا سینہ قبولِ حق کے لئے کھول دیا جاتا ہے اور انوار نبوت سے تمام معتقدات حقہ کو حاصل کرتا ہے۔ یہی امر نشانِ سعادت ہے اور یہی بالآخر عافیت دارین کا موجب ہوتا ہے ؎

ایں نعمتِ بیدلی بہر دل ندہند ۔۔۔ ویں نُزل بخفتگانِ منزل ندہند
در عالمِ عشق آنچہ بے عقلاں است ۔۔۔ یک ذرہ بصد ہزار عاقل ندہند

اہلِ حق مسئلہ صفات میں جو علم عقائد میں نہایت دقیق مسئلہ ہے ہمیشہ محتاط رہے ہیں۔ اور صفات ذات باری کو جو کتاب وسنت میں وارد ہو چکی ہیں تعریفاتِ وحی سمجھتے رہے ہیں اور اس اصل عظیم کو شفاء روحانی کا واسطہ سمجھ کر مورد تجلیات ہوتے رہے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ کسی علم کا شریف ہونا اس علم کی غایت کے شریف ہونے پر مبنی ہے چونکہ اسماء وصفات کا علم حصولِ معرفت الٰہی کا ذریعہ ہے۔ لہذا اس علم سے بڑھ کر اور کوئی علم ضروری نہیں ہو سکتا کیونکہ معرفت ذات باری

Marfat.com

بقدر حوصلۂ بشری ہر ایک انسان کا فرض ہے مَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی جس قدر جسم انسانی کو غذا کی ضرورت ہے اس سے بڑھ کر روح کو ان معارف حقہ کی ضرورت ہے جو بمنزلۂ غذاء روح ہیں۔ جو شخص معارف حقہ سے بے بہرہ اور ذوقِ سلیم سے بے نصیب ہے۔ وہ عارفانِ خدا کی اصطلاح میں مردہ ہے۔ مُرِّنِی الْجَھْلَ قَبْلَ الْمَوْتِ مَوْتُ الْجَاھِلِ اس لئے جس قدر کسی شخص کو اسماء وصفات کا زیادہ علم ہوگا۔ اسی قدر معرفت ذات باری میں زیادہ ممتاز ہوگا اور جس قدر زیادہ معرفت کا مالک ہوگا۔ اسی قدر زیادہ مقرب حضرت باری ہوگا اور جس قدر کوئی شخص حقیقت اسماء وصفات سے جاہل ہوگا اسیقدر لذت ذکر سے ناآشنا ہوگا۔ بلکہ اسے نفرت و کراہت ہوگی یہ بالکل صحیح ہے کہ کوئی ذکر مسنون ایسا نہیں جس میں اسماء وصفات نہ آئے ہوں۔ پس لذت ذکر کے کامل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اسماء وصفات کے معانی حقیقیہ کا علم حاصل کیا جائے۔ کیونکہ اسماء وصفات بمنزلۂ تعریف[1] کے ہیں۔ اور تعریف ذات باری سے عظمت کا خیال پیدا ہوتا ہے اور عظمت سے محبت اور محبت تمام ترقیات کے لئے اصل عظیم ہے جب ذکر اس طریق سے کیا جاتا ہے۔ تو کثرتِ ذکر ذاکر کو انواع واقسام کی تجلیات کا مورد بنا دیتی ہے۔ اور پھر کبھی غفلت نہیں ہوتی بلکہ دوام ذکر کا رتبہ جو تعلیم وحی کا مقصد اعلےٰ ہے حاصل ہو جاتا ہے اور قلب کو بے اختیارانہ محبت کا مقام نصیب ہوتا ہے۔ کما قیل ؎

---

[1] تعریف سے یہاں منطقی اصطلاح مراد نہیں ہے۔ بلکہ لغوی مفہوم مراد ہے ۱۲ منہ

Marfat.com

وَاِذَا تَقَاضَيْتُ الْفُؤَادَ تَنَاسِيًا اَلْفَيْتُ اَحْشَائِيْ بِذَاكَ شِحَاحَا

موجودہ زمانہ میں چونکہ عقاید میں رائے زنی کا ہر ایک شخص مدعی ہے۔ اور کتاب وسنت کو بالائے طاق رکھ کر علاحدہ فلاسفہ کی پیروی کو اپنا فخر سمجھتا ہے اور عقائد دین پر نکتہ چینی کرنے کو کمال علمی تصور کرتا ہے۔ اس لئے ہر ایک خالص الایمان کو اس بات کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ عقائد صحیحہ کو کتاب وسنت سے اخذ کرے۔ مسلک اہل السنت سے سرمو تجاوز نہ کرے اور مسئلہ صفات میں بڑی احتیاط سے کام لے کیونکہ جس قدر الحاد وزندقہ آج تک اسلامی فرقوں میں پھیلا ہے صرف مسئلہ صفات میں بے لگامی کا نتیجہ ہے۔ آج کل نیچریت اور دہریت کی گرم بازاری ہے۔ اور یہ الحاد صرف مسئلہ صفات میں بے اعتدالی کرنے کا نتیجہ ہے۔ عام طور پر مغربی تعلیم کے لوگ اس الحاد میں مبتلا ہیں۔ اور انکار معجزات اور انکار ملائکہ اور انکار حشر اجساد جو عقائد اسلام میں مہتم بالشان عقائد ہیں۔ ان کا معمولی فقرہ ہے۔ ان لوگوں کے عقائد اوہام فلسفہ کے زنجیروں میں ایسے جکڑے ہوئے ہیں کہ انہیں کتاب وسنت سے ایک گونہ نفرت آتی ہے۔ ہاں بعض لوگ بخوف بدنامی کھلم کھلا اپنے عقائد فاسدہ کا اظہار نہیں کرتے۔ مگر دل میں انہیں اس قدر وساوس وشکوک پیدا ہوتے رہتے ہیں کہ حلاوت ایمان نصیب نہیں ہوتی

بعض[۵۲] عارفین نے اسماء ذات باری کی نسبت لکھا ہے اَظُنُّ الْحُرُوْفَ الاسامی وابدعها للخلق لیسکن بها قلوب المحبین دیوانس بها قلوب العارفین له یعنے اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں پر اپنے اسماء شریفہ کا

---

[۵۱] جب میں اپنے دل سے اس کی یاد بھلا دینا چاہتا ہوں تو وہ اس بارے میں بخیل ثابت ہوتا ہے ۱۲ منہ [۵۲] ابو علی رودباری قدس سرہ ۱۲ منہ

Marfat.com

اظہار فرمایا ہے۔ تاکہ اس کے عاشق اور عارف لوگوں کے قلوب سکون اور
انس حاصل کر سکیں۔ انتہیٰ۔ درحقیقت اسماء وصفات ترقی معرفت کا ذریعہ ہیں
سالک جب صاحب ذکر ہو کر استقلال واستقامت کا مقام حاصل کر لیتا ہے
تو انہیں اسماء وصفات کی حقیقت کا انکشاف شروع ہو جاتا ہے۔ جو
اصطلاح فن تصوّف میں تجلی کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور یہ اصطلاح
کلام الٰہی سے ماخوذ ہے فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلْجَبَلِ علمی طور پر اسماء وصفات
کا علم ہو چکنے کے بعد جب سالک کو استقامت حاصل ہو جاتی ہے تو کیفیت
حالیہ بذریعہ تجلیات وارد ہوتی ہے۔ جس سے مقام یقین میں بتدریج ترقی
ہونے لگتی ہے اس مقام میں معتقدات سالک وساوس وشکوک سے
پاک وصاف ہو جاتے ہیں۔ اور اس تعلق کی حقیقت کھل جاتی ہے جو مظاہر
موجودات کے ساتھ اسماء وصفات ذات باری کو حاصل ہے۔ یہی حقیقی
عرفان ہے۔ اور اس شخص کو عارف الٰہی کہتے ہیں۔ جو اس تعلق کی کیفیت پر
آگاہ ہوتا ہے۔ اس مقام پر عارف کو تمام موجودات زمینی وآسمانی ارادۂ الٰہی
اور مشیت ازلی کی مغلوب ومقہور معلوم ہوتی ہے اور وہ نور معرفت سے دیکھ رہا
ہوتا ہے کہ کس طرح پر صفات باری حوادث کی علت ہیں اور کیونکر ایک بردست
ارادہ تمام ذرات کائنات پر محیط ہے۔ اس مقام پر رابطۂ محبّت الٰہی مضبوط و
مستحکم ہو جاتا ہے۔ اور محب کو عاشق صادق کہلانے کا حق حال ہوتا ہے
کیونکہ وہ اپنے محبوب کے حضور سے ایک آن کے لئے بھی علیحدگی پسند نہیں
کرتا۔ بلکہ تمام مصائب وتکالیف کو جو عالم طبیعت میں اس پر عائد ہوتی ہیں
بمقابلہ وصل محبوب کے آسان سمجھ لیتا ہے یا ان کا اسے احساس ہی نہیں ہوتا
اسوقت اس کی حالت ان اشعار کا مصداق ہو جاتی ہے ؎

Marfat.com

أَرَاكَ نَيْمَتَلِیْ قَلْبِیْ سُرُوْرًا وَأَخْشٰی اَنْ تَشُطَّ بِكَ الدِّیَارُ
نَجُرُّوَاهْجُرُوَصُدَّوَلَا تَصِلْنِیْ رَضِیْتُ بِاَنْ تَجُوْرَ وَاَنْتَ جَارُ

ترجمہ میں تجھے دیکھتا ہوں۔ تو باغ باغ ہو جاتا ہوں اور ڈرتا رہتا ہوں کہ کہیں تو مجھ سے دور چلا جائے۔ ظلم۔ ہجر۔ اعراض جو تیرا دل چاہے مجھے منظور ہے ہاں مگر مجھ سے دور نہ ہو۔

بحث اسم و مسمّٰے علم کلام میں یہ مسئلہ متنازع فیہ ہے کہ آیا اسم و مُسمّٰی ایک ہی حقیقت کا نام ہے۔ یا دونو مختلف الماہیۃ ہیں جمہور اشاعرہ کا مذہب ہے کہ اسم و مسمے ہر دو ایک ہی حقیقت ہیں۔ اور ان میں کچھ فرق نہیں۔ مگر معتزلہ اس امر کے قائل ہیں۔ کہ اسم و مسمّٰے دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ امام غزالی قدس سرہٗ کا مذہب بھی یہی ہے۔ کہ اسم و مسمّٰے ایک نہیں اسی مذہب کو امام رازی نے اختیار کیا ہے ابن حزم ظاہری کا مسلک بھی یہی ہے اور فی الحقیقت یہی صحیح بھی ہے۔ جو لوگ اسم و مسمّٰی کو حقیقت واحدہ بتلاتے ہیں۔ وہ یہ دلیل لاتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ یہاں اسم کا متبارک ہونا آیا ہے۔ اور متبارک ہونا مسمی کی شان ہوتی ہے نہ اسم کی لہذا اسم و مسمّٰے ایک ہی ہیں۔ پھر دوسری جگہ فرمایا سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی اس آیت سے اسم کی تسبیح ظاہر ہوتی ہے حالانکہ تسبیح ذات باری کی ہوا کرتی ہے لہذا اسم و مسمی کو جب تک ایک نہ مانا جاوے معنے صحیح نہیں ہو سکتے اسی قسم کی بعض اور آیات سے بھی تمسک کرتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ان آیات سے ہرگز اسم و مسمّٰی کا ایک ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ اسم واسطۂ ذکر ہے جس کے ذریعہ ذات باری کی تنزیہ کی جاتی ہے چونکہ ہر دو میں غایت تعلق ہے اس لئے تنزیہ ذات اور تنزیہ

Marfat.com

اسم میں کوئی فرق نہیں۔ یہی جواب پہلی آیت کا ہے۔ کیونکہ ذات باری کا اسم بھی موجب خیرات و برکات ہے اس لئے اسم کا متبارک ہونا بالکل صحیح ہے یہ بدیہی امر ہے۔ کہ اسم ایک لفظ ہے جو بذریعہ صوت منہ سے نکالا جاتا ہے اور مسمے ذات کا نام ہے لفظ نار اور وہ چیز جو روشن ہوتی اور جلاتی ہے۔ اگر ایک ہی ہوں تو چاہیئے کہ نار کا لفظ بولتے وقت زبان جل جایا کرے معہذا اسم و مسمّے کے صفات کا علیحدہ علیحدہ ہونا خود اس امر کی پختہ شہادت ہے۔ کہ ہر دو متحد الحقیقت نہیں ہو سکتے مثلاً سیاہ یا سفید ہونا کسی چیز کی صفت تو ہو سکتا ہے۔ مگر اسم کی جو ایک لفظ ہے ہرگز صفت نہیں ہو سکتا۔ ہاں بعض مواقع پر یہ ضروری ہے۔ کہ اسم و مسمی ایک ہی ہوں مثلاً خود لفظ اسم کی نسبت یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ وہ اسم ہے نہ فعل و حرف اسم و مسمّی کے متحد الحقیقت ہونے پر بعض لوگ لبید کے قول ذیل سے استشہاد کیا کرتے ہیں حیث قال ؎

اِلَی الْحَوْلِ ثُمَّ اسْمُ السَّلَامِ عَلَیْکُمَا

اس مصرع میں اگر اسم کو عین سلام نہ کہا جائے تو کوئی معنے نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ لبید رضی اللہ عنہ صحابی تھے انہوں نے اپنے کلام میں ہرگز ایسا خیال ظاہر نہیں کیا جو کئی ایک مفاسد کا متلزم ہو۔ اس مصرع میں سلام یا تو مجمل اسماء ذات باری کے ہے۔ جس کے معنے یہ ہوں گے کہ اللہ تعالےٰ کا اسم سلام تمہارا حافظ ہو۔ اور یا سلام سے تحیت مراد ہے سو اس صورت میں بھی کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ تحیت کا واقع کرنا کسی تحیت کہنے والا کا کام نہیں بلکہ یہ امر اللہ تعالےٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے لبید صرف اسم تحیت کہنے کی قدرت رکھتے تھے معہذا قرآن مجید میں صاف وارد ہے وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ اسماء ذات باری

Marfat.com

ذات باری نہیں ہو سکتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ذات باری ایک ہی ہے اور اسماء متعدد ہیں۔ چنانچہ حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے اِنَّ لِلّٰہِ تِسْعَۃً وَ تِسْعِیْنَ اسْمًا مِائَۃً غیر واحدٍ کیا کوئی اہل توحید اس امر کو جائز رکھے گا کہ ذاتِ باری ننانوے ہیں۔ معاذ اللہ یہ تو صریح کفر ہے۔ ہم نے اس بحث کو زیادہ طول نہیں دیا۔ کیونکہ اس میں کوئی خاص مفید بات نظر نہیں آتی۔ امام غزالی اور امام رازی نے اس بحث کو کسی قدر طول کے ساتھ لکھا ہے فمن شاء فلیرجع الیہ

اسما و صفات میں فرق

اسم کی تعریف نحوی ہمارے موجودہ بحث سے خارج ہے ہمیں یہاں اسم کے مفہوم عام سے بحث کرنا مد نظر ہے اس مفہوم کے رو سے اسم و فعل و حرف سب اسماء میں داخل ہیں کیونکہ اسم کا مفہوم عام صرف یہ ہے کہ وہ کسی حقیقت کا پتہ دیتا ہو۔ خواہ وہ حقیقت مستقلہ ہو۔ یا غیر مستقلہ اس صورت میں اگر وہ حقیقت صرف ایک چیز کے مفہوم تک محدود ہو۔ تو وہ اسم ہے۔ مثلاً سماء ارض جبار وغیرہ اور اگر اس کے ساتھ کسی وصف کا خیال بھی شامل ہو تو وہ صفت کہلائے گا۔ مثلاً رازق۔ خالق طویل وغیرہ بعض اہل علم نے اس امر پر بحث کی ہے کہ آیا اسم بہ نسبت صفت کے اشرف ہے۔ یا بالعکس جو لوگ اسم کو اشرف مانتے ہیں۔ وہ حسب ذیل دلیل پیش کرتے ہیں۔ اسم بہ نسبت صفت کی مقدم ہے۔ کیونکہ اسم کسی چیز کی ذات پر دلالت کرتا ہے اور صفت اس ذات کی ایک حالت کا نام ہے ظاہر ہے کہ خود چیز کسی چیز کی ذات اس کی کسی حالت پر مقدم ہوا کرتی ہے۔ معہذا اسم تمام صیغہ ہائے صفت کے لئے ماخذ ہوتا ہے۔ جس سے تمام صفات مشتق ہوتے ہیں اور ماخذ کا وجود مقدم ہوتا ہے اور صفت کا مؤخر یہ بالکل صحیح ہے۔ کہ صیغۂ

Marfat.com

صفت ذات کے علاوہ ایک وصف کا اظہار بھی کرتا ہے اور یہ بات اسم میں نہیں ہوتی۔ اس صورت میں یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ جس چیز سے کسی زیادہ علم کا افادہ ہو۔ وہ اشرف ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ جب تک کسی چیز کی اصل ذات کا علم نہ ہو۔ اس کی وصف کا علم بے معنے بات ہے لہذا اسم ہی کو اشرف ماننا زیادہ صحیح ہے۔

نفی و اثبات اسماء و صفات

عقائد اسلام میں یہ مسئلہ اہل کلام کے نزدیک نہایت معرکۃ الآراء مسئلہ ہے۔ اور مسئلہ جبر و قدر کی طرح لاینحل سمجھا گیا ہے۔ ہم یہاں صرف مذہب حق اہل السنتہ والجماعت کا ذکر کر دیتے ہیں۔ کیونکہ اختلاف و دلائل کی شرح وبسط کے لئے علم کلام کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ جن کا نتیجہ بجز حیرت و دہشت کے کچھ بھی نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ بڑے بڑے علماء علم کلام کو دو متعارض مقدمے مسئلہ صفات کی بابت مدنظر ہیں۔ اور اس لئے وہ حیران ہیں۔ کہ اس تعارض کو کیونکر دور کیا جائے وہ دو مقدمے یہ ہیں۔ (مقدمہ اولے) وحدت کمال کا نام ہے اور کثرت نقصان کا۔ اس مقدمے کے مان لینے پر اصحاب معقول کو یہ ضروری معلوم ہوا کہ ذات باری کی توحید پر پورا زور لگائیں چونکہ صفات متعددہ کے اثبات پر ذات باری کے متعلق کثرت کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے انہوں نے مجبوراً صفات کی نفی کر دی (مقدمہ ثانیہ) چونکہ یہ مسلم ہے کہ ایک ایسی ذات جو علم قدرت۔ حکمت۔ ارادہ۔ کلام۔ سمع۔ بصر وغیرہ صفات میں کامل ہو بہ نسبت اس ذات کی جو ان صفات میں ناقص ہو۔ یا ان صفات سے بالکل عاری ہو اکمل و اشرف سمجھی جاتی ہے اس لئے انہیں ضروری معلوم ہوا۔ کہ ذات باری کے لئے ان صفات کو ثابت کریں اور

Marfat.com

چونکہ یہ صفات بجائے خود علیحدہ علیحدہ مختلف الماہیۃ ہیں اس لئے ذات باری کے متعلق کثرت کا ماننا بھی ضروری ہوا۔ کچھ شک نہیں کہ بظاہر یہ ہر دو مذہب متعارض ہیں اور اس تعارض کا دور کر دینا آسان نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہر دو مسلک کے ماننے والوں کا مقصد اہم یہی ہے کہ ذات باری کو کامل اور ہر ایک عیب سے منزّہ و مبرّا مانا جاوے اکثر معتزلہ اور بعض دیگر فرقے مقدمۂ اولے پر زور دیتے ہیں اور جمہور اہل علم فرقۂ اہل السنّت والجماعۃ مقدمہ ثانیہ کو پیش کرتے ہیں۔ اکثر حضرات متصوفہ کا مسلک بھی اس مسئلہ میں معتزلہ کا مسلک ہے اور وہ صفات کو عین ذات تسلیم کرتے ہیں۔ یعنے وہ یہ مانتے ہیں۔ کہ ایک ہی ذات بسیط تمام مختلف قسم کے آثار کا مصدر ہے غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اس مسلک پر یہ اعتراض عائد ہوتا ہے کہ اس صورت میں قادریت اور عالمیت وغیرہ صفات سب ایک ہی حقیقت ہونگی۔ اور ان میں کوئی ما بہ الامتیاز نہیں ہوگا۔ اور یہ صحیح نہیں کیونکہ حقیقت واحدہ دو حقیقتوں کا عین نہیں ہو سکتی لہذا ذات اور علم وقدرت وغیرہ ایک حقیقت نہیں۔ اس کے جواب میں قائلین عینیت ذات وصفات کی طرف سے جواب مع دلائل دیئے گئے ہیں۔ جو تفصیل کتب کلام میں مذکور ہیں۔

جمہور اہلِ علم (جو صفات کو ذات سے علیحدہ مانتے ہیں) اس اعتراض کے جواب دہ ہیں۔ کہ اگر صفات کو حادث مانیں تو ذات باری کا محل حوادث ہونا لازم آئے گا۔ اور اگر قدیم مانیں تو متعدد امور کو قدیم ماننا پڑیگا حالانکہ قدیم صرف ایک ہی ذات واجب الوجود ہو سکتی ہے نہ متعدد۔ اس کا جواب وا یہ دیتے ہیں۔ کہ ذات باری کے صفات دو قسم کے ہیں (۱) صفات ثبوتیہ

(۲) صفات سلبیہ۔ پہلی قسم کے صفات ایک قسم کے اضافات ہیں یعنے محض ایک نسبت یا ربط ہیں۔ جن سے ذات محضہ میں کسی قسم کا تعدد لازم نہیں آتا۔ اور صفات سلبیہ خود مفہوم سلب پر مشتمل ہیں۔ اس لئے وہ بھی موجب تعدد نہیں ہو سکتے پس ہر دو صورت میں تعدد فی الذات لازم نہیں آتا۔ لہذا صفات کا وجود ماننا ضروری ہے واضح ہو کہ ہر دو فریق کے اعتراضات و جوابات اور رد و قدح کا سلسلہ اس قدر طویل ہے کہ اگر ہم اس کو بالاستیفاء لکھنے کی کوشش کریں۔ تو ناظرین کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اور خواہ مخواہ کتاب کا حجم بڑھانا ہوگا۔ معہذا آج کل عام طبایع کو ایسے مباحث دقیقہ فلسفیہ سے کوئی دلچسپی نہیں۔ ذیل میں ہم اس عقیدہ کی جو اہل السنت والجماعۃ کا ہے تشریح کر دیتے ہیں یہ مسلم ہے کہ ذات باری کی حقیقت اور کنہ کا ادراک ناممکن ہے اور وہ خود اپنی ذات کی نسبت لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ ارشاد فرماتا ہے اس لئے انسان ضعیف البنیان جو کچھ صفات کی نسبت تصور کرے گا۔ وہ اس کی اپنی محدود عقل کا نتیجہ ہے۔ مگر ذات باری اس سے بالاتر ہے ؎

گفتا غلطی زبانشاں نتواں داد از ما تو ہر آنچہ دیدۂ پایۂ تست

ہر ایک شخص نے اپنی رائے پر اعتماد کر کے ایک نہ ایک مذہب قائم کیا ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ ذات باری ہر ایک کے مجوزہ مذہب سے منزہ و مبرا ہے نظم ؎

بر افگن پردہ تا معلوم گردد کہ یاراں دیگرے را مے پرستند

ہاں جن لوگوں نے کتاب و سنت کو اپنا قدوہ بنا لیا ہے اور ارباب معقول کے ڈھکوسلوں سے بیزار ہو چکے ہیں (مثلاً خاکسار مؤلف) وہ مسئلہ صفات میں بڑی احتیاط کرتے ہیں۔ اور حضرات سلف کے مسلک سے سرمو تجاوز نہیں کرتے ان لوگوں کا اس بات پر ایمان ہے کہ جو کچھ کتاب اللہ اور سنت رسول

Marfat.com

انسان ہر سہ حالات میں سے کسی ایک نہ ایک حالت میں ضرور ہوتا ہے جس کا حاصل یہ ہوگا۔ کہ لیل و نہار۔ بر و بحر۔ سفر و حضر۔ غنا و فقر۔ صحت و مرض میں ذکر کو ست چھوڑ دو اب چوتھی کوئی صورت متصور نہیں۔ بعض محققین نے اس آیت کے متعلق یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے کوئی حکم بطور فرض کے انسان پر عائد نہیں کیا جس کے لئے ایک حد معیّن نہ کی ہو اور اس کے متعلق بعض حالات میں انسان کو معذور نہ رکھا ہو۔ مگر ذکر کے متعلق نہ تو کوئی حد مقرر کی ہے نہ کسی حالت میں کسی کو معذور قرار دیا ہے الّا مجنون اور فاتر العقل۔ پھر فرمایا اُذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ آبَاءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا یعنے اللہ تعالےٰ کو ایسے یاد کرو جیسے تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو۔ یا اس سے بھی زیادہ علماء نے اس تشبیہ میں چند ایک توجیہات کا ذکر کیا ہے

(ا) اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ میں تمہاری کوتاہی عمل سے آگاہ ہوں اگر تم اپنی اولاد کی طرح مجھے یاد نہیں کر سکتے تو اپنے آباء کی طرح ہی یاد کرو۔

(ب) انسان کا قاعدہ ہے کہ باپ کی یاد تعظیم کے ساتھ کرتا ہے اور بیٹے کی یاد شفقت کے ساتھ اور جناب باری کے شایان شان تعظیم ہے نہ شفقت

(ج) اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اے انسان تیرے ظاہری وجود کا سبب تو تیرا باپ ہے اور حقیقی سبب میں ہوں سو تم مجھے ایسے یاد کرو جیسے باپ کو اور میں تمہیں ایسا پیار کرتا ہوں جیسا باپ اپنے بیٹے سے گو میری ذات باپ اور بیٹے کی نسبت سے بری ہے۔

(د) بیٹا صرف اپنے باپ کی طرف منسوب ہو سکتا ہے اور اس ایک ہی نسبت پر اس کا فخر ہوتا ہے اور اگر کسی غیر کی طرف منسوب ہو۔ تو اس نسبت سے عار کرتا ہے اس لئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ صرف میری ہی معبودیت تک محدود رہو کسی غیر کی طرف ہونے سے حیا کرو کیونکہ یہ شرک ہے جو ظلم عظیم ہے۔

135886

Marfat.com

(ہ) انسان مصیبت کے وقت اپنے باپ سے زیادہ کسی کو اپنا شفیق نہیں سمجھتا اور اسی سے امداد طلب کرتا ہے اس لئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ مجھے ایسا یاد کرو جیسے بچہ مصیبت کے وقت اپنے باپ کو یاد کیا کرتا ہے

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کسی شخص کے باپ کو برائی سے یاد کرنا انسان کے لئے موجب غضب ہوا کرتا ہے اسی طرح جب میری ذات مقدس کو کوئی برائی سے یاد کرے تمہیں غیرت سے کام لینا چاہئے۔

(ز) سب سے پہلے بچہ جب بولنا سیکھتا ہے تو اب یا اتا اس کے منہ سے نکلتا ہے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اسی طرح ہر ایک کام کے شروع میں تمہیں اللہ تعالےٰ کا ذکر کرنا چاہئے

(ح) انسان ہمیشہ اپنے آباء و اجداد کا ذکر خیر کیا کرتا ہے اسی طرح ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے ذکر یعنے تسبیح و تحمید کو جاری رکھے۔

اللہ تبارک و تعالےٰ نے حکمت ذکر کو بھی قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے۔ جس کی دو صورتیں ہیں ایک تو آیہ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ میں مذکور ہے اس آیت کی توجیہ دو طرح ہو سکتی ہے اول تو یہ کہ ماسوا ذات باری کے تمام مخلوقات ممکن لذاتہ ہے اور جو چیز ممکن لذاتہ ہے۔ وہ محتاج الی الغیر ہے اسلئے سوا ذات باری کے کوئی چیز اس قابل نہیں کہ موجب اطمینان ہو سکے کیونکہ جو چیز خود محتاج ہے وہ کبھی منقطع حاجت نہیں ہو سکتی چونکہ ذات باری واجب بذاتہ ہی ہے اس لئے ضروری ہے کہ ہر ایک قسم کی حاجت کا منقطع قرار پا سکے لہذا اس کا ذکر موجب اطمینان قلب ہے دوم یہ کہ انسان کی حاجات غیر متناہی ہیں اور مخلوقات متناہی ہے اور متناہی کو غیر متناہی سے کوئی نسبت نہیں

ہوسکتی اس لئے اللہ تعالےٰ کا فضل و کرم انسان کی حاجات کو پورا کرنا ہے
اور اسی لئے وہ موجب اطمینان قلب ہے۔

حکمت دوم آیہ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّھُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ
تَذَکَّرُوْا فَاِذَا ھُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۵ میں بیان کی گئی ہے اس آیت میں متقین
کی اس حالت کا بیان ہوا ہے جو کسی وسوسہ شیطانیہ کے پیدا ہونے پر ہوتی
ہے یعنی جب شیطان قلب مومن پر کسی قسم کی ظلمت ڈالتا ہے تو وہ لوگ جھٹ
ذکر اللہ کی طرف رجوع کر کے صراط مستقیم پر آجاتے ہیں اور اس طرح شیطان
کے تصرف سے محفوظ رہتے ہیں۔ کیونکہ ذکر اللہ موجب ورود انوار ہے۔ جس
سے تمام بشری ظلمات دور ہو جاتے ہیں۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جہاں قرآن مجید میں منافع ذکر کا بیان کیا گیا ہے وہیں
سے اعراض کرنے کے مفاسد کا ذکر بھی وارد ہوا ہے ان مفاسد کی چار صورتیں ہیں۔

(۱) اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ فَاِنَّ لَہٗ مَعِیْشَۃً
ضَنْکًا وَّنَحْشُرُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَعْمٰی قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْ اَعْمٰی وَقَدْ کُنْتُ
بَصِیْرًا ۵ قَالَ کَذٰلِکَ اَتَتْکَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَھَا وَکَذٰلِکَ الْیَوْمَ تُنْسٰی
اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے صاف طور پر فرمایا ہے کہ جو شخص اس کے ذکر
سے اعراض کرتا ہے اللہ تعالےٰ اس کو مرنے کے بعد ایک بری زندگی اور
تنگی عیش میں مبتلا کرتا ہے اور قیامت کے دن اندھا اٹھایا جائیگا اور جمال
خداوندی کے دیدار سے محروم رہے گا۔

(۲) وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَہٗ شَیْطٰنًا فَھُوَ لَہٗ قَرِیْنٌ ۵ اس آیت
میں ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص ذکر اللہ سے منہ پھیر لیتا ہے اللہ تعالےٰ ایک شیطان کو
اس کا ساتھی بنا دیتا ہے جو ہر وقت اس شخص کے ساتھ رہتا ہے اور جس طرف

Marfat.com

چاہتا ہے اس کو لے جاتا ہے۔

(ج) وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۵ اس آیت میں بھی ذکر سے اعراض کرنے پر وعید عذاب سنائی گئی ہے اور عذاب اس سے بڑھکر کیا ہو سکتا ہے کہ ایسا شخص نہ تو دنیا میں حیوٰۃ طیبہ کا مالک ہو سکتا ہے نہ آخرت میں انعام رحمت کا مستحق اور یہی ایک بھاری عذاب ہے

(د) لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۵ اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص دنیوی تعلقات میں مبتلا ہو کر اللہ تعالےٰ کے ذکر سے منہ پھیر لیتا ہے وہ زیانکار ہوتا ہے۔

فضیلت ذکر کی نسبت یہی کافی ہے کہ اللہ تبارک وتعالےٰ نے مقام عبودیت میں ملائکہ کے علو درجہ کو ظاہر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْـَٔمُوْنَ یعنے رات دن اس کی تسبیح پکارتے ہیں اور اکتاتے نہیں پھر فرمایا يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ یعنے اللہ تعالےٰ کی تسبیح حمد کے ساتھ پکارتے ہیں۔ اور افراد انسانی کے حق میں فرمایا رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ یعنے مساجد میں ایسے بھی مردان خدا ہیں۔ جنہیں خرید و فروخت وغیرہ معاملات اللہ تعالےٰ کے ذکر سے باز نہیں رکھتے

فضیلت ذکر احادیث میں بتصریح تمام مذکور ہے بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ جناب پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَاَنَا مَعَهٗ اِذَا ذَكَرَنِیْ فِیْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِیْ نَفْسِیْ وَاِنْ ذَكَرَنِیْ فِیْ مَلَاٍ ذَكَرْتُهٗ فِیْ مَلَاٍ خَيْرٍ مِّنْهُمْ وَاِنْ تَقَرَّبَ مِنِّیْ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ ذِرَاعًا وَاِنْ تَقَرَّبَ مِنِّیْ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا وَاِنْ اَتَانِیْ يَمْشِیْ اَتَيْتُهٗ هَرْوَلَةً یعنے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندہ کے ساتھ ویسا ہی

Marfat.com

ہوں جیساوہ میرے حق میں گمان رکھتا ہے اور میں اس کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے جماعت میں ذکر کرتا ہے تو میں اس جماعت سے بہتر جماعت (ملائکہ) میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔ اور اگر وہ مجھ سے ایک بالشت بھر قریب ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ بھر اس سے قریب ہوتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں بڑی جلدی سے قدم اٹھا کر اس کیطرف پہنچتا ہوں۔

اور ایک دوسری حدیث میں یوں ارشاد فرمایا ہے اِذَا ذَکَرَ الْعَبْدُ رَبَّہٗ کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ ذَالِکَ فِیْ صَحِیْفَتِہٖ ثُمَّ یُعَارِضُ الْمَلَائِکَۃَ یَوْمَ الْخَمِیْسِ نَیِّرَاتُہُمُ اللّٰہُ ذِکْرَ عَبْدٍ یَ لَہٗ بِقَلْبِہٖ فَتَقُوْلُ الْمَلَائِکَۃُ رَبَّنَا کُلَّ عَمَلِ ھٰذَا الْعَبْدِ اَحْصَیْنَاہُ اَتَیْنَاھُ فَلَمْ نَعْرِفْہُ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنَّ عَبْدِیْ ذَکَرَنِیْ بِقَلْبِہٖ فَاَثْبَتُّہٗ فِیْ صَحِیْفَتِہٖ فَذَالِکَ قَوْلُہٗ تَعَالٰی اِنَّا کُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ یعنے جس وقت بندہ اپنے رب کو یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس شخص کے نامۂ اعمال میں لکھ لیتا ہے پھر پنجشنبہ کے دن گروہ ملائکہ کے سامنے اس کے نامہ کو مقابلۃً پیش کر کے اپنے بندہ کے ذکر کو جو اس نے اپنے دل میں کیا ہوتا ہے دکھاتا ہے تب ملائکہ کہتے ہیں کہ خدایا اس بندے کے تمام اعمال کو ہم نے ضبط کر رکھا ہے مگر اس کے (فلاں) عمل کو جو اس نامہ میں لکھا ہے۔ ہم نہیں جانتے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ میرے بندہ نے مجھے اپنے دل میں یاد کیا تھا میں نے اس کو اس کے نامۂ اعمال میں درج کر دیا اللہ تعالےٰ کے قول اِنَّا کُنَّا نَسْتَنْسِخُ کے یہی معنے ہیں۔

پھر فرمایا ذِکْرُ اللّٰہِ عَلَمُ الْاِیْمَانِ وَحِصْنٌ مِنَ الشَّیْطٰنِ وَبَرَاءَۃٌ مِنَ النِّفَاقِ وَحِرْزٌ مِنَ النَّارِ یعنے اللہ تعالےٰ کا ذکر ایمان کی علامت اور

Marfat.com

شیطان سے بچنے کے لئے قلعہ اور نفاق سے بریت اور دوزخ سے پناہ ہے

پھر فرمایا مامن عبد یفیق جنبہ علی افراشہ ویذکر اللہ الا کتب ذاکرا الی ان یستیقظ یعنے بندہ جب سوتے وقت اللہ تعالے کا ذکر کرکے سوتا ہے تو بیدار ہونے تک وہ ذاکر ہی لکھا جاتا ہے اور بروایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ مروی ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا رب وددت ان اعلم من تحب من عبادک فامیثہ فقال اذا رایت عبدی یکثر ذکری فانا احبہ واذا رایت عبدی لا یذکرنی فانا ابغضہ یعنے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ خدایا میں چاہتا ہوں کہ تیرے اس بندے کو جانوں جس کو تو اپنے بندوں میں سے دوست رکھتا ہے اللہ تعالے نے فرمایا کہ جب تو کسی بندے کو دیکھے کہ میرا ذکر بہت کرتا ہے تو جان لے کہ میں اسکو دوست رکھتا ہوں اور جب تو کسی بندے کو دیکھے کہ وہ میرا ذکر نہیں کرتا تو جان لے کہ میں اسے دشمن رکھتا ہوں

اور بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبق المفردون قیل ومن المفردون قال المستہترون بذکر اللہ یضع الذکر عنہم اثقالہم فیاتون یوم القیامۃ خفافا یعنے مفردون سبقت لے گئے صحابہ نے پوچھا مفردون کون لوگ ہیں؟ فرمایا کہ وہ لوگ جو ذکر اللہ میں مشہور ہو گئے ہیں ایسے لوگوں سے ذکر تمام بوجھوں کو اتار دیتا ہے اور وہ قیامت کو سبکدوش ہو کر حق تعالے کے سامنے آئیں گے اور بروایت ابودرداء رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ انبئکم بخیر اعمالکم وازکاھا وارفعہا فی درجاتکم قالوا

Marfat.com

بَلٰی وَمَاذَاکَ یَانَبِیَّ اللّٰہِ قَالَ ذِکْرُ اللّٰہِ یعنے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ آیا میں تمہیں ایسے عمل پر آگاہ نہ کروں جو تمام اعمال سے بہتر اور سب سے پاکیزہ اور سب سے بڑھ کر خدا تعالےٰ کی خوشنودی کا باعث اور سب سے بڑھکر مدارج کو بلند کرنے والا ہو صحابہ نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ فرمائیے وہ کونسا عمل ہے آپ نے فرمایا اللہ تعالےٰ کا ذکر۔

اور بروایت عبداللہ بن بشر مازنی مروی ہے جَاءَ اَعْرَابِیٌّ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ فَقَالَ طُوْبٰی لِمَنْ طَالَ عُمُرُہٗ وَحَسُنَ عَمَلُہٗ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ فَقَالَ اَنْ تُفَارِقَ الدُّنْیَا وَلِسَانُکَ رَطْبٌ مِنْ ذِکْرِ اللّٰہِ یعنے ایک اعرابی خدمت اقدس نبوی میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ کونسا عمل بہتر ہے آپ نے فرمایا خوشخبری ہے اس شخص کے لئے جس کی عمر لمبی ہوا اور وہ اعمال صالحہ بجالاتا ہو اعرابی نے پوچھا یارسول اللہ کونسا عمل افضل ہے آپ نے فرمایا کہ تو دنیا کو ایسی حالت میں چھوڑے کہ ذکر اللہ سے تیری زبان تر ہو۔

فضیلت ذکر میں اس حدیث کو غور سے پڑھو قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَلِمَتَانِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ یعنے دو کلمے ایسے ہیں کہ جن کا زبان پر جاری ہونا تو بالکل آسان ہے مگر قیامت کو میزان حسنات میں ان کا بڑا بوجھ ہوگا وہ کلمات ہیں سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ

اور بھی بہت سی احادیث فضیلت ذکر میں وارد ہیں مگر بقدر کفایت ہم نے چند ایک کا ذکر کر دیا ہے

حقیقۃ الدعاء جس طرح اللہ تعالےٰ نے مادی اسباب کا سلسلہ قائم کیا ہے اسی طرح روحانی سلسلۂ اسباب کو بعض امور کے ساتھ تعلق دیا ہے جن کی وجود

Marfat.com

اور ضرورت سے کسی صورت میں انکار نہیں ہو سکتا۔ منجملہ ایسے اسباب کے دعاء بھی ایک سبب ہے جس کو اکثر حالات میں کسی امر کے اسباب مناسبہ کے مہیّا کرنے میں پورا دخل ہے بلکہ تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ خالص دعاء کے ذریعہ سے اسباب ضروریہ ایسے طور پر مہیّا ہو جایا کرتے ہیں کہ عاجز بندہ کے خیال میں ان کا ان حالات میں پیدا ہونا بالکل غیر متوقع تھا چونکہ فطرت انسانی کو اپنے خالق سے ایک ایسا مخفی تعلق ہے جس کی حقیقت سے عوام الناس آگاہ نہیں ہو سکتے اور اسی تعلق کے مقتضا پر دعاء کا اثر ظاہر ہوتا ہے اس لئے غایت جہالت کیوجہ سے دعاء کی ضرورت اور تاثیر کا انکار کرنے لگ گئے مگر اس انکار میں مبتلا ہونے والے اکثر وہ جہّال فلاسفہ ہیں جو ملحدین نیاچرہ کہلاتے ہیں ہم ذیل میں اس مفسدہ کے خیالات کو باطل ثابت کرتے ہیں جب ہم از روئے کتاب وسنت اس امر پر ایمان رکھتے ہیں کہ ہمارا ایک ایسا خالق ہے جو تمام صفات کاملہ سے موصوف ہے اور جو کچھ وہ کرتا ہے اپنے آزاد ارادہ سے کرتا ہے اور وہ فعل عین مصلحت ہوتا ہے اس نے ہماری آسانی کے لئے ہماری ضرورتوں کے موافق سلسلہ اسباب قائم کر کے ہم کو اس کی طرف ہدایت کی ہے چونکہ وہ سمیع وبصیر ہے اس لئے وہ ہر ایک کی پکار کو سنتا اور اس کے حالات کو دیکھتا ہے یہ امر ہماری فطرت کا اقتضا ہے کہ ہم اپنی ضرورتوں پر اسباب مناسبہ کیطرف رجوع کرتے ہیں اور جب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ کسی امر کے لئے اسباب نہیں اور ہم عاجز آجاتے ہیں تو مجبوراً اپنے خالق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں چونکہ وہ ہماری حالت کو دیکھتا ہے اور اس کو ہماری ضرورت کا علم ہے اور وہ ہماری پکار کو سنتا ہے اور رحمت کا نازل کرنا اس کی ذاتی وصف ہے لہذا جب ہم خارجی اسباب سے قطع تعلق کر کے اس کو موثر حقیقی یقین کرتے ہیں اور تمام سلسلۂ اسباب کو اس کی مشیت کا مقہور ومغلوب جانتے ہیں۔

Marfat.com

تو اس کی ارادت ہماری ضرورت کے مطابق حرکت کرکے ملائکہ رحمت کو اسباب مناسبہ کی فراہمی کا حکم دیتی ہے، ہم ان اسباب کیطرف رجوع کرکے فائز بالمرام ہوتے ہیں اور یہی استجابت دعاء کی حقیقت ہے مگر حق یہ ہے کہ جب مرکز عبودیت پر آدمی اپنے پاؤں جما لیتا ہے اور اس کو اپنے ضعف و عجز کا کامل یقین ہو جاتا ہے اور ظاہر و باطن میں منکسر ہو کر حضرت رب العزت کی بارگاہ میں جھک پڑتا ہے۔ تو ایسی حالت میں رحمتِ الٰہی جوش میں آکر بندہ کو انواع و اقسام کے انعامات و اکرامات کا سورد بنا دیتی ہے اور اس عجز و احتیاج کی اس بارگاہ ذوالجلال میں وہ قدر و قیمت ہے کہ سالہا سال کی عبادت ایک وقت کی اس کیفیت کا مقابلہ نہیں کر سکتی مگر جن شوہ پشتوں کا مذاق استدلال فلسفی نے بگاڑ دیا ہے اور بجز مادہ پرستی کے کسی حقیقت کا انہیں علم نہیں وہ نہ تو اس کیفیت کی حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ انہیں اس پر ایمان ہے بلکہ ایسے حقائق ان کے نزدیک محض ایک افسانہ ہیں۔

قطع نظر اس امر سے کہ حقیقتِ دعاء کی تصدیق پر ہماری فطرت شاہد ہے کتاب اللہ اور سنت صحیحہ نہایت زور کے ساتھ دعاء کی طرف بندوں کو بلاتی ہیں کتاب اللہ اور سنت میں ادعیہ ماثورہ کا وجود بھی اس امر کی کافی شہادت ہے کہ بجز دعاء انسان کو کوئی چارہ نہیں اور صرف دعاء ہی سے انسان اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں قرب پا سکتا ہے یہ بات صرف مذہب اسلام ہی سے خاص نہیں۔ بلکہ تمام مذاہب عالم کا جو کسی آسمانی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں یہ عقیدہ ہے معہذا ایک عام فطرت انسانی کا اس کی تائید میں ہونا قطعی حجت ہے۔ ہم قرآن شریف سے چند ایک آیات کو ذیل میں نقل کرکے دکھاتے ہیں کہ دعاء مذہب اسلام میں کس قدر ضروری چیز ہے [illegible] کا مقصد اعلےٰ ہے قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ

Marfat.com

اس آیت میں نہایت صاف طور پر ارشاد ہوا ہے کہ میں پکارنے والے کی پکار کا
جواب دیتا ہوں اور پھر فرمایا اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ اس آیت میں صریح طور پر
حکم ہے کہ میری بارگاہِ کبریا میں خشوع و خضوع کے ساتھ رجوع کرو اور دوسری
جگہ اس کو یوں واضح کیا وَسْئَلُوا اللّٰہَ مِنْ فَضْلِہٖ یعنی اللہ تعالےٰ سے اس کی
مہربانی کا سوال کیا کرو اور اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ سے اس امر کا پتہ
لگتا ہے کہ اضطرار یعنے بیچارگی کی حالت موجبِ اجابت ہے اور بیچارگی کو تضرع اور
خشوع و خضوع لازم ہے کیونکہ جس شخص کو اسبابِ ظاہری حاصل ہوں وہ نہ تو اتنے
بیچارہ ہوتا ہے اور نہ اس میں خشوع و خضوع پیدا ہو سکتے ہیں۔

آیت قرآنیہ سے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کی
دعا کو قبول فرماتا ہے بلکہ بعض آیات سے یہ پتہ بھی لگتا ہے کہ اللہ تعالےٰ دعا
نہ کرنے پر ناراض ہوتا ہے قال اللہ تعالیٰ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَھُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا
وَلٰکِنْ قَسَتْ قُلُوْبُھُمْ اس آیت کا اسلوب بیان ظاہر کرتا ہے کہ نزول عذاب
پر تضرع نہ کرنا موجبِ غضب ہے اور قساوتِ قلبی کو دور کرنا اور اس کی جگہ خشوع
و خضوع کا پیدا کرنا اللہ تعالےٰ کو مطلوب ہے بعض آثار میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالےٰ
دعا نہ کرنے پر ناراض ہوتا ہے اور آدابِ دعا میں مروی ہے کہ دعا کرنے
والے بندہ کو اجابت کا یقین ہونا چاہیئے اور وساوس و شکوک کو دل سے نکالنا
ایک حدیث میں یوں وارد ہوا ہے لَا یَقُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ اِنْ شِئْتَ وَلٰکِنْ لِیَجْزِمْ
اِنْ شِئْتَ فَیَقُوْلَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ اِنْ
نہیں چاہیئے کہ دعا کرنے والا کہے کہ خدایا اگر تو چاہے تو مجھے
بلکہ صرف شرط سے [illegible]
یوں سوال کرے کہ خدایا [illegible]

Marfat.com

علیہ السلام نے فرمایا اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ یعنے دعا عبادت کا مغز ہے پھر فرمایا
اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ یعنے دعا عبادت ہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دعا بجز
عبادت کے اور کچھ نہیں اور بڑا حصہ عبادت کا دعا میں منحصر ہے دعا بجائے
خود ایک عبادت ہے جس میں عبودیت کا بروجہ کامل اظہار ہوتا ہے اور یہی وجہ
ہے کہ یہ تمام انواع عبادت سے ممتاز ہے کیونکہ عبودیت عجز و انکسار کی مقتضی
ہے اور ربوبیت کبریاء و جبروت کو چاہتی ہے لہٰذا جب بندہ غایت تذلل کی حالت
میں اللہ تعالیٰ کی غایت عظمت و جبروت کا تصور کرتا ہے تو اس کو بارگاہ ہونے
میں ایک خاص قرب حاصل ہوتا ہے اور اس حالت قریبی و ایک قسم کی تسکین اور
اطمینان محسوس کرتا ہے اور یہ تسکین اور اطمینان علامت اجابت ہے اگر یہ حالت
تضرع آنسو بھی جاری ہو جائیں تو یقین ہو کہ دعا ہرگز رد نہیں ہوگی بعض
میں وارد ہوا ہے کہ قبول دعاء کی تین ایک صورت نہیں کہ مطلوب حاصل ہو جاتا
ہے کہ اگر عطائے مطلوب داعی کے حق میں مناسب ہو تو اللہ تعالیٰ مطلوب دیا جاتا ہے
یا اس کے عوض میں کوئی اور مطلوب اس کو دیا جاتا ہے یا کوئی آنے والی مصیبت
ٹل جاتی ہے اور ان تین صورتوں سے کوئی صورت نہ ہو تو دعا کی مقبولیت
میں مطلوب دنیا تک کے ذخیرہ رکھی جاتی ہے بعض صورت میں یہ ہوتا ہے کہ بعض
دعا مقبول نہیں ہوتی۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ دعا کسی حالت میں صورۃً نہیں
مقبول نہ ہو مگر ضائع نہیں جاتی۔ کیونکہ دعا بندہ کا ایک عمل ہے جو اس
کچھ ہی ہو کبھی اکارت نہیں جاتا ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ
تک اللہ تعالیٰ بندہ کی دعا کو رد نہیں کرتا کہ وہ اتنا قبول کرنے لگتا ہے کہ
میں لئے بہت دعا کی مگر قبول نہیں ہوئی بندہ کو اتنا نہیں چاہئے کہ
کہ القاء میں کچھ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کہنا سننا واقعی نہیں ہوا کرتا

Marfat.com

منکشف ہوجائے اس امر کو خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ گو بلحاظ ظاہری اور باطنی حالات کے دعاء کے لئے چند ایک شرائط اور لوازم ہیں مگر اصل یہ ہے کہ اس باب میں جو تضرع اور زاری کو دخل ہے اور کسی چیز کو نہیں قال اللہ تعالیٰ اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً کسی صاحب دل نے کیا عمدہ کہا ہے ؎

سر نوشتِ واژگوں را راست گرداند نیاز۔
نقشِ معکوسِ نگیں از سجدہ مے گردد درست

تضرع اور ابتہال تمام مشکلات پر پانی پھیر دیتے ہیں کما قیل ؎

دلا بسوز کہ سوزِ تو کارہا بکند دعائے نیم شبی دفعِ صد بلا کند

قال المولوی المعنوی ؎

ایکہ خواہی از بلا جان وا خری جانِ خود را در تضرع آوری
کایں تضرع را برِ حق قدرہاست وآں بہا کانجا ست آنرا کجاست

بہرصورت دعاء کا منجملہ اسباب مؤثرہ کے شمار ہونا انسانی فطرت میں داخل ہے اور تمام کتب سماویہ اس کی صداقت پر شہادت دیتی ہیں اور تجربہ اس کی تائید کرتا ہے اور جس بے دین نے اس کا انکار کیا ہے اس نے درحقیقت قرآن مجید کا انکار کیا ہے کما قال بعض المفسرین مَنْ طَعَنَ فِي الدُّعَاءِ نَقَدْ طَعَنَ فِي الْقُرْاٰنِ وَالْبَلَهُ یہ خیال کہ دعا سے صرف ایک قسم کی تسلی مقصود ہوتی ہے ورنہ اس کی کچھ تاثیر نہیں کیونکہ سب اپنے اسباب سے وابستہ ہیں انہیں کے موجود ہونے پر وہ امور واقع ہوں گے اس الحاد کا نتیجہ ہے کہ روحانی اسباب کی تاثیر سے قطع نظر کر لیا گیا ہے انکار دعا کو پہلے پہل سید احمد خان علی گڈھی نے رواج دیا بعد ازاں اس کے متبعین نیاچرہ نے گاہ بگاہ اسکے خیال فاسد کی تائید کی اس انکار کے متعلق مفصلہ ذیل اعتراض سنے جاتے ہیں

Marfat.com

(ا) اگر مطلوب کا ارادۂ الٰہی میں واقعہ ہونا ضروری قرار پا چکا ہے تو دعا کرنا بے سود ہے وہ خود بخود وقوع میں آ رہے گا اور اگر اس کا وقوع ضروری نہیں تو پھر بھی دعاء کچھ مفید نہیں الغرض ہر دو صورت میں دعاء ایک امر لایعنی ہے

(ب) جب اللہ تعالےٰ کی صفت یہ ہے کہ وہ علیم بذات الصدور ہے تو پھر دعاء کی کیا ضرورت ہے بلکہ ترکِ دعا اولےٰ ہے۔

(ج) ایک حدیث میں یوں وارد ہوا ہے مَنْ شَغَلَهٗ ذِكْرِیْ عَنْ مَسْئَلَتِیْ اَعْطَیْتُهٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِی السَّائِلِیْنَ یعنے جو شخص عرض حاجت کو چھوڑ کر میری یاد میں لگا رہتا ہے میں اسے عرض حاجت کرنے والوں سے بڑھکر دیتا ہوں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ترک دعاء اولےٰ ہے

اس قسم کے اور بھی بعض اعتراضات کج فہم لوگ کیا کرتے ہیں مگر درحقیقت ناواقفی کا نتیجہ ہیں کیونکہ کسی امر کے ارادۂ ذات باری میں مقدّر یا اس کے علم میں ہونے کی وجہ سے ترک اسباب لازم نہیں آتا کیونکہ ممکن ہے کہ ارادۂ الٰہی میں بذریعہ دعاء ہی وقوع میں آنا مقدر ہو تعجب ہے کہ دعا کی ضرورت پر تو ایسے ایسے فضول اعتراض کئے جاتے ہیں مگر کسی عزیز کے بیمار ہونے پر کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ اگر اس کے لئے صحت کا ہونا مقدّر ہے تو بلا معالجہ حاصل ہو رہے گی اور جو حصول صحت مقدر نہیں تو معالجہ بے سود ہے جو لوگ سلسلہ سبب و مسبب کی حقیقت اور اس کی ضرورت سے آگاہ ہیں وہ کبھی اس خیال باطل پر دعاء کو ترک نہیں کر دیتے اللہ تبارک و تعالیٰ کی مشیّت ایسے مصالح خفیّہ کے ساتھ جاری ہے کہ انسان عاجز اس کی نسبت کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کسی صورت میں جاری ہوگی؛ لہٰذا ہم پابندی اسباب سے جو طبعی امر ہے کبھی مستغنی نہیں ہو سکتے۔

Marfat.com

کے مفہوم میں اللہ تعالیٰ کے سلسلۂ اشیاء کو ایک ظاہر مناسب و مزین
کے پیدا کرنے انسان کی ان کی طرف متوجہ کرنا اجمالی دلیل سے ثابت ہوا فافہم
چونکہ دعا، کا جو اسم اعظم ہے اسماء و صفات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عظمت
اور جمعیت پر دلالت کرتے ہیں اور انہیں اسماء و صفات کے ساتھ اس کو پکارا جاتا ہے
کہ وہ خوب سمجھتا ہے کہ دعا کرنے والا کیا مانگ رہا ہے کیونکہ شئی کو وہی شخص
اس امر کو بڑا دخل ہے۔

والاسم الاعظم الخ اس عبارت سے یہ شبہ کرنا کہ اسم اعظم کی تعیین
غیر ضروری معلوم ہوتا ہے کیونکہ
گروہ کا خیال ہے کہ اسم اعظم کوئی ذاتی نہیں اسم اعظم ہر
کوئی شخص اسی اسم کو
منقطع ہو کر صرف دعا کی
اسم اعظم ہے اس وجہ سے ایک
اول یہ کہ اسم ایسا کلمہ ہے جو خصوص ترکیب سے مرکب ہوتا ہے
سے کاپنے لگتا ہے اور اسم فی حد ذاتہ شریف نہیں ہو سکتا البتہ
کے ساتھ استعمال کیا جائے
ہونے میں برابر ہیں
دوم یہ کہ ذات باری

اجزاء نہیں ہو سکتے لہذا اس کے متعلق یہ خیال صحیح نہیں کہ بعض اسماء اسکی ذات کے جزو اشرف پر دلالت کرتے ہیں اور بعض کسی دیگر جزو اشرف پر اور جب یہ امر محال ہے تو تمام اسماء اس ذات واحد کامل پر یکساں طور پر دلالت کرینگے لہذا کوئی اسم کسی دوسرے اسم کی نسبت اعظم نہیں کہلا سکتا۔

سوم یہ کہ بعض آثار صحیحہ میں بھی مذکورہ بالا رائے کی تائید موجود ہے مثلاً امام جعفر رضی اللہ عنہ سے کسی نے اسم اعظم کی نسبت دریافت کیا تو آپ نے اسے کہا کہ اٹھو اس حوض میں غسل کرو۔ بعد ازاں تم اسم اعظم مجھ سے سیکھو۔ وہ شخص حوض میں داخل ہو کر غسل کرنے لگا موسم زمستان تھا اور پانی یخ بست ہو رہا تھا۔ اس نے بہت جلد باہر نکلنا چاہا امام ممدوح نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اسے باہر مت آنے دو وہ شخص باہر نکلنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا مگر وہ لوگ اسے پھر پانی میں دھکیل دیتے اس نے بہت منت و سماجت کی۔ مگر انہوں نے ایک نہ سنی آخر اسے یقین ہو گیا کہ یہ لوگ مجھے ہلاک کرنا چاہتے ہیں تب اس نے نہایت یاس اور غایت زاری کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی رہائی کی التجا کی ان لوگوں نے جب اس کی یہ حالت دیکھی تو انہوں نے فی الفور اسے باہر نکال لیا اور کپڑے پہنائے کچھ دیر بعد جب اس میں کچھ طاقت آگئی تو امام صاحب سے عرض کیا۔ کہ اب تو اسم اعظم سکھلائیے آپ نے فرمایا کہ تم نے تو اسم اعظم سیکھ لیا ہے اور وہ وہی اسم تھا جس کے ساتھ تو نے اپنے سوئے کو پکارا تھا اور اس نے تیری التجا کو منظور کیا اس نے پوچھا وہ کیسے؟ امام صاحب نے فرمایا کہ اسماء ذات باری میں سے ہر ایک اسم غائت عظمت و جلالت رکھتا ہے اور انسان جب کسی اسم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے تو چونکہ دل سے اس کو تعلق نہیں ہوتا بلکہ صرف زبان پر لفظ جاری

Marfat.com

ہوتا ہے اس لئے اسے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا مگر جب اسی اسم کے ساتھ غایت ہیں اور اضطرار کی حالت میں غیر اللہ سے الگ تھلگ ہوکر پکارتا ہے تو وہی اسم اسم اعظم ہو جاتا ہے تمہیں جب غیر اللہ کیطرف سے ناامیدی ہو چکی تھی تو اسباب سے قطع تعلق ہو گیا تھا اور صرف اس مالک حقیقی کی رحمت پر توجہ محدود ہو گئی تھی لہذا جس اسم کے ساتھ تم نے اسے پکارا وہی اسم اعظم ہو گیا۔

اسی طرح مروی ہے کہ ایک شخص ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور کہا کہ مجھے اسم اعظم کا پتہ دیجئے انہوں نے فرمایا کہ اسم اعظم کے لئے کوئی خاص حد معین نہیں اپنے قلب کو غیر اللہ سے پاک و صاف کر کے صرف ذات مقدس کیطرف رجوع کرو پھر جس اسم سے تم اسے پکارو گے وہی اسم اعظم ہو گا۔ غیر اللہ سے الگ تھلگ ہو کر ذات باری کو پکارنا اور ایسے وقت میں اسے جس اسم سے پکارا جائے اس کے ذریعہ سے دعاء کا مقبول ہونا پایۂ یقین کو پہنچ چکا ہے اور اس میں راز صرف یہی ہے کہ جسقدر غیر اللہ سے قطع تعلق ہو جاتا ہے اسی قدر قلب کا تعلق ذات باری کیساتھ بڑھ جاتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر ایک اسم ایسی حالت میں بطور اتم مؤثر ثابت ہوتا ہے اسی خیال پر ایک محقق نے لکھا ہے کہ پورے طور پر انسان صرف اسوقت غیر اللہ سے الگ تھلگ ہوتا ہے جبکہ وہ نزع کی حالت میں ہوتا ہے اس حالت میں بجز اللہ تعالےٰ کے کسی شخص کیطرف سے اسکے دل میں خوف و رجا باقی نہیں رہ جاتے اس لئے ایسی حالت میں عاجز بندہ جس اسم کے ساتھ حضرت رب العزت کو پکارتا ہے وہ اس کے حق میں اسم اعظم ہو گا اور اس اسم کا مقتضیٰ یہ ہو گا۔ کہ اللہ تعالےٰ کی رحمت اور اس کا کرم بندہ کے شامل حال ہو گا یعنے اس کو درکات عذاب سے رہائی دیکر درجات ثواب تک پہنچا دے گا اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ جناب نبوی کا فرمان مبارک

Marfat.com

مَنْ كَانَ اٰخِرَ كَلَامِهٖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ مذکورہ بالا حکمت پر مبنی ہے فصلّی اللہ علیہ وسلم ہ

علماء کا ایک دوسرا گروہ ہے جن کا یہ خیال ہے کہ اسم اعظم ایک خاص معیّن اسم ہے پھر یہ لوگ بھی دو قسم کے ہیں ایک تو قائل ہیں کہ بندوں کو اس کا علم ہے دوسرے قائل ہیں۔ کہ کسی کو اس اسم کا علم نہیں ہر ایک گروہ اپنے اپنے دلائل پیش کرکے اپنے دعوی کو ثابت کرتا ہے جو لوگ اس امر کے قائل ہیں کہ بندوں کو اس کا علم ہے اُن میں اختلاف ہے کہ وہ کونسا اسم ہے؟ بعض کا خیال ہے کہ وہ اسم ھُوَ[۵۱] ہے اور مقام دعاء میں یَاھُوَ یَا مَنْ لَا ھُوَ اِلَّا ھُوَ یَا مَنْ ھُوَ بِہٖ ھُوَ یَا کُلُّ ھُوَ بولا کرتے ہیں مفصلہ ذیل دلائل کے رو سے یہ اسم اسمِ اعظم ہے۔

اوّل یہ کہ اسم ھو کنایہ ہے ذات واحد سے جو بطور غیبت اور فردانیت کے موجود ہے غیبت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ذات تمام اشیاء سے علیحدہ ہے یعنی وہ نہ کسی چیز میں نہ کسی چیز کے اوپر نہ کسی چیز سے متصل اور منفصل ہے اور فردانیت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ہر ایک جہت سے فرد مطلق ہے اور تمام صفات میں کامل و مکمل ہے لہذا اسم ہُو کا اطلاق ذات باری پر اس حیثیت سے کیا جاتا ہے کہ وہ ان تمام صفات سے موصوف ہے جو اسکے شایان شان ہیں لہذا اسم ہو اخص الاسماء قرار دیا گیا۔

دوم یہ کہ موجودات کا ایک خالق حقیقی کیطرف محتاج ہونا ایک ایسا واضح اور بیّن امر ہے کہ اس کے متعلق کسی دلیل کے پیش کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ ایک امر فطری ہے یہی وجہ ہے کہ مشرکین اس سوال کے جواب میں کہ زمین و آسمان کو کس نے پیدا کیا ہے بجز ذات باری کے کسی غیر کا نام نہیں لے سکتے تھے حیث

---

[۵۱] علماے حدیث میں سے شیخ ابن تیمیہ اس امر کا انکار کرتے ہیں کہ ھو اسم ذات باری ہے چہ جائیکہ وہ اسم اعظم ہو ۱۲

Marfat.com

قال اللہ تعالیٰ ولئن سالتھم من خلق السموات والارض لیقولن اللہ لہذا اسم ہوے ایک ایسے موجود حقیقی کی طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے جس کی ضرورت پر انسانی فطرت شاہد ہے اور یہ اسم اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ موجودہ حقیقی اپنی ماہیت ذات کی جہت سے باطن (مخفی) ہے اور بلحاظ دلائل کے ظاہر۔ اس لئے یہ اسم اسم اعظم ہے۔

سوم یہ کہ عموماً قاعدہ ہے کہ سلاطین عظیم الشان کو اگرچہ متکلم سامنے موجود ہو بجائے صیغہ خطاب کے صیغہ غائب سے تعبیر کیا کرتے ہیں یعنے بجائے اَنْتَ فَعَلْتَ کَذَا کے ھو فعل کذا بولا کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ لفظ ھُوَ اعظم الکنایات قرار دیا گیا ہے۔

بعض دیگر کا خیال ہے کہ اسم اعظم لفظ اللہ ہے اور وہ اس کے متعلق چند وجوہ بیان کرتے ہیں اولاً اس اسم کا اطلاق بجز ذات باری کے کسی اور چیز پر نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اہل عرب اپنے معبودوں کو اٰلِھَۃٌ کہا کرتے اور یہ اسم مبارک صرف ذات واحد سے مخصوص تھا قال اللہ تعالیٰ وَلَئِنْ سَاَلْتَھُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ اللہ اور پھر فرمایا ھل تعلم لہ سمیا یعنے کوئی مخلوق ذات باری کا ہمنام نہیں کیونکہ وہ اسم اللہ سے موسوم ہے جو کسی غیر پر اطلاق نہیں پا سکتا چونکہ اس اسم کو ذات باری سے خصوصیت ہے اسلئے اشرف الاسماء ہے۔

ثانیاً اسم اللہ دیگر اسماء ذات باری کی نسبت اصل ہے یعنے تمام دیگر اسماء اس اسم کیطرف مضاف کیا کرتے ہیں اور اسے مضاف الیہ قرار دیتے ہیں مثلاً یوں کہہ سکتے ہیں کہ رحیم۔ رحمٰن غیر اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں یوں نہیں کہا کرتے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا اسم ہے۔

ل سورہ ابراہیم کی آیۃ اللہ صراط العزیز الحمید اللہ الذی لہ ما فی السموات وما

بقیہ صفحہ آئندہ

Marfat.com

ثالثاً آیۂ قل دعوا اللہ او ادعوا الرحمن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہر دو اسم بہ نسبت دیگر اسماء کی مخصوص ہیں اور ان ہر دو میں سے اسم اللہ اسم رحمٰن پر مقدم ہے اس لئے کہ اسم اللہ جامع جلال و جمال ہے اور اسم رحمن صرف جہت جمال پر مشتمل ہے لہذا اسم اللہ اشرف ہے رابعاً کافر کا اسلام لا الٰہ الا اللہ کہنے پر معتبر سمجھا جاتا ہے لیکن اگر کسی دیگر اسم سے اظہار کرے تو نہیں اور یہ امر بھی اسم اللہ کے اشرف ہونے پر دلالت کرتا ہے

(خامساً) آیۂ قل اللہ ثم ذرھم سے معلوم ہوتا ہے کہ اسم اللہ دیگر اسماء کی نسبت اشرف ہے کیونکہ اس میں حضور علیہ السلام کو تمام غیر اللہ سے منقطع ہو جانے کی ہدایت ہے اور اسم اللہ کے ساتھ ذات باری کی توجہ کو کامل کرنے کیطرف اشارہ ہے لہذا یہ اسم اشرف الاسماء ہے۔

(سادساً) کتاب اللہ شریف کو پہلے اسم اللہ سے شروع کیا گیا ہے اور یہ بھی دلیل اس کے اشرف الاسماء ہونے کی ہے۔

بعض علماء نے اس اسم کے اشرف الاسماء ہونے پر اور بھی دلائل قائم کئے ہیں۔ ہم نے نظر باختصار انہیں نظر انداز کر دیا ہے۔

علماء کا ایک تبصر اگروہ ہے جو الحی القیوم کو اسم اعظم قرار دیتا ہے اور اس کے متعلق دو وجوہ بیان کرتے ہیں۔ اوّل یہ کہ بروایت اُبی بن کعب مروی ہے کہ انہوں نے جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے اسم اعظم کی درخواست کی آپ نے فرمایا کہ اسم اعظم ان ہر دو آیات میں ہے (ا) اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم (ب) الٓمّٓ اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم گر لا الٰہ الا اللہ اسم اعظم

فی الارض میں یا تو تقدیم و تاخیر ہے یعنی الی صراط اللہ العزیز الحمید الذی الخ یا بوجب قرأت نافع و ابن عامر لفظ اللہ مرفوع مبتدا ہے اور الذی مع صلہ خبر مبتداء فلا اشکال ۱۲ حاشیہ لذ شتہ

نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ دیگر آیات میں بھی موجود ہے اس لئے الحیّ القیّوم ہی اسم اعظم ہے
اور ایک روایت میں جو عبداللہ بن عباس سے مروی ہے اسم اعظم الحیّ القیوم
ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ اسم صرف تین آیات میں مذکور ہے دو تو سطورہ بالا آیات
ہیں اور تیسری آیت ہے وَعَنَتِ الوجوہ للحیّ القیّوم
دوم یہ کہ ان ہر دو اسم کے مفہوم میں تمام دیگر صفات کاملہ کا مفہوم داخل
ہے یعنے ان اسماء کے ذکر کرنے پر دیگر صفات کے علیحدہ ذکر کی ضرورت نہیں ہوتی
لہذا یہ ہر دو اسم اعظم الاسماء ہیں۔
علماء کا ایک چوتھا گروہ ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ذوالجلال والاکرام اسم اعظم ہے
اولاً اس لئے کہ حدیث نبوی میں وارد ہوا ہے اَلِظُّوا بیا ذا الجَلَالِ وَالاِکرَام
یعنی ذوالجلال والاکرام پر جم جاؤ اور اس اسم کے ذکر کو لازم پکڑو یہی وجہ ہے
کہ اکثر ادعیہ ماثورہ میں یہ اسم وارد ہوا ہے وثانیاً) یہ اسم تمام دیگر صفات الٰہیہ پر
مشتمل ہے کیونکہ اس میں ہر دو قسم کے صفات جلال وجمال کا مفہوم داخل ہے
(اکرام صفات جمال کی طرف اشارہ ہے) علماء کا ایک پانچواں گروہ ہے جن کا یہ
خیال ہے کہ اسم اعظم حروف مقطعات قرآنیہ میں مذکور ہے چنانچہ حضرت علی
کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ آپ کسی مشکل کے موقع پر یوں دعاء کیا کرتے یا
کٓہٰیٰعٓصٓ یا حٰمٓ عٓسٓقٓ اسی طرح سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ
حروف مقطعات کی دو صورتیں ہیں ایک تو ایسے حروف ہیں جن کی ترکیب سے کوئی
اسم مرکب ہوسکتا ہے مثلاً الٓرٰ حٰمٓ نٓ کی ترکیب سے اسم الرحمٰن کی ترکیب ہوسکتی
ہے دوم وہ حروف ہیں جن سے کوئی ایسی ترکیب حاصل نہیں ہوسکتی اور اسم اعظم
انہیں حروف میں محدود ہے ایک اور روایت میں حضرت امام زین العابدین رضی اللہ
عنہ سے مروی ہے کہ میں نے اللہ تعالےٰ سے اسم اعظم کی بابت سوال کیا جس سے

کہ دعاء مقبول ہو جاتی ہے تو مجھے ایک رویاء میں بتلایا گیا کہ دعائیں یوں کہا کرو۔ اللّٰھمّ انی اسئالک اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ الذی لا الٰہ الا ھو رب العرش العظیم امام صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ان الفاظ میں جب دعاء کی مقبول ہوئی

یہاں تک ان مذاہب کا بیان تھا جن میں یہ مذکور ہے کہ اسم اعظم مخلوق کو معلوم ہے دوسرا گروہ ان علماء کا ہے جن کا یہ خیال ہے کہ اسم اعظم کا علم کسی کو نہیں اور اس کے مخفی رکھنے میں یہ حکمت ہے کہ طالب جمیع اسماء حسنےٰ کا ذکر کرے اور اس کی مثال بعینہ لیلۃ القدر کی سی ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللّٰہ (ا) علماء عربیت میں سے ابوزید بلخی اس امر کے قائل ہیں کہ اسم اللہ عربی زبان کا لفظ نہیں بلکہ یہ سریانی زبان کا لفظ ہے جو اصل میں الٰھا تھا۔ اہل عرب کا قاعدہ ہے کہ دوسری زبان کے لغات کو اپنے ہاں استعمال میں لاکر مخفف بنا لیا کرتے ہیں چنانچہ حرف مدہ کو اس اسم کے اخیر سے بھی ساقط کیا گیا ہے جیسے سریانی کے الفاظ ابا اور روحا کو اہل عرب اب اور روح بولا کرتے ہیں مگر اکثر علماء عربیت کا مذہب یہ ہے کہ یہ اسم عربی لفظ ہے اور یہی صحیح ہے صرف ایک زبان کے کسی دوسری زبان کے ساتھ بعض الفاظ میں توافق ہو جانے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ الفاظ ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل ہوئے ہیں معہذا اہل عرب ایک خالق عالم کے قائل تھے اس لئے یہ ناممکن ہے کہ اس کو تعبیر کرنے کے لئے کوئی اسم ان کے ہاں موجود نہ ہو۔ اور اس لئے وہ دوسری زبان سے لینے پر مجبور ہوئے ہوں۔

(ب) یہ بالکل صحیح ہے کہ ذات باری کے جس قدر اسماء بجز اس لفظ (اللہ) کے ہیں بالاتفاق مشتق ہیں مگر اس اسم کے بارے میں علماء اسلام نے اختلاف

Marfat.com

کیا ہے کہ آیا وہ مشتق ہے یا جامد ائمۂ شریعت میں سے امام ابو حنیفہ۔ شافعی۔ حسین بن فضل بجلی۔ قفال شاشی۔ ابو سلیمان خطابی۔ ابو زید بلخی۔ امام غزالی وغیرہم اس کے غیر مشتق ہونیکے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ اسم ذات باری کے ساتھ مخصوص ہے جیسے اسماء اعلام کا قاعدہ ہے اور علماء ادب میں سے خلیل سیبویہ۔ مبرد کا بھی یہی مذہب ہے مگر معتزلہ اور اکثر ادباء نے اس کو مشتق قرار دیا ہے لیکن ہمارے نزدیک مذہب مختار یہی ہے کہ وہ مشتق نہیں کیونکہ اس اسم کو موصوف فرما دے کر دیگر اسماء صفاتیہ کو اس کی صفت میں ذکر کیا کرتے ہیں اور حدیث شریف میں آیا ہے اِنَّ لِلّٰہِ تِسْعَۃً وَتِسْعِیْنَ اِسْمًا یعنے اللہ تعالےٰ کے لئے ننانوے نام ہیں اور قرآن مجید میں وارد ہے وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہُ بِھَا یعنے اللہ تعالےٰ کے لئے اسماء حسنی ہیں تم اسے ان ناموں سے پکارو دیکھو اس حدیث و آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسم اللہ کو موصوف قرار دیکر باقی دیگر کو اس کیطرف بطور صفت کے نسبت کیا ہے اگر یہ بھی مشتق ہوتا تو اسم صفت ہوتا پھر موصوف کیسے ہو سکتا کیونکہ موصوف تو اسم ذات ہوا کرتا ہے ہاں یہ بات ضروری ہے کہ صیغہ صفت کو بھی کبھی اسم کے لفظ سے تعبیر کر دیا کرتے ہیں مگر بطور مجاز نہ بطور حقیقت۔

(ج) جو لوگ اس اسم کو مشتق بتاتے ہیں ان کے نزدیک یہ مشتق ہے۔ اَلَہَ الرَّجُلُ اِلَیْہِ سے جس کے معنے ہیں فلاں شخص فلاں کی طرف مضطر ہوا چونکہ سب اشیاء اللہ تعالےٰ کی محتاج ہیں اس لئے اس کو الٰہ بروزن امام بولتے ہیں بعض نے کہا ہے کہ اِلٰہ اصل میں ولاہ ہے حرف واؤ ہمزہ سے بدل گیا جیسے وِسَادَۃ سے اِسلاد اور وشاح سے اشاح وغیرہ اور ولہ کے معنے شدت محبت کے ہیں۔ اور توجیہ یوں کیا کرتے ہیں کہ بندے اللہ تعالےٰ سے محبت کرتے ہیں اس لئے اسے الٰہ بولتے ہیں۔ گو قیاس یہ تھا کہ مالوہ بولتے جیسے معبود مگر اس بناء سے عدول

Marfat.com

کرکے الٰہ کہا گیا تاکہ اسے علم قرار دیا جائے۔

بعض علماء کا مذہب ہے کہ یہ اسم لاہ یلوہ سے مشتق ہے جس کے معنے احتجب[1] (حجاب میں آگیا) کے ہیں چونکہ ذاتِ حق اپنی حقیقت اور دیگر تمام صفات کاملہ میں غیر متناہی ہے اور مخلوق کی شان یہ ہے کہ وہ ہر ایک وصف میں متناہی ہے یعنے مخلوق کے صفات مثلاً حیات سمع۔ بصر۔ عقل و فکر وغیرہ ایک خاص حد سے آگے تجاوز نہیں کرسکتے اس لئے ناممکن ہے کہ متناہی غیر متناہی پر حاوی ہوسکے یہی وجہ ہے کہ عقول اس کے انوار صمدیت کے سامنے متحیر اور افکار اس کے آثار عظمت کے مقابلہ میں مغلوب ہیں چنانچہ خود فرمایا هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ

بعض کا خیال ہے کہ یہ لفظ اَلَهَتْ بِالْمَكَانِ سے مشتق ہے جس کے معنے ہیں اقامت کرنا قال الشاعر ؎

اَلَهَتْنِيْ اَلَهٌ مَا تَبَيَّنُ رُسُوْمُهَا كَانَ بَقَايَاهَا وِشَامٌ عَلَى الْيَدِ

توجیہ یہ ہے کہ چونکہ ذات باری ازل سے ابد تک دوام وجود کی مستحق ہے اسلئے اس اسم سے مخصوص ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ لفظ اَلِهَ الرَّجُلُ سے مشتق ہے جس کے معنی حیرت زدہ ہونیکے ہیں۔ چونکہ عقول اس ذات اقدس کی کنہ جمال و جلال میں حیران[2] ہیں اس لئے

---

[1] بعض علماء کا خیال ہے کہ ذات باری عز اسمہ کی نسبت محتجب کا لفظ تو اطلاق کرسکتے ہیں مگر محجوب نہیں بول سکتے۔ کیونکہ محتجب کا مفہوم ہے کہ بوجہ اپنے صفات کاملہ کے تمام عقول پر غالب ہے اور عقول کو اس کی کنہ تک رسائی نہیں بلکہ وہ اپنے جلال و جبروت سے انکو مغلوب کرتا ہے اور محجوب سے اس ذات اقدس کا مغلوب ہونا پایا جاتا ہے ۱۲ منہ [2] واضح ہو کہ ارواح بشریہ اگرچہ فی الحقیقت جواہر نورانیہ ہیں مگر تعلق جسمانی کیوجہ سے وہ ایک خاص مدت تک قعر ظلمت میں پڑے رہتے ہیں اور قیاعدہ ہے کہ جو شخص سالہا سال کسی ظلمت خانہ میں محبوس رہے اگر اسے فی الفور آفتاب کی روشنی میں لایا جائے تو اندھا ہو جائیگا کیونکہ باصرہ کے قوتیں معطل رہنے کیوجہ سے اسمیں ضعف آجاتا ہے اور وہ نور کی متحمل نہیں ہوسکتی لیکن اگر پہلے اس شخص کو مقوی سرمہ استعمال کرا دیا جاتا اور رفتہ رفتہ کم کم روشنی سے عادت پذیر کیا جاتا تو نور آفتاب اس کو مضر نہ پڑتا یہی حال ہے ارواح کا کہ وہ جب ظلمت خانہ بدن کو چھوڑتے ہیں تو ذرا م

یہ اسم اس ذات پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ بعض کا قول ہے کہ یہ اسم تالّہ سے مشتق ہے جس کے معنے تعبّد کے ہیں چنانچہ اہل عرب اپنے بتوں کو اِلٰہٌ بولا کرتے تھے کیونکہ وہ اُن کی پرستش کیا کرتے اور انہیں اپنا معبود جانتے تھے ظاہر ہے کہ ذات باری منعم حقیقی ہونے کیوجہ سے مستحق عبادت ہے اس لئے وہ معبود ہے پس اِلٰہٌ بمعنے معبود ہُوا امام غزالی مقصد اسنی میں لکھتے ہیں کہ اسم اللہ کے متعلق جس قدر اشتقاق کئے گئے ہیں محض تکلفات ہیں

(د) اس امر کا بیان ضروری معلوم ہوتا ہے کہ لفظ اللہ کو عموماً دعاء کے موقع پر اَللّٰھُمَّ سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔ خلیل ابن احمد اور سیبویہ کا مذہب ہے اَللّٰھُمَّ اصل میں یا اللہ تھا اور میم مشدد اخیر میں حرف ندا کا قائم مقام ہے مگر فرّا نحوی کا مذہب ہے کہ اللّٰھُمَّ اصل میں یا اَللّٰہُ اُمَّنَا بِخَیْرٍ ہے حرف ندا اور صیغۂ اُمَّ کا ہمزہ ساقط کرنے کے بعد اللّٰھُمَّ ہو گیا جیسے ھَلُمَّ اصل میں ھَلْ اُمَّ بِھَا تھا حذف ہمزہ پر ھَلُمَّ ہو گیا امام رازی اسی کو اقرب الی الصواب لکھتے ہیں اس مسئلہ میں ہر دو مذہب کے متعلق مخالف و موافق دلائل ہیں، ہم نے عمداً ان سے اعراض کرنا مناسب سمجھا ہے کیونکہ ہماری کتاب کا موضوع تحقیق لغوی نہیں الّا اس حد تک کہ تقتضائے مقام سے خارج نہ ہو

(ہ) مسائل متعلقہ جملۂ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی تحقیق

مسئلہ اکثر اہل نحو کا مذہب ہے کہ اس جملہ میں حذف واضمار ہے چنانچہ اس کی توجیہ دو طرح پر کیا کرتے ہیں۔

بقیہ حاشیہ حق کے انوار انہیں اذکار دیتے ہیں لیکن اگر دنیا میں انہیں ذریعہ ذکر و عبادات تصفیہ و تزکیہ حاصل ہو چکا ہو تو کچھ شک نہیں کہ وہ انوار ذات کے متحمل ہو سکیں گے جس طرح آنکھوں کو نور آفتاب سے ایک قسم کی چکاچوند سی لاحق ہو جاتی ہے اسی طرح روح کی آنکھ کا حال ہے مشاہدہ انوار ذات پر۔ منہ ۱۲ صیغہ امر مشتق از اَمَّ یَؤُمُّ بمعنے قصد کردن ۱۲

Marfat.com

(ا) اصل میں لَآ اِلٰہَ لَنَا اِلَّا اللّٰہ تھا

(ب) اصل میں لَآ اِلٰہَ فِی الوجود اِلَّا اللّٰہ تھا۔ مگر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ہر دو توجیہ محل نظر ہیں کیونکہ پہلی توجیہ کے رو سے اگر گروہ عباد کے اِلٰہ ثانی کی نفی ہوتی۔ تو یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ دیگر مخلوقات کے لئے بھی ایک اِلٰہ ہے اس صورت میں توحید خالص معدوم ہو جائے گی۔ دیکھو قرآن مجید میں جملۂ اِلٰھکم اِلٰہ واحد کے بعد جملہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھو کا ذکر اسی لئے ہوا ہے کہ پہلے جملہ سے صرف گروہ عباد کے اِلٰہ ثانی کی نفی ہوتی تھی نہ دیگر مخلوقات کے الٰہ ثانی کی اس ظن کے دور کرنے کی خاطر بعد میں جملۂ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا ذکر فرمایا جس سے صاف معلوم ہو گیا کہ تمام موجودات کا اِلٰہ ایک ہی ہے اور دوسری توجیہ کی مطابق لازم آئے گا۔ کہ الٰہ ثانی کے وجود کی نفی ہو۔ نہ ماہیت و حقیقت اِلٰہ ثانی کی جو اس جملہ کا ظاہر مفہوم ہے اور یہ مسلم ہے کہ اخلاص توحید کے مقام میں نفی ماہیت اولےٰ اور اقویٰ ہے بہ نسبت نفی وجود کے پس جملہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کو ظاہر پر ہی چھوڑنا صحیح ہے حذف و اضمار کی کچھ ضرورت نہیں۔

مسئلہ اس جملہ میں نحاۃ نے لفظ اِلَّا کو غیر کے معنے میں استعمال کیا ہے اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کو لَآ اِلٰہ غَیْرُ اللّٰہ کی صورت میں سمجھتے ہیں چنانچہ شاعر کے اس شعر میں ؎

وَکُلُّ اَخٍ مُفَارِقُہٗ اَخُوْہُ ۔ لَعَمْرُ اَبِیْکَ اِلَّا الْفَرْقَدَانِ

یہاں اِلَّا الفرقدان بمعنے غیر الفرقدین ہے اور یہی خیال صحیح ہے۔ جملہ

؎ ہر ایک دوست اپنے دوست کو چھوڑ جایا کرتا ہے سوائے فرقدان کے۔ ۱۲ منہ

فرقدان دو ستارے ہیں جو بالفطرت ایک ہی مقام پر ہیں اور کبھی ان کے قریب بعد فرق نہیں آتا ۱۲ منہ

Marfat.com

لَوْکَانَ فِیْھِمَا اٰلِھَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا میں کیونکہ یہاں بھی اِلَّا بمعنے غیر کے مستعمل ہُوا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر ہم اِلَّا بمعنے غیر نہ سمجھیں بلکہ اس کو استثنا ہی کے معنے میں لیں تو جملہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا مطلب یہ ہوگا لَا اِلٰہَ یُسْتَثْنٰی عَنْھُمُ اللّٰہ یعنے ایسے معبودوں کی نفی ہوگی جن سے اللہ مستثنےٰ ہے۔ نہ ایسے معبودوں کی جن سے اللہ مستثنےٰ نہیں ہُوا بلکہ ایسے معبودوں کے وجود کا اثبات لازم آئے گا جن سے اللہ مستثنےٰ نہیں ہُوا حالانکہ یہ صریح کفر ہے پس صحیح طور پر ثابت ہوگیا۔ کہ حرف اِلَّا یہاں استثناء کے معنے میں مستعمل نہیں ہُوا ورنہ اخلاص توحید باطل ہوجائے گا۔

یہاں اس نکتہ کا بیان کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ مسلّم ہے کہ کسی چیز کے اثبات کا تصوّر اس کی نفی کے تصوّر پر مقدم ہُوا کرتا ہے مگر جملہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ میں نفی کو اثبات پر مقدم رکھا ہے اس کی کیا وجہ کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تقدیم نفی میں کئی ایک اغراض ملحوظ ہیں اوّل یہ کہ نفی الوہیت غیر اللہ کرنے کے بعد اثبات الوہیت ذات باری کے لئے کرنا زیادہ مؤکّد سمجھا گیا ہے اس کی مثال یوں سمجھو کہ اگر ہم یوں کہیں لَیْسَ فِی الْبَلَدِ عَالِمٌ غَیْرُ زَیْدٍ (شہر میں زید کے سوا کوئی عالم نہیں) تو یہ جملہ زید عالم فی البلد کی نسبت زید کے عالم ہونے کو زیادہ مؤکّدانہ طور پر ثابت کرتا ہے۔ دوم چونکہ ایک وقت میں قلب ایک ہی طرف توجہ ہو سکتا ہے اور جب ایک امر کی طرف توجہ کریگا۔ تو دوسرے امر کی طرف سے محروم رہ جائے گا اس لئے جملہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ میں جب لَا اِلٰہَ کہا جاتا ہے تو تمام ماسوی اللہ کی نفی ہو کر قلب خالی ہو جاتا ہے اور جب اِلَّا اللّٰہ کہا جاتا ہے تو انوار توحید کا محل ہو جاتا ہے اور قلب کو کسی امر غیر کی طرف کچھ لگاؤ نہیں رہتا لہٰذا نفی کا مقدم کرنا اخلاص توحید کے لئے اہم ہے اس کی مثال بعینہٖ ایسی ہے جیسے نماز سے

Marfat.com

پہلے وضو شرط ہے۔ کیونکہ طہارت کے بعد نماز کا ادا کرنا مقصد نماز کے لئے زیادہ موجب تکمیل ہے اسی طرح لَآ اِلٰہَ بھی قلب کو تعلق ماسوی اللہ سے بالکل پاک کر دیتا ہے یا یوں کہو کہ جس طرح قرآن مجید کی تلاوت سے پہلے استعذہ (اعوذ پڑھنا) وساوس شیطانیہ سے موجب امن ہوتا ہے اس طرح جملہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ میں نفی کا اثبات توحید پر مقدم لانا ضروری ہے سوم یہ ضروری ہے کہ جو شخص کسی جلیل القدر بادشاہ کو کسی مکان میں لانے کا ارادہ کرتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے اس مکان کو ہر ایک قسم کی نجاسات سے پاک وصاف بنالے تب بادشاہ کو اس مکان میں نازل ہونے کی تکلیف دے سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ اہل تحقیق نے کہا ہے کہ جملہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا نصف اول بمنزلہ تنظیف کے ہے۔ یعنی قلب کو پاکیزہ کرنا اور نصف ثانی بمنزلہ جلاء انوار کے ہے یعنی انوار توحید سے قلب کو مزین کرنا۔ یا یوں کہو کہ نصف اوّل اشارہ ہے طرف فناء کی اور نصف ثانی اشارہ ہے طرف بقاء کی۔

مسئلہ جملہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے متعلق یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر کسی شخص کو بذریعہ استدلال صحیح اس امر کا یقین ہو جاوے کہ عالم کائنات کے لئے ایک صانع حکیم کا وجود ضروری ہے تو اس علم یقینی کے بعد اس کو اس امر کا علم کیا مفید ہو سکتا ہے کہ اس کا کوئی دوسرا شریک یا اس کا مثل موجود نہیں کیونکہ یہ امر فی حد ذاتہ ذات باری کے لئے موجب کمال نہیں ہو سکتا یعنے کیا وجہ ہے کہ صرف ذات باری کے صانع عالم اور حکیم کامل ہونے پر ایمان لانا حصول سعادت کا ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس ایمان کے ساتھ اس امر پر ایمان لانا بھی ضروری ہے کہ اس کا کوئی مثل یا شریک موجود نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر مثل یا شریک کی نفی پر ایمان نہیں ہوگا تو عبد کو

یہ کیسے معلوم ہوگا۔ کہ وہ صرف کسی ایک ہی کا عبد ہے یا دو کا اس سورت میں اس کا شکر و طاعت بجالانا کس کے لئے ہوگا ؟ اور اس کو کیسے یقین ہوگا کہ وہ صرف ایک ہی کا محتاج ہے کیونکہ اس کو اس خیال کا موقع ہوگا۔ کہ اگر ایک میرے اعمال کو قبول نہیں کریگا تو دوسرا سہی لیکن نفی شریک و مثل پر ایمان لانے کی صورت میں اس کو یقین ہوگا کہ عالم کا معبود صرف ایک ہی ہے تب وہ کامل اخلاص کے ساتھ حق عبودیت کو ادا کریگا اور صرف اسی کا ہو کر رہیگا۔

مسئلہ اس مقام پر اس مسئلہ سے آگاہ ہونا بھی ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص بذریعہ استدلال صحیح حقیقت توحید پر ایمان لے آئے مگر اسے اتنا وقت نہیں ملا کہ جملہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کو زبان پر لائے اور مر جائے تو کچھ شک نہیں کہ وہ صاحب ایمان ہو کر مریگا کیونکہ اس نے حق واجب کو ادا کر دیا۔ مگر اقرار زبانی کی مہلت نہ پا سکا۔ لیکن ایمان لے آنے پر اگر اسے مہلت اقرار زبانی کی مل گئی تھی مگر اس نے زبان سے اقرار نہیں کیا اور مر گیا تو ایسے شخص کی نسبت بعض علماء نے لکھا ہے کہ وہ صاحب ایمان نہیں اور بعض کا مذہب ہے کہ وہ صاحب ایمان ہے مگر فاسق ہے دلائل کی تفصیل اپنے موقع پر مذکور ہے۔

مسئلہ اس امر کا سمجھ لینا ضروری ہے کہ آیا کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ زبان پر لاتے وقت حرف نفی یعنے لَا کو مدِ صوت کے ساتھ ادا کرنا چاہئے یا بلا مدِ صوت؟ بعض علماء کا خیال ہے کہ مدِ صوت اولےٰ ہے کیونکہ اثنائے مدِ صوت میں تمام غیر اللہ کو حاضر فی الذہن کر کے ان کی نفی کرنا اور بعد میں اِلَّا سے اثبات کرنا تمیم توحید کے لئے زیادہ مفید ہے اور بعض نے کہا ہے کہ بلا مدِ صوت کہنا چاہئے کیونکہ ممکن ہے کہ مدِ صوت کے اثنا میں اسے موت آجائے اور اِلَّا اللّٰہ یعنے اثبات توحید سے محروم رہ جائے بہر دو خیال بجائے خود صحیح ہیں مگر حق اس مسئلہ میں یہ ہے

کہ اگر کوئی شخص کافر اس کلمہ کو بغرض اظہار ایمان پہلی دفعہ زبان پر لائے تو تدصوت نہیں چاہیئے تا کہ بہت جلد اقرار توحید سے عہدہ برا ہو جاوے ہاں اگر کوئی شخص مومن بطور تقویت و تجدید ایمان کے زبان پر لائے۔ تو تدصوت بہتر ہے تا کہ تمام غیر اللہ کو حاضر فی الذہن کر کے ان کی نفی کرے۔

مسئلہ واضح ہو کہ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے تلفظ میں لوگوں کے مدارج مختلف ہیں

(ا) اول طبقہ کے وہ لوگ ہیں جو صرف زبانی اقرار تک محدود رہتے ہیں جس کا اثر یا حکم یہ ہے کہ ان کے جان و مال سیف اسلام سے محفوظ ہو جاتے ہیں کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَقُوْلُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَاِذَا قَالُوْھَا عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَاءَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ اِلَّا بِحَقِّھَا یعنے مجھے اللہ تعالےٰ کی بارگاہ سے حکم ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں حتّٰے کہ لوگ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا اقرار کریں سو جب وہ ایسا کر چکیں تو ان کے نفوس و اموال بدوں اس حالت کے کہ حق شریعت میں ان پر مواخذہ عائد ہو سکے ہر ایک حالت میں محفوظ ہو جائیں گے اس طبقہ میں مومن۔ منافق۔ کافر مشرک صدیق زندیق سب شریک ہیں اور ان میں کوئی امتیاز نہیں۔

(ب) طبقۂ دوم کے وہ لوگ ہیں جو اقرار زبان کے ساتھ اعتقاد قلبی بھی رکھتے ہوں مگر بطور تقلید نہ بطور تحقیق چونکہ ایمان باللہ میں تقلید صحیح نہیں بلکہ ہر ایک کو بقدر استطاعت دلائل و براہین سے حقیقت توحید کا سمجھنا ضروری ہے اس لئے علماء نے اختلاف کیا ہے کہ ایسے مقلد کا ایمان صحیح ہے یا نہیں؟ مگر یہ بالاتفاق صحیح ہے کہ ایسا شخص عارف نہیں کہلا سکتا۔

(ج) طبقہ سوم کے وہ لوگ ہیں جو اقرار و اعتقاد کے ساتھ دلائل ظنیہ کا علم بھی رکھتے ہوں مگر دلائل قاطعہ کے درجہ سے قاصر ہوں اس مقام کے لوگ

وساوس سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔

(د) طبقۂ چہارم کے وہ لوگ ہیں جو حقیقت توحید کا بذریعہ دلائل قطعیہ علم رکھتے ہوں گو وہ مقام مشاہدہ۔ مکاشفہ۔ تجلّے سے قاصر ہوتے ہیں ان کا علم بقینی ہونے کی وجہ سے انہیں دیگر طبقات سے خاص امتیاز حاصل ہوتا ہے اور ان کی تعداد بہت قلیل ہوتی ہے۔

(ہ) طبقۂ پنجم کے وہ لوگ ہیں جن کو اصحاب مشاہدات بولتے ہیں انکی تعداد اقل قلیل ہے اور ان میں بھی بیشمار مدارج ہوتے ہیں۔

مناسبت مقام کے روسے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب مکاشفات کے مدارج کا بھی ذکر کر دیا جائے

واضح ہو کہ ارباب حقیقت نے اصحاب مکاشفات کیلئے چھ مدارج قائم کئے ہیں تین تو مبتدی لوگوں کے لئے ہیں اور باقی تین منتہی لوگوں کے لئے مبتدی لوگوں کے لئے جو مدارج قائم کئے گئے ہیں انہیں لوائح۔ لوامع۔ طوالع بولتے ہیں توجیہ ان مدارج کی یہ ہے کہ انوارِ معرفت کا انکشاف اگر اس طرح ہو کہ انکشاف کے ہوتے ہی پھر استتار و اختفاء کی حالت عود کر آئے جس طرح کہ برق چمک دیکر رہ جاتی ہے تو ایسی حالت کو لوائح کہتے ہیں چنانچہ ایک عارف اس حالت کیطرف اشارہ کرتے ہیں ؎

وَافْتَرَقْنَا حَوْلًا فَلَمَّا التَقَيْنَا ۔۔۔ كَانَ تَسْلِيمُهُ عَلَيَّ وَدَاعًا

یعنے دوست سے سال بھر جدا رہا اور جب ملاقات ہوئی تو اس قدر جلدی مفارقت ہوگئی کہ اس کا سلام نیارت سلام وداع تھا۔ مگر یہی حالت جب بار بار خود کرتی ہے اور قلب سلیم میں استقامت پیدا ہو جاتی ہے تو انکشاف مذکورہ بالا کو ایک گونہ استقلال ہو جاتا ہے اور حالت تجلے دیرپا ہوتی ہے ایسی حالت میں

Marfat.com

اس کو لوامع سے تعبیہ کیا کرتے ہیں اور اگر اس مقام سے زیادہ ترقی حاصل ہو اور تجلیات قوی طور پر وارد ہونے لگیں تو انہیں طوالع بولتے ہیں مگر یہ حالت بھی خطرِ زوال سے محفوظ نہیں ہو سکتی ہاں یہ بات ضرور ہے کہ تجلّیات کے قوی ہونے کیوجہ سے انکا اثر بالکل زائل نہیں ہو جاتا بلکہ ان کے انوار کے برکات قلب پر لگاتار موجود رہتے ہیں اسی حالت کیطرف اشارہ ہے آیہ قرآنیہ وَلَهُمْ سِرٌّ فَهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَعَشِيًّا میں۔

منتہی لوگوں کے مدارج انکشاف کو الفاظ محاضرہ۔ مکاشفہ۔ مشاہدہ کیساتھ تعبیر کیا جاتا ہے محاضرہ حضورِ قلب کی اس حالت کا نام ہے جس میں دلائل و براہین حقہ متواتر قلب پر وارد ہونے لگتے ہیں جن سے قلب میں ایک ایسا نور پیدا ہو جاتا ہے جس کی روشنی سے سالک اپنے سیر میں کامل طور پر مستعد ہو جاتا ہے۔ اور اس کے بعد مکاشفہ کی حالت ہے جس سے سالک دلائل و براہین سے بالکل مستغنی ہو جاتا ہے محاضرہ کی حالت میں سالک اختیار رکھتا ہے کہ دلیل سے مدلول کی طرف انتقال کرے مگر مکاشفہ میں دلائل سے حضرتِ حق کیطرف منتقل ہونے میں سالک کا اختیار نہیں ہوتا۔ بلکہ جونہی کسی امر کا مشاہدہ کرتا ہے بلا اختیار حضرتِ حق کیطرف منجذب ہو جاتا ہے اس کے بعد مشاہدہ کا مقام ہے یہ وہ حالت ہے جس میں انوار تجلیات کا سلسلہ لگاتار بلا انقطاع جاری رہتا ہے اس کی مثال بعینہ ایسی ہے جیسے فرض کر لیا جاوے کہ بجلی شب تاریک میں بلا وقفہ متواتر اپنی چمک دیتی رہے اور ایک آن بھی منقطع نہ ہو ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں رات کا سماں بالکل دن کا سا نظر آئے گا یہی حالت ہوتی ہے قلب سلیم کی اسوقت جبکہ انوار تجلیات کا سلسلہ متواتر جاری رہتا ہے یہ مقام غایت ترقی پر مبنی ہے اور اسی کیطرف کسی کامل نے یوں اشارہ کیا ہے ؎

لَیْلِیْ بِوَجْهِكَ مُشْرِقٌ وَظَلَامُهٗ فِی النَّاسِ سَارِیْ
وَالنَّاسُ فِیْ صَدَفِ الظَّلَامِ وَنَحْنُ فِیْ ضَوْءِ النَّهَارِ

یعنی میری سیاہ رات تیرے جمال جہانتاب سے روشن ہوگئی ہے اور اس کا اندھیرا دوسرے لوگوں تک پہنچ گیا ہے اور وہ اندھیرے میں پڑے ہیں اور ہم دن کی روشنی میں ہیں۔

مذکورہ بالا ہر سہ مراتب کی مثال خواب اور خواب و بیداری اور بیداری کی سی ہے یعنی جس طرح ان مدارج کے انکشاف میں بلحاظ خفا اور وضاحت کے امتیاز ہوتا ہے اسطرح محاضرہ۔ مکاشفہ۔ مشاہدہ میں جن حقائق کا انکشاف ہوتا ہے خفی و جلی ہوا کرتی ہیں۔ چنانچہ مشاہدہ میں حقائق اشیاء بلا کسی قسم کے خفا کے ہو بہو منکشف ہوتی ہیں۔

واضح ہو کہ مقام مشاہدہ نہایت عالیشان مقام ہے اس لئے اس مقام میں کوئی ادنے سے ادنے فتور بھی گناہ عظیم سمجھا جاتا ہے ایک حدیث میں حضور علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں اِنَّهٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ وَاِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِی الْیَوْمِ وَاللَّیْلَةِ سَبْعِیْنَ مَرَّةً یعنی میرے قلب پر ایک قسم کی تیرگی سی آجاتی ہے اور میں اللہ تعالےٰ سے رات دن میں ستر دفعہ استغفار کرتا ہوں (مراد کثرت استغفار سے ہے) اس حدیث کی توجیہ میں چند اقوال ہیں۔ اوّل یہ کہ بمقتضائے بشریت ایک گونہ سستی یا غفلت عارض ہوجاتی ہے۔ تو میں اس کے رفع کرنے میں استغفار سے مدد لیتا ہوں۔ دوم یہ کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہمیشہ مدارج عالیہ پر ترقی کرتے رہتے تھے پس جب ایک مقام سے دوسرے مقام پر ترقی پاتے اور سوجود مقام کو سابق کی نسبت برتر پاتے تو سابق کو ادائے حق عبودیت کے روسے حقیر سمجھتے اور اسی لئے استغفار کی طرف ملتجی ہوتے تاکہ اس مقام میں جو تقصیر

ادائے حق عبودیت میں واقع ہوئی ہے۔ اس کی تلافی ہوجائے۔ سوم یہ کہ جب مقام اعلےٰ پر ترقی ہوتی تو اس مقام کے معارف و اسرار میں اسقدر استغراق ہوتا کہ اس کی محویت میں تبلیغ رسالت کے فرض میں ایک گونہ تقصیر ہوجاتی۔ اس لئے حضور بذریعہ استغفار اس تقصیر سے برئیت حاصل کرتے بہرصورت اس حدیث میں حضور علیہ السلام کے استغفار کی حقیقت کا مفہوم حضور علیہ السلام کے ترقی مدارج کی کیفیت کے سمجھنے پر منحصر ہے کیونکہ ہر ایک مقام میں بوجہ تعلق بشریت کچھ نہ کچھ آثار بشریت کا موجود ہونا ضروری ہے جو اس سے اگلے مقام پر ترقی کرنے سے خفیف ہوجاتے ہیں۔ اور اس سے اگلے مقام پر اور بھی خفیف صورت میں رہ جاتے ہیں علےٰ ہذا القیاس انہیں آثار خفیفہ بشریت کے بقیہ پر حضور علیہ السلام کو استغفار کی ضرورت محسوس ہوا کرتی۔ اور یہی اس حدیث کی صحیح توجیہ ہے۔ اور انہیں بقایا آثار بشریت کو حضور علیہ السلام کی نسبت قرآن مجید میں لفظ ذنب سے تعبیر کیا گیا حَیْثُ قَالَ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ گویا ذنب کا لفظ محض بطور اشتراک اسی استعمال کیا گیا ہے مخالفین اس آیت میں لفظ ذنب سے وہی حقیقت ذنب اخذ کیا کرتے ہیں۔ جو عوام الناس کے لئے متقرر ہے جس میں ہر ایک قسم کے گناہ کا مفہوم داخل ہے معاذ اللہ اور وہ نہیں سمجھتے کہ مقربین بارگاہ کے حق میں خفیف سے خفیف آثار بشریت کا وجود بھی گناہ عظیم سمجھا جاتا ہے کما قیل ؎

وَجُوْدُكَ ذَنْبٌ لَا يُقَاسُ بِهَا ذَنْبٌ

یعنے آثار بشریت کا خفیف سے خفیف تعلق بھی گناہ عظیم ہے یہی معنے ہیں حسنات الابرار سیئات المقربین کے۔

امام غزالی اپنی کتاب المقصد الاسنےٰ میں لکھتے ہیں کہ اسم اللہ منجملہ

Marfat.com

ننانوے اسماء ذات باری کے اعظم الاسماء قرار دیا گیا ہے کیونکہ وہ دلالت کرتا ہے۔
اس ذات اقدس پر جو موجود حقیقی ہے اور جو تمام کمالات حقیقیہ کی جامع ہے حتی
کہ اس کے مفہوم میں دیگر تمام صفات کمالیہ مثلاً علم و قدرت۔ ارادہ۔ سمع۔ بصر
وغیرہا کا مفہوم بھی شامل ہے اور کوئی دوسرا اسم اس قدر جامعیت کمالات پر مشتمل
نہیں یہی وجہ ہے کہ یہ لفظ نہ تو حقیقۃً کسی غیر پر اطلاق کیا جا سکتا ہے نہ مجازاً
حالانکہ دیگر اسماء کا اطلاق مجازاً غیر پر کیا جا سکتا ہے مثلاً بطور مجاز۔ رحیم۔ علیم
کریم۔ حلیم وغیرہا اسماء کا اطلاق غیر اللہ پر جائز ہے چونکہ ہر ایک اسم ذات باری
کے تقضا سے انسان کامل کو ایک خاص بہرہ حاصل ہوتا ہے اس لئے اس
اسم جلالت سے عارف کامل کو یہ بہرہ ملتا ہے کہ اس کا قلب تمام ماسوائے اعراض
کر کے ذات واحد میں مستغرق ہو جاتا ہے اور بجز ذات حقیقی کے کسی چیز سے نہ تو
خوف کرتا ہے نہ اس سے امید رکھتا ہے بلکہ تمام اشیاء کے بطلانِ وجود کی حقیقت
اس پر منکشف ہو جاتی ہے اور کسی چیز کو وجودِ حقیقی سے موجود نہیں دیکھتا یہی
وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ عرب کے تمام اشعار میں لبید کا قول
اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ وَكُلُّ نَعِيْمٍ لَا مُحَالَةَ زَائِلٌ
اصدق الاقوال ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بجز ذات واحد کے تمام اشیاء
نیست اور سب لذتیں معرض زوال میں ہیں۔

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (۱) اہل عربیت اس پر اتفاق رکھتے ہیں کہ لفظ رحمٰن عربی
ہے مگر ثعلب نحوی کا خیال ہے کہ یہ لفظ عبرانی ہے جو اصل میں رحمانا تھا۔ اہل
عرب نے خاء معجمہ کو حاء مہملہ سے بدل لیا اور حرف الف کو اخیر سے حذف کر دیا
ثعلب کے وجوہ معہ رد امام رازی نے اپنی کتاب لوامع البینات میں لکھے
ہیں۔ اور ثابت کیا ہے کہ یہ لفظ عربی زبان کا ہے اور رحمت سے مشتق ہے

Marfat.com

امام غزالی لکھتے ہیں کہ لفظ رحمٰن یقیناً رحمت سے مشتق ہے اور یہ رائے واقعی صحیح ہے۔ کیونکہ اہل عرب کے ہاں یہ لفظ مروج تھا عمرو بن ید بن نفیل کا شعر ہے ؎

وَلٰكِنْ اَعْبُدُ الرَّحْمٰنَ رَبِّیْ لِیَغْفِرَ ذَنْبِیَ الرَّبُّ الْغَفُوْرُ

(ب) علماء نے حقیقتِ رحمت میں بہت کلام کیا ہے ایک گروہ کا خیال ہے۔ کہ رحمت ذات باری کی صفت ہے جس کے معنے ارادہ ایصال ثواب و خیر کے ہیں اس صورت میں رحمت صفت ازلی ہوگی یعنی اللہ تعالیٰ نے ازل ہی میں اہل ایمان کے حق میں عطاء نعمت کا ارادہ کیا تھا دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ رحمت کا مفہوم صرف ارادۂ خیر تک محدود نہیں بلکہ ایصال خیر اور دفع ضرر ہر دو کا مفہوم اس میں شامل ہے یعنے رحمت صفتِ فعل ہے نہ صفت ذات مگر حق یہ ہے کہ گو بطریق عموم قرآن مجید میں ہر ایک قسم کی خیر و نعمت پر لفظ رحمت کا اطلاق ہوا ہے۔ مگر یہ لفظ حقیقۃً دفع بلاء کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ صرف ارادۂ خیر مستلزم کمال حقیقی نہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہے ان لِلّٰہ مائۃ رحمۃ وانّہ انزل منہا واحدۃً اِلَی الْاَرْضِ فقسمہا بین خلقہ فبہا یتعاطفون وبہا یتراحمون وآخر تسعاً وتسعین لنفسہ یرحم بہا عبادہ یوم القیامۃ یعنے اللہ تبارک تعالےٰ کیلئے سو رحمتیں ہیں۔ ان میں سے صرف ایک کو اس نے اپنے بندوں میں تقسیم کیا ہے جس کی وجہ سے بندگانِ خدا باہم پیار اور محبت کرتے ہیں اور ننانوے رحمتیں اس نے اپنی ذات کے لئے مخصوص کی ہیں۔ جن کو قیامت کے دن اپنے بندوں کے حق میں ظاہر کریگا۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں صرف ارادۂ خیر کے معنے صحیح نہیں اس لئے رحمت صفات فعل میں سے ہے نہ صفات ذات میں سے۔

(ج) علماء نے اس مسئلہ میں بہت کچھ بیان کیا ہے کہ آیا کفار کے لئے بھی

دینی یا دنیوی نعمتیں ہو سکتی ہیں؟ اِس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ دینی نعمتیں کفار کے لئے قطعًا موجود نہیں دنیوی نعمتوں میں اختلاف ہے بعض کا خیال ہے کہ کفار کے لئے دنیوی نعمتیں بھی مقدر نہیں اور وہ لذّات و منافع اور صحت و سلامت جو انہیں حاصل ہیں محض بطور استدراج ہیں جن کا انجام ان کے حق میں مفید نہیں جیسے وہ لذیذ شے جس میں زہر ملا دی گئی ہو۔ گو بظاہر لذت بخش ہے مگر بہر حال کھانے والے کے لئے مہلک ہے اسی طرح دنیا کی تمام نعمتیں جن سے کفّار منتفع ہو رہے ہیں۔ ان کے حق میں بالآخر موجب ضرر ثابت ہونیوالی ہیں اس لئے حقیقۃً ان پر لفظ نعمت کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا چنانچہ قرآن مجید کی آیۂ کَمْ تَرَکُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ کَرِیْمٍ وَّنَعْمَةٍ کَانُوْا فِیْهَا فٰکِهِیْنَ میں محض نظر بظاہر بطور مجاز ان اشیاء کو نعمت کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اگر وہ لوگ ایمان لے آتے تو وہ اشیاء ظاہر و باطن میں ان کے حق میں نعمت ثابت ہوتیں لیکن ان کے کافر ہونے کی وجہ سے یہ اشیاء صرف ظاہر صورت میں اُن کے حق میں نعمت تھیں نہ حقیقت میں کیونکہ یہی اشیاء ان کے لئے موجب معصیت و طغیان ہو کر اُن کے لئے باعث ہلاکت و عذاب ثابت ہوئیں اس لئے فی الحقیقت نعمت نہیں ہو سکتیں معتزلہ کا مذہب ہے کہ کفار کے لئے دینی اور دنیوی ہر دو قسم کی نعمتیں ہیں دنیوی تو ظاہر ہیں۔ اور دینی کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے دلائل و اسباب سعادت اُن کے سامنے رکھ دیئے ہیں جن سے وہ منتفع ہو سکتے ہیں۔ مگر حق وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کر دیا دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِیْنَ نُسَارِعُ لَهُمْ فِی الْخَیْرٰتِ بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ یعنے کیا وہ کفّار یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ ہم جن اشیاء یعنے مال و فرزند سے ان کی امداد کرتے ہیں۔ تو ان کے لئے خیر و سعادت میں جلدی کرتے

Marfat.com

ہیں (نہیں) بلکہ وہ اس امر کی حقیقت کو نہیں سمجھتے دیکھو اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے دنیوی نعمتوں کی مگر لئے نفی کر دی کہ وہ خیرات نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشیاء ان کے حق میں درحقیقت نعمت نہیں۔

(د) یہ مسئلہ بھی قابلِ غور ہے کہ رحمتِ آلٰہی اور رحمتِ بندگان میں بلحاظ کمال و نقصان کے کئی ایک وجوہ سے تفاوت ہے۔

اولاً وہ رحمت جو بندگانِ خدا سے ظاہر ہوتی ہے وہ اللہ تعالےٰ کے قلب بندہ میں پیدا کرنے سے موجود ہوتی ہے اس سے معلوم ہوا۔ کہ رحمتِ الٰہی اکمل ہے بہ نسبت رحمت بندگان کے۔

(ب) بندگانِ خدا سے جس رحمت کا ظہور ہوتا ہے وہ درحقیقت ایک قسم کی رقّتِ قلب کا نتیجہ ہے۔ اور یہ رقّتِ قلب ایک قسم کا الم ہے جس کو دل سوزی کہتے ہیں اور بیامر کسی خارجی حالت سے اثر پذیر ہونے کا نتیجہ ہے مگر اللہ تعالےٰ کی ذات اس امر سے بری ہے کہ وہ کسی غیر سے متاثر ہو مثلاً باپ اپنے بیٹے کی حالت خستہ پر رحم کر کے اس کی اصلاح میں سعی کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی دل سوزی کے الم کو جو بیٹے کی خستگی کیوجہ پیدا ہوا تھا رفع کرتا ہے یا کوئی شخص بامیدِ ثواب آخرت غرباء پر صدقہ و خیرات تقسیم کرتا ہے جس کا نتیجہ وہ یہ سوچتا ہے کہ عذاب جہنّم سے نجات پائیگا۔ علیٰ ہذا القیاس انسان سے جس قدر رحمت کا اظہار ہوتا ہے وہ کسی نہ کسی غرض پر مبنی ہوتا ہے مگر اللہ تعالےٰ کا رحمت کرنا کسی غرض پر مبنی نہیں وہ جواد مطلق ہے اور متاثر ہو کر یا کسی غرض کے تابع ہو کر وہ رحمت کا اظہار نہیں کرتا برخلاف انسان کے کہ اس میں یہ ہر دو باتیں موجود ہیں جو ذاتِ باری کیلئے موجب نقص ہیں۔

(ثالثاً) بندہ دوسرے شخص سے جس قدر احسانات کرتا ہے۔ اُن کے اسباب

وہی امور ہوتے ہیں۔ جو انسان کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے بطورِ انعام حاصل ہوتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ درحقیقت انسان بجائے خود کسی احسان کا مالک نہیں بلکہ وہ جو احسان کرتا ہے اس کے اسباب بھی اللہ تعالےٰ ہی کی طرف سے ہوتے ہیں اس لئے حقیقۃً اللہ تعالےٰ ہی منعم حقیقی ہے اور اس لئے وہ بدرجۂ اکمل رحیم ہے۔

(رابعًا) بندہ جب احسان کرتا ہے تو بقدارِ بذلِ احسان اُس کے خزانہ اور مال میں کمی واقع ہو جاتی ہے مگر اللہ تعالےٰ کے خزانۂ رحمت میں کمی و بیشی کو دخل نہیں کیونکہ اس کے مقدورات لامتناہی ہیں یہی وجہ ہے کہ انسان کے بذل کرتے وقت اس کے دل میں ایک خیال مخالف جو مانع بذل ہوتا ہے پیدا ہو کر احسان سے روکتا ہے یا کمی کی طرف متوجہ کرتا ہے مگر اللہ تعالےٰ کی نسبت یہ امر ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا۔

(۵) رحمٰن اور رحیم ہر دو اسم رحمت سے مشتق ہیں اگرچہ ان ہر دو میں معنے کے رو سے کچھ فرق ہو تو ان ہر دو کو متراوف ماننا پڑیگا۔ مگر ایک جم غفیر علماء محققین کا یہ مذہب ہے کہ رحمٰن میں رحیم کی نسبت صفتِ رحمت کا مبالغہ ہے کیونکہ ترکیب یا رحمٰن الدنیا اور رحیم الآخرۃ سے اس امر کا پورا ثبوت ملتا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ رحمتِ دنیا مومن و مشرک اور مطیع و عاصی سب کو شامل ہے جس سے ایک قسم کا عموم پایا جاتا ہے اور رحمت آخرت سے صرف اہل ایمان کا مخصوص بالرحمت ہونا پایا جاتا ہے اس لئے رحیم خاص ہے اور رحمٰن عام

چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اسم رحمٰن مختص بذات باری ہے مگر اثر کے رو سے عام ہے کیونکہ وہ اس اسم کے رو سے نیک و بد اور مومن و کافر سب کو شامل ہے اور اسم رحیم اطلاق میں عام ہے کیونکہ ذاتِ

Marfat.com

باری اور بندوں پر بولا جا سکتا ہے مگر بلحاظ اثر کے خاص ہے۔ کیونکہ رحمتِ آخرت کا ظہور صرف اہلِ ایمان کے لئے ہے۔ رحمٰن رحمٰن کے معنی بر مبالغہ ہونے پر یہ دلیل بھی جاری ہو سکتی ہے کہ اس کا وزن فعلان کا ہے جیسے غضبان (بڑا غضب والا) ملأن (بڑا پُر ہونے والا) نعسان (بڑا نیند سیر) مگر رحیم فعیل کا وزن ہے جو بسا اوقات بمعنے فاعل کے ہوتا ہے جیسے سمیع بمعنے سامع وغیرہ۔ بعد اکلمہ رحمٰن و رحیم ایک ہی مادہ سے مشتق ہیں مگر رحمٰن کے حروف پانچ ہیں اور رحیم کے چار اس لئے ضروری ہے کہ رحمٰن کی بناء مبالغہ پر قائم کی گئی ہو برخلاف رحیم کے اور ایک روایت میں جو ابو سعید سے مروی ہے مسیح علیہ السلام کی نسبت مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رحمٰن الدنیا اور رحیم الآخرۃ۔ اس سے بھی مبالغہ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

لفظ رحمٰن و رحیم کی تحقیق میں اس سوال کا جواب بھی ضروری ہے۔ کہ کیوں لفظ رحمٰن کو رحیم پر مقدم رکھا گیا ہے؟ اس کی ایک وجہ تو یہ بتلایا کرتے ہیں۔ کہ ہر سہ اسماء اللہ رحمٰن اور رحیم میں ہم جنس ہونے کو ملحوظ رکھا گیا ہے کیونکہ جس طرح اسم اللہ بجز ذاتِ باری کے کسی پر اطلاق نہیں کیا جاتا اسی طرح اسم رحمٰن بھی بجز ذات باری عزّ اسمہ کے دوسرے پر اطلاق نہیں پاتا برخلاف اسم رحیم کے چنانچہ اوپر مذکور ہو چکا چونکہ اسم اللہ اور اسم رحمٰن میں ایک گونہ مشابہت تھی لہذا ہر دو کو متصل بیان کرنا معنوی طور پر زیادہ قرین بلاغت ہے دوم رحمتِ عامہ جو مفہوم رحمٰن ہے بمنزلۂ اصل کے ہے اور رحمت خاصہ جو مفہوم رحیم ہے بمنزلۂ زائد علے الاصل کے ہے اس لئے رحمٰن کو مقدم لانا ضروری تھا

امامِ غزالی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اسم رحمٰن کا مقتضا جو مومن کو حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ بندگانِ خدا پر رحم کرے اور ان کی خیر خواہی میں

Marfat.com

لطف وکرم سے کام لے نہ درشتی اور سختی سے اور اہل مصیبت کو بنظر رحمت دیکھے نہ بنظر اذیت اور ہر ایک معصیت جو عالم میں ظاہر ہو اس کو اپنی معصیت سمجھ کر اس کے دور کرنے میں پوری سعی بجالائے تاکہ اہل معصیت عذاب الٰہی سے بچ جائیں۔ اور اسم رحیم کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جہانتک اس کی طاقت میں ہو اہل فقر و فاقہ کی حاجت برآری میں کوتاہی نہ کرے اور جس طرح ہو سکے بذریعہ مال یا بذریعہ شفاعت یا کسی دوسرے طریق پر اس کی حاجت و مصیبت کو رفع کرے اور اگر کچھ قدرت نہ رکھتا ہو تو دعا سے کام لے اور عدم قدرت اس طرح پر اندوہ زدہ ہو کہ وہ حاجت یا مصیبت خود اسی کی ذات پر وارد ہے۔

تنبیہ۔ یہ خیال عام طور پر پیدا ہوا کرتا ہے کہ اللہ تعالےٰ ارحم الراحمین ہے اور رحیم کا قاعدہ ہے کہ وہ صاحب قدرت ہونے کی صورت میں کسی مصیبت زدہ کو مصیبت میں مبتلا نہیں دیکھ سکتا بلکہ اس کی مصیبت کو رفع کرتا ہے مگر دنیا میں ہزاروں لاکھوں بندگانِ خدا انواع و اقسام کی مصیبتوں میں مبتلا ہیں اور اللہ تعالےٰ کامل القدرت اور کامل العلم ہے پھر کیا وجہ ہے کہ وہ ان مصیبت زدہ لوگوں کی مصیبت کو دور نہیں کرتا؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ سوال صفات ذات باری میں غور نہ کرنے کا نتیجہ ہے کیونکہ جو کچھ عالم کائنات میں ہو رہا ہے نہایت عادل و حکمت پر مبنی ہے دیکھو ماں اپنے بچہ کو عمل جراحی سے محفوظ رکھنا چاہتی ہے مگر باپ جو انجام بینی سے کام لیتا ہے بچہ کو جراح کے حوالہ کر دیتا ہے جو اس پر اپنا عمل جراحی کرتا ہے بظاہر ماں بچہ کا

Marfat.com

خیر خواہ معلوم ہوتی ہے مگر وہ درحقیقت نادان خیر خواہ ہے اور باپ دشمن معلوم ہوتا ہے مگر دراصل وہ بچہ کا بہترین خیر خواہ ہے کیونکہ اس کی نظر ایک ایسی مصلحت عظیم پر محدود ہوتی ہے جس کو ماں مدِ نظر نہیں رکھتی اگر باپ بچہ کو جزئی تکلیف سے بچانے کے لئے عمل جراحی سے اسکو محفوظ رکھے تو بچہ زخم کے ضرر سے ہلاک ہو جائے اس تمثیل سے صرف یہ مقصود ہے کہ ایک مصلحت عظیمہ کی تکمیل میں جزئی تکلیف کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا فطرتِ عالم میں غور کرو کہ ہر ایک امر خیر کے ساتھ کس طرح جزئی شر شامل ہے اللہ تبارک وتعالےٰ کے کارخانہ حکمت میں حوادث کا وجود پذیر ہونا عین خیر پر مبنی ہوتا ہے مگر کسی حادثہ کے دوسرے اشیاء کے ساتھ متعلق ہونے پر شر جزئی کو اس حادثہ میں دخل ہو جاتا ہے باران رحمت کا نزول عین خیر ہے مگر کون کہتا ہے کہ اس میں جزئی شر شامل نہیں ہوتا۔ انسان اپنی کوتہ نظری سے بسا اوقات شر جزئی کو ملحوظ رکھکر مصلحت عظیمہ کو نظر انداز کر جاتا ہے قال اللہ تعالےٰ عسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم یعنی جن امور کو تم برا سمجھتے ہو انہیں میں تمہاری مصلحت مضمر ہوتی ہے مگر سلسلہ اسباب کے ربط پر آگاہ نہ ہو کر تم انہیں ناپسند رکھتے ہو۔ الغرض کسی امر کے ذات باری سے صادر ہونے میں کوئی شر داخل نہیں بلکہ محض خیر ہی صادر ہوتی ہے مگر جب اس امر کو اپنے موارد خارجی سے تعلق ہوتا ہے تو وہی ایک امر بعض موارد کے حق میں تو عین خیر ہوتا ہے اور دیگر بعض کے حق میں شر۔ اور اگر جہت تعلق خارجی کو ہم نظر انداز کر دیں تو پھر شر کا وجود ہی ناپید ہے مطلب یہ کہ خیر مقصود بالذات ہے اور شر مقصود بالعرض ہی

Marfat.com

وجہ ہے کہ کلام مجید میں بیدك الخیر ارشاد فرمایا نہ بیدك الخیر والشر۔

مذکورہ بالا اصل پر غور کرنے کے بعد اس امر کا سمجھ لینا ہرگز دشوار نہیں کہ کسی مصیبت زدہ کا مصیبت میں مبتلا ہونا ایک ایسے مخفی سلسلۂ اسباب کے ربط کا نتیجہ ہے جس کو عوام الناس ہرگز اپنے ادراک میں نہیں لا سکتے اور بجز عارفان عالیمقام کے کسی کو اس مقام تک رسائی نہیں ہو سکتی اگر ربط اسباب کی حقیقت کا انکشاف اہل دنیا پر ہو جاتا تو سلسلۂ کائنات کا انتظام کبھی درست نہ رہ سکتا بلکہ ہزارہا مفاسد کا باعث ہوتا اور یہ امر حکمت ذات باری کے منافی ہے یہاں یہ خیال پیدا نہیں ہو سکتا کہ جب شر جزئی کے بدون بھی امر خیر کا صدور ممکن تھا تو پھر خیر کے ساتھ شمول شر کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خیال بھی محض انسان کی عقل نارسا کا نتیجہ ہے کیونکہ کسی امر کے ممکن یا محال ہونے کا فیصلہ کر لینا کوئی سرسری بات نہیں جو لوگ اللہ تعالےٰ کے صفات متضادہ کا علم رکھتے ہیں وہ آگاہ ہیں کہ عالم کائنات کی فطرت ہی ہر ایک قسم کے متضاد امور کی متقاضی ہے اور اسی سے اس کے کامل الصفات اور بے مثل ہونے کا ثبوت حاصل ہوتا ہے صدور حوادث کے اسباب اور ان کے روابط کا علم اندازِ عقل سے کہیں بالاتر ہے ہاں مگر یہ محقق ہے کہ بمقتضائے سبقت رحمتی غضبی امر خیر ارادہ الٰہی میں اولاً اور بالذات داخل ہے اور امر شر ثانیاً اور بالعرض چونکہ اس حقیقت پر آگاہ ہونا مسئلہ جبر و قدر کی بحث کا مقتضیٰ ہے لہٰذا اس دقیق مقام پر بجز سکوت کے کوئی چارہ نہیں اور زیادہ نکتہ چینی سے زوال ایمان کا خطرہ ہے

لہذا ہم ناظرین کو اسی قدر تفصیل پر قانع کرنا مناسب سمجھتے ہیں کیونکہ اس مسئلہ کی تہ تک پہنچنا ذوق و وجدان پر موقوف ہے بحث و جدل کو یہاں دخل نہیں فتدبّر۔

واضح ہو کہ وصف رحمت مقام عبودیت کے کمال کا پتہ دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام کو مختلف مواقع پر اس وصف سے متصف ظاہر فرمایا چنانچہ فرمایا وما ارسلناک الا رحمۃً للعالمین اور فرمایا بالمومنین رؤف رحیمٌ اور پھر فرمایا فبما رحمۃٍ من اللہ لِنتَ لھم اور خود حضور علیہ السلام نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نسبت ارشاد فرمایا۔ اَرحَمُ اُمّتِی بِاُمّتی ابوبکرٍ یعنی سب سے بڑھ کر میری امت کے حق میں ابوبکر رحیم ہیں اور عام طور پر مقام تلقین رحمت میں ارشاد فرمایا الراحمون یرحمھم الرحمٰن ارحموا مَن فی الارض یرحمکم من فی السماء یعنی رحمت کرنے والوں پر اللہ تعالےٰ مہربان ہے اللہ تعالےٰ کی مخلوق پر رحمت کرو اللہ تعالےٰ تم پر رحمت فرمائیگا۔

اسی دعاء رحمت کے متعلق حضرت خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی نسبت مروی ہے کہ آپ عید فطر کے لئے مصلے کی طرف نکلے اور نماز کے بعد یوں دست بدعا ہوئے کہ خدایا مجھ پر رحم فرما کیونکہ تو نے فرمایا ہے انّ رحمت اللہ قریبٌ من المحسنین اور اگر میں محسنین میں شامل نہیں تو صائمین سے تو ہوں اور تو نے فرمایا ہے والصائمین و الصائمات اعدّ اللہ لھم مغفرۃً واجراً عظیماً اور اگر میں صائمین میں بھی نہیں تو مومنین میں تو ہوں اور تو نے فرمایا ہے وکان بالمومنین رحیما اور اگر میں مومنین میں بھی نہیں تو تیری ایک پیدا کردہ شے ہوں

Marfat.com

اور تو نے فرمایا ہے رَحْمَتِی وَسِعَتْ کُلَّ شَیْئٍ اور اگر میں یہ بھی نہیں تو میں مصیبت زدہ تیری رحمت سے محروم ہوں اور تو نے فرمایا ہے - الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون اولئک علیھم صلوات من ربھم ورحمۃ اور غور کرو کہ اہل معرفت کو کس کس طریق پر بارگاہ رب العزت میں مناجات کرنے کا ڈھنگ سکھایا یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقت قرآن مجید کو سمجھتے اور اس سے تنفع ہوتے تھے - الہام ارزقنا بحق منہ نبی الرحمۃ وآلہ الطیبین ۔

حضرات مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ ذات باری اہل افتقار کے لئے رحمٰن اور اہل افتخار کے لئے رحیم ہے جب اس کے جلال کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ان کے عقول مضمحل ہو جاتے ہیں اور اس کی طرف محتاج ہوتے ہیں اور جب اس کے جمال کا مشاہدہ کرتے ہیں تو قوت حیات پاتے ہیں اور افتخار کرتے ہیں بعض لکھتے ہیں کہ وہ دنیا میں ستر گناہ کرتا ہے اس لئے رحمٰن ہے اور آخرت میں مغفرت اور اس لئے رحیم ہے عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ ایسا رحمٰن ہے کہ جب اس سے سوال کیا جائے تو عطا فرماتا ہے اور آپ ایسا رحیم ہے کہ جب سوال نہ کیا جائے تو ناراض ہوتا ہے چنانچہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا مَنْ لَمْ یَسْئَلِ اللہَ یَغْضَبْ عَلَیْہِ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے اسی خیال کو کسی صاحب دل نے یوں موزون کیا کیا ہے ؎

اللہ یغضب ان ترکت سؤالہ ۔۔۔ وابن آدم حین یسئل یغضب

ابوبکر وراق فرماتے ہیں رحمٰن بالنعماء ہے اور رحیم بالا لانعماء وہ ہے جو اس نے یہاں عطا فرمادیا اور آلاء وہ ہیں جن کی بابت اُس نے خبر دی۔ محمدؐ بن عیسیٰ ترمذی لکھتے ہیں کہ وہ رحمٰن ہے اس لئے کہ نار جہنم سے نجات بخشتا ہے اور رحیم ہے اس لئے کہ جنت میں داخل فرماتا ہے۔ حارث بن اسد محاسبی لکھتے ہیں کہ وہ رحمٰن ہے کیونکہ مصائب کو دور کرتا ہے اور رحیم ہے کیونکہ قلوب کو انوار معرفت سے منور کرتا ہے بعض لکھتے ہیں کہ وہ رحمٰن ہے کیونکہ اُس نے قرآن مجید کی تعلیم فرمائی۔ حدیث قال الرحمٰن علّم القرآن اور رحیم ہے کیونکہ تکریم و تسلیم کے ساتھ عزت افزائی کرتا ہے حدیث قال سلامٌ قولاً من ربٍ رحیم۔ بعض محققین نے لکھا ہے کہ اسم رحمٰن میں ایسی رحمت کی طرف اشارہ مقصود ہے جو مخصوص بذات بلری ہے یہی وجہ ہے کہ غیر اللہ پر اس کا اطلاق جائز نہیں اور رحیم میں رحمت عامہ کی طرف اشارہ ہے جو غیر اللہ سے بھی صادر ہو سکے اسی وجہ سے اس کا اطلاق غیر اللہ پر جائز ہے۔ مُسیلمہ کذاب کے اتباع مسیلمہ کو رحمٰن کہا کرتے چنانچہ ان کا ایک شاعر کہتا ہے ؎ فانت غیث الوریٰ لا زلت رحمانا۔ مگر یہ محض بطور جہالت و تعنت تھا نہ بطور حقیقت۔

اَلْمَلِکُ

اس باب سے مختلف اسماء کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے المَلِک مالک الملک والملکوت۔ المَلِیکُ۔ المالک۔ گو اسماء حسنیٰ میں صرف دو ہی اسم آئے ہیں یعنی الملک اور مالک الملک۔

لفظ مِلک (بکسر میم) کی نسبت علمائے عربیت کے دو قول مروی ہیں اول یہ کہ ملک کسی شے میں تصرف کرنے کو کہتے ہیں دوم یہ کہ ملک قدرت تصرف کو

کہتے ہیں ان ہر دو توجیہ میں جو فرق ہے اسے علمائے متکلمین زیر بحث لاتے ہیں جو محض لفظی مناقشات ہیں اور بے سود اصل لغت میں ملک بمعنے ربط اور شد کے ہے قال الشاعر ؎

ملکتُ بها کفّی فانهرت فتقها یری قائمٌ من دونها ما وراءها

غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ربط اور شد کا مفہوم قدرت نامہ کا منافی نہیں چونکہ قدرت نامہ کی مالک بجز ذات باری کی کوئی اور چیز نہیں اسلئے حقیقی طور پر انسان کسی چیز کا مالک نہیں ہوسکتا لہذا ملک بمعنے سلطنت صرف ذات باری ہی کا وصف ہے اور بس - اور چونکہ تصرف فرع ہے ملک کی اسی لئے عبد بالاستقلال مولیٰ کی مال میں کچھ تصرف نہیں کرسکتا آیہ للہ الامر من قبل و من بعد میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے ہاں عبد کو تملیک مولیٰ سے ایک عارضی تصرف کا حق حاصل ہوجاتا ہے مگر حقیقتاً اسکو ملک نہیں کہا جاسکتا -

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اسم ملک اور مالک ہر دو میں وصف کا یکسان مفہوم نہیں بلکہ اسم ملک میں مبالغہ ہے کیونکہ ملک مملوکات کثیرہ کے مالک ہونے پر دال ہے یہی وجہ ہے کہ مالک الدار یا مالک الفرس وغیرہ تو بول دیتے ہیں مگر ملک الدار اور ملک الفرس نہیں بول سکتے لہذا حضرت رب العزت اسم ملک اضافت سے اور نیز بلا اضافت دونوطرح مستعمل ہے اور مالک بجز اضافت مستعمل نہیں ہوتا اسیطرح اسم مالک اور ملیک بلحاظ مبالغہ وصف کی یکسان نہیں بلکہ بالاتفاق ان میں وہی نسبت ہے جو ناصر و نصیر اور عالم علیم اور قادر و قدیر وغیرہ میں یعنی ہم ملیک میں زیادہ مبالغہ ہے اور اسم مالک ملک اور ملک ہر دو کے معنے پر مشتمل ہے کیونکہ اضافت ملک کی مملوک ذات باری ہونے پر دال ہے اور ملک سے قدرت تامہ اور تصرف مراد ہے مطلب یہ ہوا کہ ذات باری مالک قدرت و تصرف ہے - لفظ ملکوت - ملک بمعنے قدرت و تصرف کا مبالغہ ہے جیسے رغبت سے رغبوت اور رحمت سے رحموت

؎ شاعر زخم کی فراخی کا بیان کرتا ہے کہ میں نے زخم لگانے کیلئے اپنے ہاتھ کو نیزہ پر مضبوط کیا اور اسقدر فراخ زخم لگایا کہ اس

وغیرہ اور بعض محققین نے لکھا ہے کہ ملک اشارہ ہے ذات باری کی متصرف فی الاجسام ہونیکی طرف اور ملکوت سے عالم ملائکہ وارواح میں متصرف ہونا مراد ہے۔
یہ امر بذریعہ دلائل ثابت ہے کہ ذات باری مالک جمیع موجودات ہے اس لئے اگر ہم اسکے ملک کی تشریح کرنی لگیں تو ہمیں ایک ایک ذرہ کائنات کی حقیقت پر بحث کرنا ہوگی جس سے ذات باری کی تصرف کامل کا ہم علم حاصل کرسکیں مگر تمام موجودات زمینی وآسمانی کا خیال تو ہوسکتا ہے اگر ہم مچھر یا مکھی کی ایک پر کی تشریح کرنی لگیں تو اسکے متعلق مختلف مباحث کی طے کرنی ہیں ہزاروں لمبی لمبی عمریں ختم ہوجائیں مگر ہم سمندر سے ایک قطرہ کی برابر بھی علم حاصل نہیں کرسکتے اسی عدم امکان کی طرف اشارہ ہے آیہ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي میں ہاں مگر بنظر اختصار واجمال ہمیں آیہ اللھم مالک الملک الایۃ میں غور کرنا چاہئے (ا) مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء ان الفاظ سے ذات باری کا تصرف مطلق ہونا ثابت ہے کیونکہ عطا اور منع ہر دو پر یکساں قادر ہے (ب) وتعز من تشاء وتذل من تشاء ان الفاظ سے اعزاز واذلال پر اس کا قادر ہونا ثابت ہے (ج) تولج اللیل فی النھار وتولج النھار فی اللیل اس سے تقلیب لیل ونہار پر قادر ہونا ثابت ہے (د) تخرج الحی من المیت وتخرج المیت من الحی ان الفاظ سے اسکا احیاء واماتت پر متصرف ہونا ثابت ہے (ہ) وترزق من تشاء بغیر حساب ان الفاظ سے اسکا رزاق مطلق ہونا ثابت ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ مذکورہ بالا پانچ موارد سے ذات باری کلمن کل الوجوہ قادر مطلق ہونا ثابت ہورہا ہے۔ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ عبد کبھی دائرہ احتیاج سے باہر نہیں جا سکتا کیونکہ وہ ممکن ہے اور ہر ایک ممکن محتاج ہے سو جس طرح وہ کبھی مستغنی نہیں ہوسکتا اسطرح وہ کبھی کسی غیر اللہ کیطرف محتاج نہیں ہوسکتا کیونکہ غیر اللہ کو تصرف کا حق حاصل نہیں اسلئے غیر خود محتاج ہے پس محتاج کا محتاج ہونا عقلاً ممتنع ہے ہاں عارضی طور پر ہر ایک چیز غیر اللہ کیطرف محتاج ہے مگر فی الحقیقت سب کا محتاج الیہ ذات باری ہے لہذا انسان کے مستغنی ہونیکی

لہ اگر تمام روئے زمین سمندر سیاہی بن جائیں جس سے موجودات ذات باری کی حقیقت ملمبت کی جائے تو سیاہی ختم

Marfat.com

دو صورتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ جب وہ غیر اللہ سے بالکلیت منقطع ہو کر محض اللہ تعالےٰ ہی کا ہو رہے اور ہر ایک کی حاجت سے مستغنی ہو جائے تو اس صورت میں ملک یا مالک مطلق ہو سکتا ہے واضح ہو کہ اس رتبہ کا مالک بجز ذات جامع کمالات جناب رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی شخص نہیں ہوا اور اسی عدم احتیاج کیطرف اشارہ ہے آیۂ مازاغ البصر وما طغیٰ میں۔ ایک حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں خُیِّرْتُ بَیْنَ اَنْ اَکُوْنَ عَبْدًا نَبِیًّا اَوْ مَلِکًا نَبِیًّا فَاخْتَرْتُ الْعُبُوْدِیَّۃَ یعنے مجھے اس امر کا اختیار دیا گیا کہ میں عبد نبی ہو جاؤں یا ملک نبی سو میں نے عبودیت ہی کو اختیار کیا خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص من کل الوجوہ اپنے مولا کا بن کر رہتا ہے تو مولےٰ خود اسی کا ہو جاتا ہے اس لئے تمام مخلوقات اس شخص کے تابع فرمان ہو جاتی ہے اور جو شخص اللہ تعالےٰ کا نہیں بنتا کوئی چیز اس کی اطاعت نہیں کرتی وجہ اس کی یہ ہے۔ کہ اصل ہر ایک چیز کی ذات باری سے ہے جب اصل کسی کو حاصل ہو جائے تو فرع (جمیع مخلوقات) خود اس کی تابع ہو جائے گی اور جب کوئی شخص فرع کیطرف رجوع کرے گا۔ تو اصل سے محروم رہے گا اور جب اصل سے محروم رہا تو فرع بھی اس سے زائل ہو گی اسی نکتہ کو حضور علیہ السلام نے اس حدیث میں ظاہر فرمایا ہے اِذَا سَئَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰہَ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ یعنے جب سوال کرو تو اللہ تعالےٰ سے اور جب مدد مانگو تو اسی سے۔

دوم یہ کہ قلب بھی ایک سلطنت کی طرح ہے۔ جس میں سلطان روح حکومت کرتا ہے اور نفس اس کا دشمن ہے اور ان دونوں میں ہمیشہ مقابلہ رہتا ہے وزیر عقل سلطان روح کی طرف سے اور وزیر جہل سلطان نفس کیطرف سے باہم مقابلہ کرتے ہیں۔ سلطان روح مملکت قلب میں اخلاق حسنہ کو اپنے لشکر

Marfat.com

پھیلانا چاہتا ہے۔ اور سلطان نفس عاداتِ قبیحہ ظلمانیہ کا اور ہر دو کو بیرونی امداد بھی ہوتی رہتی ہے۔ یعنی سلطان روح کی امداد کے لئے ملائکہ اور سلطان نفس کی امداد کے لئے شیاطین علیحدہ علیحدہ اپنا کام کرتے ہیں۔ ان دونوں لشکروں میں خوب مقابلہ ہوتا ہے۔ اس موقع پر اگر عنائت الٰہی سلطان روح کے شامل حال ہو جائے تو سلطان نفس کا لشکر شکست پاکر مملکت سے خارج ہو جاتا ہے۔ ورنہ شیاطین کی حکومت غالب آکر مملکت قلب میں مختلف قسم کی خرابیاں ڈال دیتی ہیں۔ اور شہوت و غضب اور حرص و حسد وغیرہ کے سوا اور کسی چیز کو اس میں دخل نہیں ہوتا۔

اس مثال میں اس امر کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ کہ سلاطینِ عالم میں تو اس قسم کا مقابلہ کبھی شاذ و نادر ہوا کرتا ہے۔ مگر روح اور نفس میں ہر وقت یہ مخاصمہ جاری رہتا ہے۔ اکثر ایسا ہوا کرتا ہے۔ کہ کبھی سلطان روح کو غلبہ ہو جاتا ہے۔ اور کبھی سلطان نفس کو۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ایک ہی شخص کبھی تو مشابہ ملک آسمانی ہو جاتا ہے۔ اور کبھی وہی شخص ثانی شیطان۔ اور بجز عنائت الٰہی اور رحمت ازلی کے کوئی چارہ نہیں اسی خیال پر انبیاء علیہم السلام کے ادعیہ میں بحضور باری عزّ اسمہٗ التجاء رحمت مروی ہے۔ خلیل علیہ السّلام کی دعا میں غور کرو۔ رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَّأَلْحِقْنِي بِالصّٰلِحِيْنَ ۝ یعنی خدایا مجھے حکمت دے اور اہل صلاح کے ساتھ ملا دے۔ حکمت کی استدعاء سے مراد یہ ہے کہ مقابلہ نفس کی طاقت دے جس کا نتیجہ صلاح و تقوے ہو سکتا ہے۔ کلیم علیہ السلام کی دعا کو دیکھو رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي یعنے خدایا میرے لئے میرے سینہ کو کھول دے اور میرے امر میں مجھے آسانی دے اس دعاء میں شرح صدر سے مراد یہ ہے کہ میرے قلب سے آلائش جہل کو

Marfat.com

بالکل دور کردے جس کا نتیجہ تنگی اور ظلمت ہے اور امر میں آسانی دینے سے مراد یہ ہے۔ کہ نفس اور شیطان کے مغلوب کرنے کی قوت عطا فرما جس کا نتیجہ قلب کا انوار معرفت سے منور ہونا ہے اس سے زیادہ واضح الفاظ میں حضور نبی اُمی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا میں غور کرنا چاہئے حیث قال اللہ تعالے تعلیماً لہ صلی اللہ علیہ وسلم وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ یعنی خدایا! میں شیاطین کی اندرونی رہ زنیوں سے تیری پناہ لیتا ہوں۔ اور نیز میں اس امر سے کہ شیاطین میرے پاس آسکیں۔ تیری پناہ میں آتا ہوں۔ اس موقع پر قابل ضبط یہ امر ہے کہ جو شخص قلب کے ان حالات کا عارف ہوتا ہے وہ ہر وقت غیر اللہ سے اپنی تعلق کو قطع کرنے کے پیچھے لگا رہتا ہے اور اپنی تئیں اس مولائے حقیقی کے سپرد کر دیتا ہے اور غیر سے اپنی امید منقطع کر لیتا ہے اور آفات و علائق سے بچا رہتا ہے۔ اسی امر کی طرف بعض مشائخ نے یوں اشارہ فرمایا ہے۔ اَلْجَمْعُ بِالْحَقِّ الْمُرِيْدِ اَنْ يَتَذَلَّلَ لِلْعَبِيْدِ وَهُوَ يَجِدُ مِنْ مَوْلَاهُ مَا يُرِيْدُ یعنے کسی خالص للارادت طالب کو ہرگز شایاں نہیں کہ عاجز بندوں کے سامنے فروتنی کا اظہار کرے جب کہ وہ اپنی ساری مرادیں اپنے مولی سے حاصل کر سکتا ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ یہ مقام بہت اونچا ہے اور ہر ایک ہوسناک کو وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی۔

سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ میں بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا کہ یکایک مجھے ایک شخص نظر پڑا۔ اُسے دیکھتے ہی میرے دل نے فیصلہ کر لیا۔ کہ یہ شخص ضرور مخلصین میں سے ہوگا۔ یعنے اُس کے قریب جا کر عرض کیا۔ کہ آپ مجھے کچھ وصیت فرمائیں جس سے میں فائدہ اٹھاؤں اُس نے مجھے جواب نہ دیا اور طواف میں لگا رہا جب طواف سے فارغ ہو چکا تو مقام

Marfat.com

ابراہیم کے پیچھے اس نے دوگانہ ادا کیا اور پھر حجر[1] میں داخل ہوگیا میں بھی اس کے پاس جا بیٹھا اور پھر وہی مذکورہ بالا عرض کی تب اُس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ کیا تو جانتا ہے کہ تیرے رب نے کیا حکم دیا ہے یہ کہہ کر خود ہی فرمایا کہ رب العالمین نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں حی لایموت ہوں میری اطاعت کرو میں تمہیں بھی حی لایموت بنا دونگا۔ میں مالک الملک ہوں میری اطاعت کرو میں تمہیں بھی مالک الملک بنا دونگا۔ میں وہ بادشاہ ہوں کہ جب کسی امر کو کرنا چاہتا ہوں تو وہ امر میرے ارادہ کے ساتھ ہی واقع ہو جاتا ہے میری اطاعت کرو۔ میں تمہیں بھی ایسا بنا دونگا۔ کہ جب تم کسی امر کا ارادہ کرو گے وہ امر اُسی وقت موجود ہو جائیگا اتنا کہا اور وہ بزرگوار میری آنکھوں سے اوجھل ہوگیا۔ میں حیران رہ گیا۔ اور سمجھا کہ خضر علیہ السلام تھے۔

بعض حکایات میں مروی ہے کہ کسی امیر نے ایک خدادوست صالح مرد کو کہا۔ کہ اگر کوئی حاجت ہو تو مجھ سے فرمایئے انہوں نے کہا کہ میرے ہاں جو دو غلام ہیں وہ تمہارے حاکم ہیں بھلا میں اپنے غلام کے غلام سے کیوں اپنی حاجت روائی کر سکتا ہوں۔ اُس امیر نے عرض کیا۔ کہ وہ کونسے دو غلام ہیں اس مرد خدا نے جواب دیا۔ کہ شہوت اور غضب یہ ہر دو تیرے تو حاکم ہیں۔ مگر میرے محکوم ہیں۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ سورۂ یوسف میں اللہ تعالےٰ نے حکایۃً آیہ رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ میں ملک سے قدرت علی النفس مراد لی ہے اور وَعَلَّمْتَنِي مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ میں تاویل احادیث سے حکمت گویا ہر دو آیات علیحدہ علیحدہ قوت عملی اور قوت نظری کے کمال کیطرف اشارہ کر رہے ہیں قال الشاعر ؎

[1] دیگر در کعبہ اندرون حطیم از سوئے شمال ۱۲

Marfat.com

مَنْ مَلَكَ النَّفْسَ فَحُرٌّ مَّا هُوَ وَالْعَبْدُ مَنْ يَمْلِكُهُ هَوَاهُ[1]

اَلْقُدُّوس اس اسم کے متعلق چند مسائل ضروری البیان ہیں اول یہ کہ یہ اسم لفظ قُدْس سے مشتق ہے جس کے معنے طہارت اور نزاہت کے ہیں چنانچہ البیت المقدس کی وجہ تسمیہ بھی اسی مناسبت پر مبنی ہے۔ جنّت کو حظیرۃ القدس بولتے ہیں کیونکہ آفات دنیا سے پاک ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو روح القدس کہا گیا ہے کیونکہ تبلیغ وحی میں غلطی اور عیب سے پاک ہیں۔ بعض اہل لغت نے لکھا ہے کہ کلام عرب میں بجز قُدُّوس اور سُبُّوح اور ذُرُّوح اور فُرُّوح کے سب اسماء فعّول بالفتح آئے ہیں۔ مگر یہ چاروں بالضم ہیں۔ بعض محققین کا خیال ہے۔ کہ یہ لفظ اصل میں سُریانی زبان کا ہے چنانچہ قدّیس کا لفظ جو اہل کتاب کی ادعیہ میں وارد ہے۔ اس امر پر کافی حجت ہے۔

اسماء ذات باری میں یہ اسم اس مفہوم پر مشتمل ہے کہ وہ ذات بیچون تمام نقائص وعیوب سے بری ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اَلْقُدُّوس هُوَ الْمُتَنَزَّهُ عَنْ كُلِّ وَصْفٍ مِنْ اَوْصَافِ الْكَمَالِ الَّذِیْ يُظُنُّهُ اَكْثَرُ الْخَلْقِ كَمَالًا یعنے قدوس وہ ذات ہے۔ جو ان تمام اوصاف کمال سے بری ہو جس کو اکثر لوگ کمال خیال کیا کرتے ہیں۔ کیونکہ عوام الناس بلکہ اکثر علما وجود رجہ سیر مقامات تک رسائی نہیں رکھتے صفاتِ ذات کو انسانی صفات پر قیاس کر لیا کرتے ہیں مثلاً وہ انسانی علم وقدرت اور سمع وبصر وغیرہ کو ذات باری کو علم وقدرت وغیرہ صفات کے ادراک میں معیار قرار دے لیتے ہیں اور یہ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ ذات گرامی جہل سے جو ضد علم ہے اور عجز سے جو ضد قدرت ہے پاک ہے حالانکہ حق یہ ہے کہ وہ ذات مقدس ان صفات علم وقدرت سے بھی بالاتر ہے

[1] آزاد وہی ہے جو نفس پر قادر ہے اور غلام وہ جس پر خواہش نفس حکمران ہو ۱۲ منہ

Marfat.com

جن کو ہم انسانی ادراک کے رو سے سمجھ سکتے ہیں۔ لہٰذا عام لوگ ثناء ذات باری میں علیم وقدیر اور سمیع وبصیر سے وہی مفہوم سمجھا کرتے ہیں۔ جو انسان کے صفات کے لئے سمجھنا چاہیئے۔

بعض مشائخ کرام نے لکھا ہے کہ قدوس وہ ذات ہے جو حاجات سے پاک ہو اور جس کی صفات آفات سے بری ہو۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے۔ کہ قدوس وہ ذات ہے۔ جو ابرار صالحین کے نفوس کو آلائش معصیت سے پاک کرتی ہے بعض دیگر اکابر نے لکھا ہے کہ قدوس وہ ذات ہے جو احتیاجِ زمان ومکان سے بالاتر ہے اور بعض حضرات نے یوں تعبیر کی ہے۔ کہ قدوس وہ ذات ہے کہ اپنے اولیاء کے قلوب کو ہر ایک قسم کے مالوفات پر مطمئن ہونے سے پاک کرتا ہے اور انوار مکاشفات سے اُن کے ارواح کو اُنس عطا فرماتا ہے۔

اس مقام پر اس امر کو بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ذات باری کے ماسوا تمام موجودات دو قسم پر منقسم ہے اول ذوات دوم صفات۔ پھر ذوات کی دو قسمیں ہیں اول مجردات دوم جسمانیات سو مجردات سب سے اشرف ہیں اور صفات بھی دو قسم کے ہیں۔ عقلی اور حسی ان میں سے عقلی اشرف ہیں۔ کیونکہ وہ دوام و بقا رکھتی ہیں اور حسی متغیر ہوتی رہتی ہیں۔ اس لئے انسان کا تقدس اس امر پر مبنی ہے۔ کہ لذات جسمانیہ سے منہ پھیر لے اور امور مادیہ میں مشتغل ہونے سے کنارہ کش ہو جائے بلکہ واجب یہ ہے کہ علوم حقیقیہ روحانیہ اور اخلاق حمیدہ کے حاصل کرنے پر اپنی توجہ مبذول کرے اور یہ امر تب حاصل ہو سکتا ہے جب کہ خیر وسعادت کی حقیقت کا اُسے پورا پورا علم حاصل ہو۔

امام غزالی رحمہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ قدوس وہ ذات ہے جس کو ہم تصوّر اور خیال یا وہم سے ہرگز ادراک نہیں کر سکتے وہ قدوس کے معنے یہ ہیں

Marfat.com

لیتے کہ وہ ذات جو نقائص وعیوب سے پاک ہو۔ کیونکہ اس ذات گرامی کی نسبت یہ خیال کرنا کہ وہ نقائص وعیوب سے بری ہے۔ ایک قسم کا سوء ادب ہے مثلاً اگر ہم یوں کہیں۔ کہ بادشاہِ ملک جولاہ اور حجام نہیں تو بمقابلہ رتبۂ سلطنت یہ طرز بیان بھی ایک قسم کی بے ادبی ہے۔ خاکسار کہتا ہے کہ امام صاحب کا خیال نہائت وزنی اور قیمتی ہے اور اس کو اہل باطن کے سوا کوئی شخص کما حقہ نہیں سمجھ سکتا ادب ہی تمام ترقیات کا زینہ ہے اور بس۔

اَلسَّلَامُ سلام بمعنے سلامت ہے قال اللہ تعالیٰ وَاللّٰہُ یَدْعُوْا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ اس آئت میں دارالسلام سے جنت مراد ہے۔ کیونکہ جنت میں جانے والا شخص موت اور آفات دنیا سے بچ جائیگا اسی معنی پر جملۂ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کا مفہوم قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالےٰ کلام پاک میں یحییٰ علیہ السلام کے حق میں فرماتا ہے وَسَلٰمٌ عَلَیْہِ یَوْمَ وُلِدَ وَیَوْمَ یَمُوْتُ وَیَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا اس آئت کے متعلق سفیان بن عُیَینہ رضی اللہ عنہ ایک عجیب معنے ارشاد فرماتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ انسان کے لئے تین مواقع سخت وحشت اور تشویش کے ہیں۔ اوّل جس دن پیدا ہوتا ہے بوجہ ایک غیر معمولی نقل مکانی کے نہائت متوحش ہوتا ہے معہذا شیطان ہر ایک بچہ کو پیدا ہونے پر مس کرتا ہے۔ دوم جس دن مرتا ہے اسے ایک عجیب وغریب قوم سے پالا پڑتا ہے یعنے ملائکہ جنہیں اس نے پہلے نہیں دیکھا ہوتا اس لئے وہ اس موقع پر بھی سخت پریشان ہوتا ہے سوم جس دن اس کا حشر ہوگا۔ یہ موقع بھی نہائت اضطراب وسراسیمگی کا ہوگا۔ سو اللہ تعالےٰ نے یحییٰ علیہ السلام کی نسبت ان ہر سہ مواقع پر آفات سے باسلامت رہنے کا ذکر فرمایا ہے۔ اور ارشاد فرمایا۔ کہ وہ ان ہر سہ مواقع پر خوف اور ہراس سے محفوظ رکھے گئے ہیں۔ قول صواب کو بھی قرآن مجید میں سلام کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حیث قال اللہ تعالےٰ وَاِذَا خَاطَبَھُمُ

Marfat.com

الجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا اس سے معلوم ہوا۔ کہ سلام وہ قول ہے۔ جو عیب اور گناہ سے پاک ہو۔

چونکہ مذکورہ بالا حوالہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ سلام بمعنے سلامت ہے اس لئے اسماء ذات باری میں اس کے معنے ذوالسلام کے ہونگے یعنی ایسی ذات جو نقائص سے محفوظ ہو اور بطریق مبالغہ مصدر کو اسم فاعل کے معنے میں لیا گیا جیسے رجل عَدْل ای ذو عدلٍ اور رجل غیاث ای ذو غیاث

یہاں یہ خیال ہو سکتا ہے کہ سلام اور قدوس میں کیا فرق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قدوس سے زمانہ ماضی اور حال میں بری اور عیوب ہونا پایا جاتا ہے۔ اور سلام میں یہ اشارہ ہے کہ زمانہ مستقبل میں وہ محفوظ[1] رہے گا۔ اور بعض محققین نے لکھا ہے کہ اسم قدوس صفات میں نقص سے بری ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اور اسم سلام افعال میں نقص سے بری ہونے پر۔ بعض مفسرین نے سلام کے معنے یہ لئے ہیں۔ کہ سلام وہ ذات ہے۔ جو دوسروں کو سلامت بخشے اور یہ امر مبدء و معاد ہر دو کو شامل ہے۔ مبدء کے متعلق تو فرمایا ما تریٰ فی خلق الرحمن من تفاوت جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنی اکثر مخلوقات کو عیوب سے بری پیدا کیا ہے اور معاد کے متعلق فرمایا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو ظلم سے باسلامت رکھنے کا وعدہ فرمالیا ہے بعض اہل تحقیق نے سلام بمعنے مسلِّم لیا ہے یعنے وہ ذات جو تمام کو اپنے بندوں پر سلامتی بھیج کر انکی عزت افزائی کریگی قال اللہ تعالیٰ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ

[1] یہ فرق صرف انسانی حالات کے لحاظ سے بتایا گیا ہے ورنہ ذات باری کی نسبت زمانہ ماضی اور حال اور استقبال یکساں ہیں۔ کیونکہ وہ ذات اقدس تعلق زمانہ سے بری ہے ۱۲ منہ

حضرات مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالے فرماتے ہیں کہ اس اسم کا تقضی انسان کامل کے لئے یہ ہے کہ وہ نفس کی ظاہری اور باطنی مخالفت سے محفوظ ہو جاوے قال اللہ تعالے وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ۔ بعض حضرات نے لکھا ہے۔ کہ اس اسم کا مقتضٰے یہ ہے کہ بندہ ذنوب سے محفوظ اور عیوب سے بری ہو جاوے قال اللہ تعالے اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ اس آئت میں قلب سلیم سے مراد ایسا قلب ہے کہ جو شرک و نفاق سے بالکل خالص اور شک و شقاق سے بکلی فارغ ہو جائے یا یوں کہو۔ کہ قلب سلیم وہ ہے جس کا نفس شہوات اور شبہات سے پاک و صاف ہو جائے الغرض اسلام کا بہرہ اسم سلام سے یہ ہے کہ دنیا میں تو تمام موذی چیزوں سے محفوظ ہو۔ اور اپنی حاجات میں غیر محتاج۔ اور دین میں اس کا باسلامت ہونا یوں ہے کہ مقام شریعت میں بدعت اور شبہات اور ہوا اور شہوات سے بری ہو اور مقام طریقت میں یوں کہ شہوات اور غضب کو قوت عاقلہ کی حکومت سے باہر نہ ہونے دے اور ہر دو کو اپنا مغلوب رکھے اور مقام حقیقت میں یوں کہ غیر اللہ کی طرف اس کو مطلقاً التفات نہ رہے قال اللہ تعالے قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ۵ امام غزالی رحمہ اللہ اس اسم کے ذیل میں فرماتے ہیں وَلَنْ يُوْصَفَ بِالسَّلَامِ وَالْاِسْلَامِ اِلَّا مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ فَكَيْفَ يُوْصَفُ بِهٖ مَنْ لَمْ يَسْلَمْ هُوَ مِنْ نَفْسِهٖ یعنے وصف سلام اور اسلام سے صرف وہی شخص موصوف ہو سکتا ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ اور جس شخص کو ابھی قید نفس سے رہائی نصیب نہیں ہوئی اسکو یہ مقام کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟

اَلْمُؤْمِنُ سے مشتق ہے

اس اسم شریف کے متعلق لغوی تحقیق یہ ہے۔ کہ یہ اسم مصدر ایمان جس کے معنے یا تو تصدیق کے ہیں قال اللہ تعالے وَمَا اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا ای بِمُصَدِّقٍ لَّنَا یا امان دینے کے جو خوف دلانے کا ضد ہے قال اللہ تعالے

Marfat.com

وَاٰمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ چنانچہ اکثر محققین نے ایمان کی اصل امان ہی قرار دی ہے ان ہر دو ماخذ کے سمجھ لینے پر اسم مؤمن کے معنے بھی ہر دو صورت میں تحقیق کرنا ضروری ہے سو جب ہم مومن کو بمعنے مصدق (تصدیق کنندہ) لیں۔ تو اس کی چند وجوہ قرار دی جا سکتی ہیں۔ اول یہ کہ چونکہ اللہ تعالےٰ نے اپنی ذات مقدس کی وحدانیت کی ثابت دی ہے اس لئے اس کا یہ خبر دینا بمنزلہ تصدیق کے سمجھا گیا اور یہ تصدیق عین ایمان ہے قال اللہ تعالےٰ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

دوم یہ کہ اللہ تعالےٰ نے انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں پر معجزات ظاہر کئے ہیں۔ اور اظہار معجزہ اللہ تعالےٰ کے صفات افعال میں سے ہے۔ جس تصدیق خود اس نے بالفاظ محمدؐ رسول اللہ اپنے کلام پاک میں فرما دی۔ اس لئے تصدیق ذاتِ باری عین ایمان ٹھہری

سوم اسم مؤمن کے بمعنے مصدق ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں سے ان وعدوں کی تصدیق کریگا۔ جو اس نے اہل ایمان کے لئے ارشاد فرمائے ہیں قال اللہ تعالےٰ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ یہ وعدہ عالم آخرت میں پورا ہوگا اور پھر فرمایا وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا یہ وعدہ عالم دنیا میں پورا ہو رہا ہے۔

چہارم اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کے متعلق وعدہ فرمایا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ چونکہ اللہ تعالےٰ اس وعدہ کی تصدیق فرماتا ہے۔ اس لئے مومن بمعنے مصدق قرار پایا۔

اور اگر اسم مؤمن کو بمعنی امان دہندہ قرار دیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا۔ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو دنیا کے مصائب اور عالم آخرت کے عذاب سے امان دینے والا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امان دینے سے مراد خوف کا دور

Marfat.com

ہے اور خوف کا دور کرنا تب ہی متصوّر ہو سکتا ہے جبکہ خوف کا کوئی موقع متوقع
اور ایسا موقع کسی قسم کے نقصان یا ہلاکت کے وقت ہو سکتا ہے اور کچھ شک
ہیں۔ کہ نقصان یا ہلاکت کو دور کرنے والا بجز ذات باری کے اور کوئی موجود نہیں
یا امن دینے والا بھی فی الحقیقت بجز ذات باری کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اِس کو
ل میں یوں سمجھنا چاہئے۔ کہ نابینا آدمی بوجہ عدم بصارت اپنے ہلاک ہو جانے سے
ا رہتا ہے اور اگر اس کے پاس بصارت ہوتی تو اُسے ڈر نہ ہوتا اس سے معلوم
اگہ بصارت نابینا کے حق میں خوف ہلاک کے دور ہو جانے کا ذریعہ تھا اسی طرح
نا آدمی ہاتھ نہ ہونے کی وجہ سے اپنے ہلاک ہو جانے کا ڈر رکھتا ہے۔ اگر اس کا
ہ سالم ہوتا تو خوف ہلاک سے اس کو امان حاصل ہوتی علیٰ ہذا القیاس جمیع
س اور اعضاء کی نسبت ہم ایسا ہی خیال کر سکتے ہیں۔ چونکہ حواس اور اعضاء
خالق وہی ذاتِ مقدّس ہے اس لئے یہ ماننا پڑیگا۔ کہ اسی ذات مقدّس نے
سباب پیدا کر کے ہم کو خوف سے امان دی ہے اسی طرح ممکن ہے کہ کوئی شخص دل
ں اپنے دشمن سے خوف رکھتا ہے مگر ضعف کی وجہ سے حرکت نہیں کر سکتا اور اگر
ت کر سکتا ہو تو ممکن ہے کہ کوئی ہتھیار اپنے پاس نہ رکھتا ہو اور اگر ہتھیار بھی اس
پاس ہو تو ممکن ہے کہ تنہا دشمن کا مقابلہ نہ کر سکتا ہو اور اگر بالفرض اس
پاس سپاہ کی جمعیت بھی ہو۔ تو پھر بھی اسکو دشمن کے آنے کا خوف دامنگیر ہوگا اس
وہ اپنے معاونین کے مشورہ سے قلعہ اور خندق کا انتظام کرنے پر مجبور ہو تو ظاہر
کہ اس صورت میں وہ اپنی کوشش کے مطابق دشمن کے خوف سے امن
ئیگا۔ لہٰذا وہی ذات مقدّس جس نے اسباب مذکورہ بالا کو پیدا کیا ہے امان
دہ قرار پائے گی اسی طرح بھوک پیاس وغیرہ کے لئے اس نے اغذیہ اور
یہ پیدا کر دی ہیں جن سے ہم ہلاکت سے امان پا جاتے ہیں۔ اب عالمِ آخرت کے متعلق

Marfat.com

بھی اس ذات مقدّس کا امان دہندہ ہونا ظاہر ہے کیونکہ بذریعہ دلائل و براہین کے اس نے حقیقت توحید کی وجہ ثبوت پر آگاہ فرمادیا ہے سو جو شخص معرفت توحید حاصل کرلیتا ہے وہ عالم آخرت کے عذاب سے امن میں ہوجاتا ہے۔ چنانچہ حدیث قدسی میں ارشاد ہوا ہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ حِصْنِیْ مَنْ دَخَلَ حِصْنِیْ اَمِنَ مِنْ عَذَابِیْ یعنے توحید میرا قلعہ ہے جو شخص میرے قلعہ میں داخل ہوگا میرے عذاب سے امن پاجائیگا۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ امن وامان درحقیقت اللہ تعالےٰ ہی سے حاصل ہوسکتے ہیں لہذا حقیقی مومن وہی ذات تقدس ہے۔ درس۔

فائدہ۔ اگر کوئی شخص یہ اعتراض پیش کرے کہ خوف بھی تو بجز اللہ تعالےٰ کے حقیقۃً کسی غیر کی طرف سے نہیں ہوسکتا۔ پس امن جو خوف کا ضد ہے اس کی طرف سے کیسے ہوگا؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا امن دہندہ ہونا ہرگز اسکے خوف دہندہ ہونے کا مانع نہیں کیونکہ وہ معزّ بھی ہے۔ اور مذلّ بھی اور محیی بھی ہے اور ممیت بھی اعتبارات علیحدہ علیحدہ ہیں۔

تنبیہ انسان کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ مخلوق خدا کے لئے ہر ایک طرح سے موجب امن و آسائش ہوجاتا ہے خواہ دنیا کے متعلق ہو جیسے کہ کسی مصیبت زدہ کی دستگیری اور امداد خواہ عالم آخرت کی بابت جیسے خلق اللہ کو تبلیغ شریعت کرکے عذاب سے بچانا جو انبیاء علیہم السلام کا فرض ہے اور علمائے امّت ان کے وارثان کہلاتے ہیں۔

بعض آثار میں وارد ہوا ہے کہ قیامت کے دن ایک پکارنے والا پکاریگا کہ جو شخص کسی نبی کے نام سے ہمنام ہے جنت میں داخل ہوجائے چنانچہ یہ سنتے ہی ایسے لوگ داخل جنت ہوجائیں گے اور جو لوگ پیچھے رہینگے اللہ تعالیٰ اُن سے پوچھیگا کہ تم لوگ کون ہو؟ وہ کہیں گے کہ ہم مومنین ہیں۔ مگر ہمارے نام

کسی نبی کے نام سے ہمنام نہیں تب اللہ تعالےٰ ارشاد فرمائیگا کہ میں بھی مومن ہوں اور تم بھی مومن ہو جاؤ میری رحمت سے داخل جنّت ہو جاؤ۔

اَلْمُهَيْمِنُ اس اسم کی تفسیر میں دو قول ہیں اول یہ کہ ابو زید بلخی اس لفظ کو غیر عربی قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید کے نزول سے پہلے اہل عرب میں اس کا استعمال نہیں تھا۔ بلکہ یہ سریانی لفظ ہے جس کے آخر میں حرف مدّہ ہے۔ یعنی مُهَيْمِنا کہکر بولتے ہیں۔ جیسا کہ اس زبان کا عام قاعدہ ہے اور اس کے معنی مومن صادق الایمان کے ہیں۔ مگر یہ مذہب صحیح نہیں دوم اہل کلام کا مذہب ہے۔ جو اس کو عربی الاصل مانتے ہیں۔ اور اس کی تفسیر میں چند وجوہ بیان کیا کرتے ہیں۔

اوّل یہ کہ مہیمن بمعنے شاہد کے ہے چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے ؎

اِنَّ الْكِتٰبَ مُهَيْمِنٌ لِنَبِيِّنَا ۔۔۔ وَالْحَقُّ يَعْرِفُهٗ اُولُوا الْاَلْبَابِ

اس تفسیر کے رو سے اس اسم کی توجیہ یہ ہوگی کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کے اقوال و افعال کا شاہد ہے چنانچہ ارشاد فرمایا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا۔ سو مہیمن کے یہ معنے ہوئے کہ مہیمن وہ ذات ہے۔ جو تمام معلومات پر حاوی ہو اور زمین و آسمان میں کوئی چیز اس کے احاطۂ علم سے خارج نہ ہو۔ دوم یہ کہ مُهَيْمِن دراصل مومن ہے ہمزہ کو ہاء سے بدلا گیا ہے۔ جیسے کہ اکثر الفاظ میں ایسا واقع ہوا ہے مثلاً هَيْهَاتَ ایہات وھیّاك وایّاك سوم خلیل بن احمد کا قول ہے کہ مہیمن بمعنے رقیب و حافظ کے ہے اہل عرب بولا کرتے ہیں هَيْمَنَ فُلَانٌ عَلٰى كَذَا اِذَا كَانَ مُحَافِظًا عليه چہارم مبرد نحوی کہتا ہے کہ عرب لوگ اپنے محاورہ میں بولا کرتے ہیں قد هَيْمَنَ الطائر یعنے پرندہ نے اپنے آشیانہ کے گرد اپنے بازو اور پر پھیر پھیرائے۔ تاکہ اپنے بچوں پر سے کسی چیز موجب اذیت کو دفع کرے اس لئے اس لفظ کے معنے مشفق دلسوز کے ہوئے۔ پنجم حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

Marfat.com

کہ مہیمن کے معنے مصدق (تصدیق کنندہ) کے ہیں۔ چونکہ اللہ تعالے انبیاء علیہم السلام کی بوجہ معجزات کے تصدیق کرتا ہے اس لئے وہ مہیمن ہے۔
ششم امام غزالی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ مہیمن اس ذات کا نام ہے۔ جو مجموع صفات ثلاثہ کی جامع ہو۔

(۱) علم کامل باحوال شے۔

(۲) قدرت کاملہ کسی شے کے مصالح کی بابت۔

(۳) ان مصالح کا بر طریق دوام جاری رکھنا جس ذات میں یہ ہر سہ صفات موجود ہوں گے۔ وہ مہیمن کہلائے گی۔ سوایسی ذات صرف ذات باری ہی ہے بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ مہیمن کتب قدیمہ سماویہ میں ذات باری کا اسم ہے۔ حضرات مشائخ کرام لکھتے ہیں۔ کہ مہیمن وہ ذات ہے جو ظاہر و باطن پر آگاہ ہو۔ اور مخلوق کے شکر و شکایت کو سنے اور بلاؤ مصیبت دفع کرے۔

انسان کامل کو اس اسم سے یہ حظ حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنے قلب کے خواطر کا پاسبان اور اصلاح حالات کا نگراں رہتا ہے جب اسے خود کامل ترقی ہو جاتی ہے تو لوگوں کے ظواہر و باطن پر آگاہ ہو کر ان کی اصلاح کیطرف متوجہ ہوتا ہے۔

اَلْعَزِیْزُ

اللہ تعالے نے کتاب کریم میں صفت عزت کو اپنے لئے ثابت کیا ہے۔ قال اللہ تعالے سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۵ اور ابلیس سے حکایۃً ارشاد ہوا فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اور اس کے اشتقاق لغوی میں چند وجوہ بیان کیا کرتے ہیں۔ اول جبکہ عَزِیْز کے معنے بے مثل و بے نظیر ہوں تو اس کا اشتقاق عَزَّ الشَّیْءُ یَعِزُّ سے ہو گا۔ جس کے معنے کسی چیز کے کمیاب ہونے کے ہیں جب کہ اس کی تلاش کی جائے عرب

Marfat.com

والے بولا کرتے ہیں عَزَّ الطَّعَامُ فِی الْبَلَدِ جب کہ سامان معیشت شہر میں نہ مل سکے۔ سو جب مخلوق بوجہ نایاب ہونے کے عزیز کہلا سکتا ہے۔ تو ذات باری جس کا مثل عقلاً محال ہے بدرجہ اولی عزیز کہلانیکی مستحق ہے۔

دوم عَزِیْزٌ بمعنے غالب۔ اس صورت میں عَزَّ یَعِزُّ سے مشتق ہوگا جس کے معنے غَلَبَ یَغْلِبُ کے ہیں۔ قال اللہ تعالےٰ وَعَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ اَیْ غَلَبَنِیْ اہل عرب بولا کرتے ہیں مَنْ عَزَّ بَزَّ اَیْ مَنْ غَلَبَ سَلَبَ سو جب ایک عاجز مخلوق اپنے حریف پر غالب آکر عَزِیْزٌ کہلا سکتا ہے۔ تو ذات باری سبحانہ و تعالےٰ جو کبھی مغلوب نہیں ہوتی بدرجۂ اولے عزیز کہلانے کی مستحق ہوگی۔

سوم عزیز بمعنے شدید قوی اس صورت میں عَزَّ یَعِزُّ سے مشتق ہوگا۔ جس کے معنے شدید و قوی ہونے کے ہیں۔ قال اللہ تعالےٰ فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ یعنے ہم نے تیسرا رسول بھیج کر پہلے دو کو تقویت بخشی سو جب ایک عاجز مخلوق کو بلحاظ اس کی شدت و قوت کے عزیز کہہ سکتے ہیں۔ تو ذات باری جو عجز سے بالاتر ہے۔ بدرجۂ اولے عزیز ہو گی۔

چہارم عزیز بمعنے مُعَزِّز جیسے اَلِیْم بمعنے مُؤلم اور وجیع بمعنے موجع۔ اسلئے عزیز کے معنے ہوئے عزت دہندہ۔

واضح ہو کہ معنے اول کے رو سے اس اسم سے مفہوم تنزیہ ظاہر ہوتا ہے اور معنے ثانی اور ثالث کے رو سے عزیز منجملہ صفات ذات کے ہوگا۔ اور معنے رابع کے رو سے منجملہ صفات فعل کے۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ کہ عزیز وہ ذات ہے جس کا مثل کمیاب ہو۔ اور اسی کی طرف بغایت احتیاج ہو اور اس تک رسائی دشوار ہو۔ یہ ہر سہ صفات مجموعی طور پر جب تک کسی موجود میں جمع نہ ہوں۔ عزیز

Marfat.com

نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ کئی ایک ایسی اشیاء بھی ہوتی ہیں۔ جو کمیاب تو ہوتی ہیں مگر ان کی طرف احتیاج نہیں پڑتی۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کا مثل نہیں ہوتا۔ اور اس کی طرف سخت احتیاج ہوتی ہے مگر اس تک رسائی دشوار ہوتی ہے ایسی شے کو بھی عزیز نہیں کہہ سکتے۔ مثلاً آفتاب اور جب یہ ہر سہ جمع ہو جائیں تو وہ شے عزیز کہلائے گی اور ان ہر سہ معانی میں کمال و نقصان کا اعتبار جاری ہو سکتا ہے چنانچہ کمیاب ہونے میں کمال یہ ہے کہ کوئی شے صرف ایک ہی ہو اور اس کا مثل محالات سے ہو اس صفت کا موجود بجز ذات باری کے اور کوئی نہیں کیونکہ آفتاب کا مثل محال نہیں بلکہ ممکن ہے کیونکہ وہ مخلوق ہے۔ اور کسی چیز کا نافع ہونے میں کمال یہ ہے کہ وہ تمام منافع کی منبع ہو اور یہ وصف بھی بجز ذات باری کے کسی موجود پر صادق نہیں آتی۔ کیونکہ وہ تمام موجودات کا عدم سے وجود میں لانے والا ہے اور ہر ایک شے اپنے وجود اور صفات اور بقا میں اس کی محتاج ہے اور عدم وصول میں کمال کسی شے کا یہ ہے کہ کسی چیز کو اس پر قدرت پانے کا موقع نہ مل سکے اور وہ خود تمام اشیاء پر قادر ہو۔ اور اس وصف کا موجود بھی بجز ذات حق سبحانہ وتعالےٰ کے کوئی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ ہر ایک طرح سے انسانی دائرہ عقول سے بالاتر ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ عزیز مطلق بجز ذات باری عزاسمہٗ کے کوئی موجود نہیں ہو سکتا۔ امام ممدوح کی یہ تشریح واقعی قابل قدر ہے۔

انسان کامل کو اس اسم سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ خلقت اس کی طرف حیات اخروی اور سعادتِ ابدی حاصل کرنے کے لئے محتاج ہوں اور یہ رتبہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا ہے اور ان کے بعد ان کے قدم بقدم چلنے والے خلفاء راشدین کا اور پھر علماء امت کا بعدہ ان سلاطین کا جو شریعت محمدی کے

مطابق سیاست کرتے ہوں۔

فائدہ۔ اس اسم کی تفسیر میں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ جس قدر کسی شخص کو دین میں درجۂ عالی حاصل ہوگا۔ اسی قدر وہ زیادہ قابلِ عزت ہوگا اور جس قدر وہ عزت دینی سے بہرہ ور ہوگا۔ اسی قدر اس کا شل کمیاب ہوگا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ یعنے عزت صرف اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کے لئے ہے۔ حضرات مشائخ کرام لکھتے ہیں۔ کہ حقیقی عزت یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالےٰ کی عزت و عظمت کے سامنے بندوں کے نزدیک ہر ایک عزت و عظمت حقیر ہو جائے اور اس کے ذکر کے سوا تمام افکار دل سے مرتفع ہو جائیں۔ کیونکہ جب اللہ تعالےٰ کے جلال و جبروت کا بندہ کو علم ہو جاتا ہے۔ تو تمام مخلوقات نظر سے گر جاتی ہے ایک حدیث میں وارد ہوا ہے مَنْ تَوَاضَعَ لِغَنِيٍّ لِغِنَاهُ ذَهَبَ ثُلُثَا دِيْنِهٖ یعنے جو شخص کسی غنی آدمی کی غنا (مالداری) کی وجہ سے اس کی تعظیم کرتا ہے۔ اس کا دو تہائی دین زائل ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ ایمان تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ معرفت بالقلب۔ اقرار باللسان۔ عمل بالارکان موجب زبان اور ہاتھ پاؤں سے تعظیم کسی غنی کی کرے گا۔ تو دو تہائی ایمان زائل ہو جاوے گا اور اگر قلب سے بھی معتقد ہوگا۔ تو سب کا سب زائل ہو جاوے گا بعض علماء نے لکھا ہے کہ عزیز وہ ذات ہے۔ کہ جس کو کوئی طالب نہ پا سکے۔ اور نہ کوئی ہارب اس سے بھاگ کر اپنے تئیں بچا سکے۔

حکایت

کہتے ہیں۔ کہ ایک شخص نے خلیفہ ہارون رشید کو کسی نیکی کے کرنے کی ہدایت کی۔ خلیفہ سخت ناراض ہوا اور حکم دیا کہ اس کو سرکش اور گستاخ گھوڑے کی

دم سے باندھ کر مروا دیا جاوے۔ ملازمانِ شاہی نے فی الفور حکم کی تعمیل کی۔ مگر اس شخص کو کوئی ضرر نہ پہنچا۔ خلیفہ نے حکم دیا۔ کہ اس کو ایک مکان میں بند کر کے دروازہ کو چن دیا جائے۔ ملازموں نے ایسا ہی کیا۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد وہ شخص ایک باغ میں ٹہلتا ہوا نظر آیا۔ جب اسے خلیفہ کے پاس لائے تو اس نے سوال کیا۔ کہ تم کو باغ میں کس نے داخل کیا۔ درویش نے جواب دیا کہ جس نے مجھے اسے تنگ و تاریک گھر سے باہر نکالا۔ خلیفہ یہ سنکر حیران رہگیا۔ اور حکم دیا کہ اس شخص کو سوار کر کے شہر میں اعلان کر دو کہ ہارون نے اس شخص کو ذلیل کرنا چاہا۔ مگر اللہ تعالےٰ نے اس کو عزت بخشی اور ہارون ناکام رہا۔

اس موقع پر اس امر کو بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ کئی ایک الفاظ نصوص قرآنیہ میں ایسے واقع ہوئے ہیں۔ جو لفظاً مشترک طور پر اللہ تعالےٰ اور اس کے بندوں پر بولے گئے ہیں۔ مگر ان کے معانی میں وہی نسبت ہے جو اللہ تعالےٰ اور اس کے بندوں میں مثلاً قرآن مجید میں وارد ہوا ہے لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ اس آیت میں عزت کا لفظ اللہ تعالےٰ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل ایمان کی نسبت بولا گیا ہے۔ مگر تینوں کی حقیقت ایک نہیں اللہ تعالےٰ کی عزت بلحاظ اس کے خالق حقیقی ہونے کے ہے اور جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت بلحاظ آپ کے نبی اللہ ہونے کے ہے اور چونکہ حضور علیہ السلام افضل الانبیاء ہیں۔ اس لئے آپ کی عزت کا مقام بھی تمام انبیاء علیہم السلام سے بالاتر ہے اور اہل ایمان کی عزت بلحاظ ان کے کمال ایمانی کے ہے۔ اور اس لئے اہل ایمان کو وہ کمالات روحانیہ حاصل ہوتے ہیں۔ جو لوازم ایمان ہیں اور چونکہ انسان کامل مظہر صفات ذات باری ہوتا ہے اس لئے اس کی عزت بطور معلول ہونے کے تمام کمالات ذات باری کا نقشہ ہوتی ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے

Marfat.com

کہ ذات باری خالق ہے۔ انسان بھی بطور معلول خالق ہو سکتا ہے مثلاً مسیح علیہ السلام
کی نسبت فرمایا تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ۔ چونکہ انسان کامل بذاتہ خالق
نہیں ہو سکتا اس لئے بِاِذْنِیْ کا لفظ ارشاد فرمایا۔ تاکہ ایک مخلوق پر خالق حقیقی ہونے
کا گمان نہ پیدا ہو۔ اسی طرح ہر ایک فعل کی نسبت بندہ کی طرف ہو سکتی ہے مگر بطور
معلول کے نہ بطور علت کے خلاصہ یہ ہے۔ کہ انسان کامل خالق۔ محیی۔ ممیت۔
معز۔ مذل۔ جبار۔ غفار۔ رحمن و رحیم سب کچھ ہو سکتا ہے۔ مگر یہ صفات اس کو بذاتہ
حاصل نہیں بلکہ بطور انعام ذات باری کے جبکہ وہ مظہر کامل ہو جاتا ہے۔ لہذا بعض
کوتاہ اندیشوں کا یہ اعتراض کہ کسی نبی یا ولی کو یہ طاقت نہیں کہ وہ کسی کی امداد کر سکے
یا کسی قسم کا فیض روحانی پہنچا سکے بالکل ساقط الاعتبار ہے نبی یا ولی یا یوں کہو۔
کہ انسان کامل محض بطور سبب اسی طرح وسیلہ ہوا کرتے ہیں۔ جس طرح دنیا کے
دیگر امور میں اسباب متعارفہ کام دے سکتے ہیں نبی یا ولی بجائے خود کچھ نہیں کر سکتے
اور انہیں خدائی امور میں کچھ دخل نہیں۔ لیکن ان کا سبب بننا کسی وجہ سے منافی
توحید نہیں ہو سکتا اور نہ کسی قسم کی بدعت یا شرک کا موجب ہے تعجب ہے کہ ادویہ کو
بطور سبب ازالہ مرض میں وسیلہ مانا جاتا ہے۔ مگر ارواح طیبہ کو خواہ وہ اس دنیا
میں ہوں یا عالم برزخ میں اس وصف سے یاری خیال کیا جاتا ہے مسئلہ شفاعت
کی حقیقت میں غور کرو تو معلوم ہوگا کہ وہ بجز توسل کے اور کچھ حقیقت نہیں رکھتا
معہذا اکابر شائخ کرام کا بالاتفاق اس امر پر متفق اللفظ ہونا منکرین کے خیال کو
رد کر رہا ہے اور زیادہ حیرت تو اسی امر سے پیدا ہوتی ہے کہ کوئی نص آیت یا
حدیث اس مسئلہ کے برخلاف نہیں اور جن آیات کو عبادت غیر اللہ کے منع میں
پیش کیا جاتا ہے۔ وہ ہرگز اس مسئلہ کی اصلیت کو باطل نہیں کر سکتیں۔ کیونکہ
مسئلہ زیر بحث آیات مذکورہ بالا کے عموم مفہوم میں سرے سے داخل نہیں حضرت عمرؓ

بن خطاب کا طلب باراں کے لئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے متوسل ہونا کافی دلیل ہے۔ جواز استمداد و توسل پر رہا یہ امر کہ بعد از مرگ بھی ایسا جائز ہے یا نہیں۔ سو خصم کو اس کے منع پہ کوئی دلیل قائم کرنی چاہئے۔ ہم اس مسئلہ کو اور بھی زیادہ دلائل سے مضبوط کرتے مگر یہ مقام اس طوالت کا متقضی نہیں اور ہمیں یقین ہے کہ منکر جو باب روحانیت سے بالکل ناآشنا ہے ہر ایک حجت کو کسی نہ کسی تاویل باطل سے ٹال دیگا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ایسے امور کا انتقاد زیادہ تر مناسبت فطری پر موقوف ہے۔ جس سے خصم بے بہرہ ہے۔ با اینہمہ ہمارا یہ خیال بھی قابل وقعت ہے کہ عوام الناس اس استمداد و توسل کی حقیقت سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں۔ اس لئے انہیں رجوع الی اللہ کی بجائے نبی یا ولی پر اعتماد ہو جاتا ہے اور یہ واقعی ہولناک امر ہے۔ لہذا انہیں روکنا ضروری ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بندوں میں سے عزیز وہ شخص ہے جس کیطرف لوگ سعادت اخروی کے حاصل کرنے کے لئے رجوع کریں اور ایسے اشخاص قلیل الوجود ہوتے ہیں۔ اور یہ رتبہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان بزرگواران دین کا ہے۔ جو قدم بقدم انبیاء علیہم السلام کے چلے ہوں مثلاً خلفائے راشدین اور علمائے مجتہدین رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اَلْجَبَّارُ اس اسم کے متعلق چند وجوہ قابل ذکر ہیں۔ (۱) جبار ایسی بلند چیز کو کہتے ہیں جس تک رسائی ناممکن ہے عرب بولا کرتے ہیں۔ نَخْلَةٌ جَبَّارَةٌ (کھجور کا وہ درخت جو بہت اونچا ہو) نَاقَةٌ جَبَّارَةٌ اَوْ فَرَسٌ جَبَّارٌ (مضبوط اور قوی ناقہ یا گھوڑا) قال اللہ تعالیٰ اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ یعنی عظماء اس آیت میں جبارین سے وہ لوگ مراد ہیں جو قوم عاد کے بقایا تھے اور سخت سرکشی کیا کیا کرتے۔ رَجُلٌ جَبَّارٌ ایسے شخص کو بولتے ہیں جو بڑا متکبر اور غیر متواضع ہو۔ اور

Marfat.com

کسی کی اطاعت نہ کرے۔

ذات باری کے حق میں اس اسم کا مفہوم یہ ہوگا۔ کہ وہ ایک ایسی ذات ہے جو عقول و افکار کی رسائی سے بالاتر ہے عقلاء اور علماء اس کی کنہ ذات کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔

(ب) جبار کے معنے مُصلح امور کے ہیں عرب بولتے ہیں جَبَرْتُ الْکَسِیر یعنی میں نے ٹوٹی ہوئی ہڈی کو باندھا جَبَرْتُ الْفَقِیر یعنی میں نے فقیر کی حاجت کو پورا کیا۔ دعاء میں بولتے ہیں یَا جَابِرَ کُلِّ کَسِیرٍ مگر لفظ جابر ذات باری کے لئے باضافت مستعمل ہوتا ہے اور جبّار صیغہ مبالغہ ہے جس کے معنے ہیں بڑا اصلاح کنندہ عرب کا مشہور شاعر عجاج کہتا ہے ؎

قَدْ جَبَرَ الدِّیْنَ الْاِلٰہُ فَجَبَرْ[1]

یعنی اَصْلَحَہٗ فَصَلَحَ۔ اس لئے صحیح طور پر اصلاح کنندہ بجز ذات باری کے اور کوئی موجود نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہی امور کی اصلاح اور انتظام اور مشکل کو آسان کرتا ہے اس توجیہ کے رو سے جبّار منجملہ صفات افعال کے ہوگا۔

(ج) عرب بولتے ہیں جَبَرَہٗ عَلٰی کَذَا اِذَا اَکْرَھَہٗ یعنی جبر کے معنے کسی کو اپنے حسب ارادہ کسی امر پہ مجبور کرنے کے ہیں مثلاً جَبَرَ السُّلْطَانُ فُلَانًا عَلٰی کَذَا یعنی بادشاہ نے فلاں شخص کو اپنے ارادہ کے مطابق کسی امر پر مجبور کیا۔ اس لئے ذات باری کے متعلق اس اسم کی توجیہ یہ ہوگی کہ جبّار وہ ذات ہے جو اپنے ارادہ پر مخلوقات کو مجبور کرتی ہے خواہ مخلوق اس کو چاہے یا نہ چاہے اور یہی معنے ذات باری کے متعلق صحیح ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ سلسلۂ کائنات میں بجز اس کے ارادہ کے کوئی چیز موثر نہیں وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے نہ کچھ اور

[1] جَبَرَ لازم و متعدی آتا ہے ۱۲ منہ

Marfat.com

اس تعنے کے رد سے بھی جبّار منجملہ صفات افعال کے ہے۔

یہاں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ جبروت اور تکبّر تو مخلوق کے حق میں صفات مذمومہ میں سے سمجھے گئے ہیں۔ ذات باری کے حق میں کیسے محمود ہو سکتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالےٰ کی جبّاریت کے یہ معنے ہیں کہ وہ اپنے جبروت سے بڑے بڑے سرکشوں کو مقہور کرتا ہے اور اپنی عظمت سے ان کو مغلوب کر کے ذلیل بنا دیتا ہے وہ آمر ہے مامور نہیں وہ قاہر ہے مقہور نہیں اس کی وصف ہے لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ یعنی جو کچھ وہ کرتا ہے اس کی بابت پوچھا نہیں جا سکتا اور مخلوقات کو یہ منصب حاصل نہیں۔ کیونکہ مخلوقات صفات نقص سے موصوف ہے عاجز ہے اور مقہور۔ ایک ناچیز مکھی اور مچھر انہیں تنگ کر سکتے ہیں اور بھوک پیاس کی مصیبت انہیں مغلوب بنا دیتی ہے اس لئے جبروت وتکبّر مخلوق عاجز کی شایان شان نہیں۔ حضرات مشائخ لکھتے ہیں۔ کہ جبّار وہ ذات ہے جو وہم اور فہم سے بالاتر ہو۔ بعض یوں لکھتے ہیں۔ کہ جبّار وہ ذات ہے جو فہم سے بالاتر ہو۔ اور زمانہ اس کا خالق نہ ہو۔ بعض لکھتے ہیں کہ جبّار وہ ذات ہے جو اشیاء کی اصلاح بلا کسی چارہ جوئی کے کرے اور دوسروں کو طاعت کا حکم دے۔ اور وہ اس حکم میں کچھ احتیاج نہ رکھتا ہو۔ امام غزالی قدس اللہ روحہ لکھتے ہیں۔ کہ بندوں میں سے جبّار وہ شخص ہو سکتا ہے جو اتباع کے دائرہ سے نکل کر اس قابل ہو گیا ہو کہ دوسرے لوگ اس کا اتباع کرنے لگیں۔ اور اس کی علامت یہ ہے کہ حُبِّ مال وجاہ کی قید سے رہائی پا گیا ہو کیونکہ مال وجاہ کا محبّ درحقیقت اللہ تعالےٰ کا طالب نہیں ہو سکتا۔ مگر جو قوی النفس اور عظیم الہمت ہو کر محبت مال وجاہ سے نکل گیا ہو وہ ماسوی اللہ کیطرف کبھی توجہ تک نہیں کرتا دیکھو اللہ تعالےٰ حضور علیہ السلام کی شان میں ارشاد فرماتا ہے مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی۔

اَلْمُتَكَبِّرُ اس اسم کی تفسیر امام غزالی رحمۃ اللہ عنہ نے نہایت اعلیٰ طریق پر لکھی ہے وہ لکھتے ہیں۔ کہ متکبر وہ ہے جو اپنی ذات کی نسبت دوسروں کو حقیر جانتا ہو اس لئے وہ عظمت و کبریاء کو اپنا حق سمجھتا ہے اور دوسروں کو اس نظر سے دیکھتا ہے۔ جس سے ملوک و سلاطین اپنے حواشی اور خدام کو دیکھا کرتے ہیں۔ اگر ایسی نظر نفس الامر پر مبنی ہو تو وصف تکبر اسی کے لئے صحیح ہے اور وہ ذات اس وصف میں محبوب سمجھی جائے گی۔ مگر اس تفسیر کے رو سے کوئی ذات بجز ذات باری کے اس وصف کی مستحق نہیں اور اگر ایسی نظر نفس الامر یا حقیقت پر مبنی نہ ہو بلکہ محض باطل ہو تو اس ذات کے لئے وصف تکبر صحیح نہیں بلکہ مذموم ہے ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ وَالْعَظَمَةُ اِزَارِيْ مَنْ نَازَعَنِيْ وَاحِدًا مِّنْهُمَا قَذَفْتُهُ فِي النَّارِ یعنی تکبر میری چادر ہے اور بزرگی میرا ازار ہے جو شخص ان ہر دو میں سے کسی کی بابت میرا شریک بننا چاہیگا تو میں اُسے جہنم میں جھونک دوں گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تکبر ذات باری کے حق میں تو وصف مدح ہے اور غیر کے حق میں موجب نقص و عیب۔ مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تکبر مشتق ہے کبریاء سے جس سے مراد بادشاہت ہے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وتکون لکما الکبریاء فی الارض اس آیت میں کبریاء سے بادشاہت مراد ہے اس لئے اور کبریاء اور تکبر اسی ذات کا حق ہے جس کی سلطنت بے زوال ہے اور اس میں وہی باری ہوتا ہے جو چاہتا ہے سوا ایسی ذات وہی منقدس ذات باری ہے جو واحد قہار ہے۔ زجاج نحوی کہتے ہیں کہ ذات باری کی نسبت متکبر کہنے کے یہ معنی ہیں کہ وہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے سے برتر ہے کیونکہ یہ صفت تکبر عبد سے ماخوذ ہے۔

واضح ہو کہ یہ توجیہات محض تکلف بارد ہیں صحیح وہی معنے ہیں جو امام غزالی رحمۃ اللہ عنہ نے فرمادئے ہیں۔

Marfat.com

یہاں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ صیغہ متکبر صرفی وزن کے رو سے باب تفعل کا صیغہ ہر جس کی بناء کسی امر کو تکلف کے ساتھ کرنے پر مبنی ہے یعنی کسی ایسے امر کو کرنا جس کا کرنے والا مستحق نہیں ہوتا اس لئے ذات باری کی نسبت صیغہ متکبر کا استعمال صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر یہ وصف اس کے لئے ثابت ہے تو تکلف نہ ہوگا اور اگر ثابت نہیں تو اس کی نسبت اس کی طرف درست نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ باب تفعل غیر تکلف کے لئے بھی مستعمل ہے مثلاً تظلم کے معنے اظہار ظلم کے ہیں نہ بہ تکلف ظلم کرنے کے کبھی تظلم کے معنے زیادتی ظلم کے بھی آتے ہیں۔ بعض محققین نے اس کا یہ بھی جواب دیا ہے کہ متکبر کے معنے ہیں الذی یحاول اظہار الکبر و یبالغ فی ذالک الاظہار یعنی متکبر وہ ذات ہے جو اپنی بڑائی کا اظہار کامل طور پر کرے پھر اگر یہ وصف اوس میں ثابت ہوگی تو اس کے لئے موجب مدح ہے اور اگر اظہار میں کاذب ہو تو اس کے لئے باعث مذمت سمجھی جائیگی یہ جواب واقعی متین ہے بعض حضرات مشائخ نے لکھا ہے کہ متکبر وہ ذات ہے جو بڑائی اور بادشاہت میں یگانہ اور بندگی اور غلبہ میں منفرد ہو اور بعض فرماتے ہیں کہ متکبر وہ ذات ہے جس کے ہاتھ میں جہان ہو اور عنان کا مالک ہو بعض لکھتے ہیں۔ کہ متکبر وہ ذات ہے جس کی سلطنت میں زوال اور اس کی عظمت میں تغیر ناممکن ہو۔

انسان کامل کے حق میں متکبر ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ ماسوی اللہ سے بالکل اپنی التفات کو ہٹا لے اور ذات حق کو حق کی نیت پر اپنا معبود بنائے۔ نہ کسی نیوی یا اخروی غرض کے لئے یہ حظ ہے انسان کامل کا اس اسم سے

الخالق یہ اسم مصدر خلق سے مشتق ہے۔ جس کے معنے لغت میں ایجاد اور ابداع اور عدم سے وجود کی طرف لانے کے ہیں۔ اور نیز بمعنے تقدیر (اندازہ کردن) کے مستعمل ہے۔ وکیو اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ

اس آیت میں خلق بمعنے تقدیر ہے کیونکہ دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے یہ امر ثابت ہے کہ خالق (عدم سے وجود لانے والا) بجز ذات باری کے کوئی موجود نہیں ہوسکتا اگر ہم اس آیت میں خلق بمعنے تقدیر نہ لیں تو لغو و خالق لازم آئیگا اور پھر ایک دوسری آیت میں فرمایا ان مثل عیسیٰ کمثل آدم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون ظاہر ہے کہ اس آیت میں کن فیکون بمعنے ایجاد و ابداع ہے کیونکہ جملہ خلقہ من تراب مقدم واقع ہوا ہے اگر اس میں بھی خلق بمعنے ایجاد و ابداع ہو تو تکرار اور حشو لازم آئیگا لیکن اگر بمعنے تقدیر لیں تو معنے صاف ہو جاتے ہیں کیونکہ فعل تقدیر ایجاد و ابداع سے مقدم ہوا کرتا ہے اور اسی معنے کی تائید ہے آیۃ الا لہ الخلق والامر میں۔ کیونکہ اس میں بھی امر بمعنے کن فیکون ہے اور آیۃ اذ تخلق من الطین میں بھی خلق بمعنے تقدیر و تصویر ہے ورنہ بمعنے ایجاد و ابداع صحیح نہیں۔ اہل عرب اپنے محاورہ میں بولتے ہیں خلق الادیم جب کفش دوز جوتا بنانے وقت چمڑہ کو ایک خاص پیمانہ پر کاٹتا ہے قال الشاعر ؎

وَلَأَنْتَ تَفْرِي مَا خَلَقْتَ وَبَعْضُ الْقَوْمِ يَخْلُقُ ثُمَّ لَا يَفْرِي

اس تمام بحث کا حاصل یہ ہے کہ خلق بمعنے تقدیر مستعمل ہے اور تقدیر کے معنے ہیں کسی چیز کا ایک مقدار معین پر واقع کرنا۔

اسی طرح خلق بمعنے ایجاد و ابداع مستعمل ہے چنانچہ آیہ لھا یلہ اذا انزل خلق نعیکہ میں خلق بمعنے ایجاد ہی صحیح ہو سکتا ہے اور نعیقہ آواز

لہ شاعر مرثیہ گو کہتا ہے کہ تو جس چمڑہ کا پہلے اندازہ کر کے کاٹتا ہے پھر اسکو بناتا ہے یعنی اسکی تالیف کرتا ہے اور بعض لوگ اندازہ تو کر لیتے ہیں مگر کاٹنے نہیں جانتے

ھذا اخلق اللہ فارونی ما ذا خلق الذین من دونہ میں بھی
خلق بمعنے ایجاد مستعمل ہوا ہے کیونکہ بر سبیل انکار وارد کرنا اس امر پر
صریح دلیل ہے کہ بجز ذات باری کے کوئی موجود خالق نہیں ہو سکتا آیہ
ھو اللہ الخالق البارئ المصوّر میں غور کرو کہ کس حسن ترتیب کیساتھ
اسماء کو منتظم کیا ہے اسم جلالت کو مقدم ذکر کیا اور بعد ازاں خالق —
بارئ مصور کو بہ ترتیب ذکر کیا ہے کیونکہ خالق بمعنے مقدر کا مفہوم
علم کی طرف رجوع کرتا ہے اور بارئ کا عدم سے وجود میں لانے کی
طرف اور مصور کا عوارض از قسم لون۔ شکل وضع کی طرف۔ ان اسماء
اور ان کی ترتیب میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ذات باری ہی مادہ
اور عوارض کو عدم سے وجود میں لانے والی ہے اس لئے بعض حکماء
کا یہ مذہب کہ مادہ قدیم ہے اور ذات باری صرف متصرف ہے
بالکل مردود ہو گیا۔ ان سر سے اسماء کی حسن ترتیب کے سمجھنے کیلئے
کیفیت خلق انسان میں غور کرو کہ اللہ تعالےٰ نے جب انسان کو
صاحب عقل وفہم اور مخاطب مکلف پیدا کرنا چاہا تو ضروری تھا کہ
اپنے علم کامل سے اس کی ترکیب مخصوص اور اعضاء ضروریہ کو
کرتا اور جب یہ مرحلہ پورا ہوا تو اس کو وجود ظاہری میں لانے
کے لئے مادہ معینہ کی ضرورت داعی ہوئی جس سے اجسام وجود پذیر
ہوئے اور چونکہ ان اجسام کے لئے صورت اور ہیئت مخصوصہ کی
ضرورت تھی جس کو مزاج وقوی کی شکل میں ظاہر کیا اس لئے
صورت نوعیہ کو اس کے ساتھ مخصوص کر دیا پس وہ ذات اقدس
جس نے چونکہ اسی نے اپنے علم کامل سے اشیاء کو مقدار مخصوصہ

Marfat.com

مناسبہ میں مقدر کیا اور وہ باری ہے کیونکہ اجسام کو عدم سے وجود میں لایا اور وہ مصوّر ہے کیونکہ اس نے مزاج اور قویٰ کی ترکیب کو اجسام سے تعلق دیا اسی کیفیت خلق کے ساتھ عالم کائنات کی ایک ایک چیز پر نگاہ کرو تاکہ تم اس ذات اقدس کے لامتناہی اسرار و حکم کا مشاہدہ کرکے اس کے وحدہ لاشریک اور کامل الصفات ہونیکا یقین حاصل کرسکو۔

الباری عام طور پر اس اسم کے معنے خالق کے کیا کرتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں گذشتہ سطور میں واضح ہوچکا ہے کہ خلق بمعنے ایجاد و ابداع کے مستعمل ہے اگر اس اسم کا مفہوم بھی وہی خالق کا مفہوم ہو تو کلام الٰہی میں حشو لازم آئیگا کما مرّ اور خود ہر دو اسم کی بناوٹ کا علیحدہ علیحدہ ہونا ہر دو کے مفہوم میں کسی امتیاز کو چاہتا ہے۔ علمائے عربیت اس اشکال کے رفع کرنے میں مختلف اقوال پیش کئے ہیں چنانچہ ان میں سے تین مشہور قول حسب ذیل ہیں۔

(ا) باری بمعنے موجد و مبدع یقال بَرَأَ اللّٰہُ الْخَلْقَ (اللہ تعالےٰ نے خلقت کو پیدا کیا) چنانچہ بریّۃ خلقت یا موجودات کو بولتے ہیں فعیلۃٌ بمعنے مفعولۃٌ ہے اور اس کی اصل مہموز اللام ہے مگر استعمال میں ہمزہ کو حذف کردیا کرتے ہیں ابو عبیدہ ہروی کہتے ہیں کہ اہل پانچ الفاظ میں ہمزہ کو حذف کرکے استعمال میں لاتے ہیں اور وہ یہ ہیں بریّۃٌ۔ ذریۃٌ۔ خابیۃٌ۔ نبوۃٌ۔ وتریۃٌ اس تحقیق کے مطابق خالق اور باری میں کچھ فرق نہیں۔

(ب) باری مشتق ہے بَرْیٌ یا بَرًی سے اہل

یعنی بَرَوْتُ السَّهْمَ وبَرَیْتُ السَّهْمَ یعنی میں نے تیر کو تراشا یا قطع کیا یا درست کیا اس صورت میں باری کے معنے ہونگے ایسی ذات جس نے بعض اشیاء کو بعض سے جدا کیا۔ بعض اہل عربیت نے اس کو بَرَأَ من المرض سے مشتق کیا ہے اور نیز اہل عرب بولتے ہیں بَرَءَ المریضُ من امراتہ جب کہ وہ اپنی عورت سے قطع تعلق کرلے اس صورت میں بھی مذکورہ بالا توجیہ صحیح ہو سکتی ہے۔

(۲) باری مشتق ہے بَرِیَ بروزن رَحِیَ سے جس کے معنے خاک کے ہیں ابن دُرَید کا یہی مذہب ہے اہل عرب بولتے ہیں لِفْیَۃُ التُّرَابِ یعنی خاکش بدہن۔ اس تعبیر کے مطابق خالق کے معنے ہونگے وہ ذات جس نے انسان کو عدم سے وجود بخشا اور باری وہ ذات جس نے اس کو خاک سے مرکب کیا کما قال اللہ تعالیٰ منہا خلقناکم وفیہا نعیدکم۔ اہل لغت لکھتے ہیں کہ لفظ باری کا استعمال دیگر اشیاء کی نسبت حیوان کے پیدا کرنے کے ساتھ زیادہ خصوصیت رکھتا ہے چنانچہ بَرَأَ اللہُ الانسان تو صحیح ہے مگر بَرَأَ اللہُ السماءَ والارضَ صحیح نہیں یہی وجہ ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ قسم کے موقعہ پر اکثر یوں فرمایا کرتے والذی خلق الحبۃَ وبرأ النسمۃَ یعنی اس ذات کی قسم ہے جس نے دانہ کو پھاڑا اور جان کو پیدا کیا۔ اس سے ابن دُرَید کے مذہب کی تائید ہوتی ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں فہو باعتبار تقدیر ھذہ الامور وباعتبار الایجاد علی وفق التقدیر خالق وباعتبار مجرد الایجاد من العدم الی الوجود بارئ والایجاد المجرد شیئ و

Marfat.com

الایجاد علی وفق التقدیر شیئ آخر یعنی خالق کا مفہوم ایک ایسی ذات ہے جو کسی شئے کو تقدیر معین کے مطابق وجود میں لائے اور باری صرف عدم سے وجود میں لانے والی ذات کو بولتے ہیں۔

المصوّر اسم مصور کے متعلق صرف یہی کافی ہے کہ یہ لفظ صورت سے مشتق ہے جس کی توجیہ میں دو قول ہیں اول یہ کہ صار یصور سے مشتق ہے جس کے معنے امالہ (جھکانے) کے ہیں دوم یہ کہ صار یصیر سے مشتق ہے۔ کچھ ہوا وہ اور صورت دو مفہوم علیحدہ علیحدہ ہیں کیونکہ مادہ سے جسم کا وہ جزء مراد ہے جس سے وہ جسم ممکن الحصول ہوتا ہے اور صورت سے وہ جزء جس سے وہ جسم بالفعل موجود ہو جاتا ہے یعنی صورت کسی شئے کے جزء اخیر کا نام ہے جس سے وہ وجود پذیر ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ہر سہ اسماء کی ترتیب میں اس کو اخیر رکھا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے مختلف قسم کے اجسام کو مختلف صورتیں دی ہیں یہ تمام صورتیں صور نوعیہ کہلاتی ہیں۔ انسان کی صورت نوعی تمام اشیاء کی صور نوعیہ سے اشرف و اقوم ہے قال اللہ تعالےٰ وصوّرکم فاحسن صوّرکم حضرات مشائخ نے لکھا ہے کہ خالق وہ ذات ہے جس نے اشیاء عالم کو بلا مثیر پیدا کیا اور بعض نے لکھا ہے۔ کہ خالق وہ ذات ہے جس نے موجودات کو اپنی قدرت کاملہ سے وجود بخشا اور اپنے ارادہ سے ہر ایک چیز کا اندازہ مقرر کیا بعض لکھتے ہیں کہ خالق وہ ذات ہے جس نے مخلوقات کو بلا سبب و علت پیدا کیا۔ اور ان کو بغیر جلب منفعت اور دفع مضرت کے وجود عطا فرمایا۔ اسم باری کے متعلق حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو یہ یقین ہو کہ وہی

Marfat.com

ذات اقدس باری ہے تو اس کے قلب پر حوادث کا اثر نہیں ہوتا بعض لکھتے ہیں کہ اس یقین کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ عارف اپنی قوت وسطوت سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور اپنی عبودیت اور طاعت کو نظر سے ساقط کر دیتا ہے اور اظہار احسان نہیں کرتا۔ اسی طرح اسم مصور کی نسبت یوں فرماتے ہیں کہ مصور وہ ذات ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں یوں آیا ہے الذی خلقک فسوٰیک فی ای صورۃ ما شاء رکبک۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جس طرح اللہ تعالےٰ نے مظاہر کو صورت حسنہ سے مزین فرمایا ہے اسی طرح بواطن کو سیرت حسنہ سے زینت بخشی ہے قال اللہ تعالےٰ انک لعلی خلق عظیم۔

انسان کامل کو ان اسماء سے یہ بہرہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ معرفت حقائق سے قوت نظری کی تکمیل کرتا ہے اور محاسن اخلاق سے قوت عملی کو مکمل بناتا ہے جب انسان ان ہر دو قوت کی تکمیل کر لیتا ہے تب وہ اپنی تلقین سے لوگوں کے عقول میں حق کی تصویر قائم کر دیتا ہے اور یہی اسم مصور کا مقتضیٰ ہے۔

الغفّار

مغفرت مصدر سے ذات باری کے متعلق قرآن مجید میں تین اسم مستعمل ہوئے ہیں غافر۔ غفور۔ غفار بعض محققین نے لکھا ہے کہ بندہ کے لئے بھی معصیت کے قوت وضعف کے لحاظ سے تین مدارج ہیں ظالم اس صورت میں ذات باری اسکے لئے غافر ہے ظلوم اس جہت سے ذات باری اس کے لئے غفور ہے ظلام اس صورت میں اس کی مغفرت کے لئے ذات باری غفار ہے اور چونکہ بندہ کے صفات متناہی ہیں اور ذات

باری کے صفات غیر متناہی اس لئے ضروری ہے کہ غیر متناہی متناہی پر غالب آئے اس بناء پر رحمت کو عذاب پر راجح ظاہر کیا گیا ہے۔

واضح ہو کہ مغفرت کے متعلق بہت سے آیات قرآن مجید میں وارد ہوئے ہیں بعض تو بلفظ ماضی ہیں اور بعض بصیغہ مستقبل اور بعض بصیغہ امر اور بعض بصیغہ مصدر اور ان سب کا مآل ایک ہی ہے۔

یہ لفظ لغت میں بمعنے ستر (پوشیدن) کے مستعمل ہے اسی سے مغفر (خود آہنی) مشتق ہے اسی خیال پر جمہور کا مذہب ہے کہ مغفرت الٰہی سے مراد ہے اللہ تعالےٰ کا اپنے بندوں کے معاصی کو مستور کر کے انہیں ان معاصی پر مطلع نہ کرنا۔

امام رازی لکھتے ہیں کہ مغفرت کی یہ تفسیر صحیح نہیں کیونکہ آدم اور موسےٰ اور داؤد انبیاء علیہم السلام کی لغزشوں کا قرآن مجید میں ذکر آیا ہے اور ان پر مغفرت کے نازل ہونے کا بھی بیان فرمایا ہے پھر معصیت کا مستور رکھنا کیسے ہوا؟ اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ مغفرت سے عفو و صفح بر سبیل مجاز مراد ہے۔ خاکسار کا خیال ہے کہ جمہور کی رائے کی توجیہ یوں ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالےٰ قیامت کے دن اپنے بندوں کے گناہوں کو مستور فرماوے گا دنیا میں اگر بغرض عبرت اس کا ذکر کر دیا گیا ہے تو یہ امر بجائے خود ایک مصلحت عامہ پر مبنی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ اپنے بندہ کی معصیت کو دنیا میں کبھی تو مستور کر دیتا ہے جیسے

Marfat.com

دعا مشہورہ میں وارد ہوا ہے یا من اظہر الجمیل و ستر القبیح اور کبھی بغرض مصلحت ظاہر فرما دیتا ہے مگر عام حالات قبیحہ میں جو انسان کے قلب اور بدن سے تعلق رکھتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ہمیشہ ستر و اخفا فرماتا ہے مثلاً دل کے وساوس اور برے خیالات جن پر بجز عالم الغیب کے کوئی مطلع نہیں ہو سکتا اور بدن کے وہ حصص جن کا ظاہر ہونا موجب قباحت ہے ہمیشہ مستور رہتے ہیں۔ مغفرت آخرت کے متعلق تو صرف ستر و اخفا ہی ہوگا بلکہ خود مغفور لہ سے بھی اس کے معاصی کو مستور رکھا جائیگا تاکہ وہ نادم نہ ہو۔

آیۂ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا میں ہر سہ الفاظ۔ عفو مغفرت اور رحمت کی ترتیب میں غور کرو کہ کس خوبی کے ساتھ جمع کئے گئے ہیں عفو سے مراد ہے گناہوں کا محو کر دینا اور مغفرت سے اشارہ ہے اغیار اور خود اہل معصیت سے گناہوں کے مخفی رکھنے کی طرف کیونکہ جس طرح اطلاع غیر گنہگار کے لئے موجب ندامت ہے اسی طرح گناہ کی یاد بھی اسکے حق میں باعث خجالت ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ لطف و احسان یعنی نعمائے جنت کی بھی استدعا کا حکم دیا ہے اور یہ مسلم ہے کہ اللہ تعالےٰ کسی ایسی استدعا کا حکم بندہ کو نہیں دیتا جس کے پورا کرنے پر وہ راضی نہ ہو۔ آیات مغفرت میں بعض لطائف کا ذکر اکابر کے کلام میں آچکا ہے ہم انہیں ذیل میں بطور اختصار قلمبند کرتے ہیں چنانچہ آیۂ غافر الذنب و قابل التوب شدید العقاب ذی الطول کی تشریح میں مختلف اقوال وارد ہوئے ہیں بعض نے لکھا ہے کہ وہ غافر الذنب ہے بطور اکرام کے اور قابل التوب ہے بطور انعام کے شدید العقاب ہے بطور عدل کے ذی الطول ہے بطور احسان کے اور بعض

لکھتے ہیں کہ ان الفاظ کی تفسیر یوں ہے غَافِرِ ذَنْبِ الْمُذْنِبِیْنَ یعنی گناہگاروں کے گناہ بخشنے والا۔ قَابِلِ التَّوْبِ ای تَوْبَۃِ التَّائِبِیْنَ یعنے رجوع کرنے والوں کی توبہ کو قبول فرمانے والا شَدِیْدِ الْعِقَابِ لِلْکَافِرِیْنَ یعنی کفار کو سخت عذاب کرنے والا۔ ذِی الطَّوْلِ علی المومنین یعنی اہل ایمان کے حق میں احسان و انعام کرنے والا اور بعض نے ان الفاظ کی یوں تفسیر کی ہے کہ وہ غافر الذنب ہے ظالمین کے لئے اور قابل التوب ہے مقتصدین (معتدلین) کے لئے اور شدید العقاب ہے کافرین کے لئے اور ذی الطول ہے سابقین کے لئے۔ ابوبکر واسطے فرماتے ہیں کہ وہ غافر الذنب ہے اس شخص کے لئے جو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہے اور قابل التوب ہے اس شخص کے لئے جو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی معرفت پر ثابت قدم رہے اور شدید العقاب ہے اس شخص کے حق میں جو حقیقت لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا منکر ہو اور ذی الطول ہے اس سعادت مند کے حق میں جو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے معارف و اسرار کا مشاہدہ کرے۔

اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے چار صفات کا ذکر فرمایا ہے جن میں سے تین یعنی مغفرت، قبول توبہ۔ ذوالطول تو اہل ایمان کے لئے ہیں سو را ایک یعنی شدید العقاب کفار کے لئے اور اس میں اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے چنانچہ فرمایا سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ غَضَبِیْ اور نیز اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اہل ایمان کے تین مدارج ہیں۔ ظالم لنفسہ۔ مقتصد۔ سابق بالخیرات اور ان ہر سہ اہل ایمان کے لئے علیحدہ علیحدہ صفات مذکورہ بالا ثابت ہیں۔ مگر کفر کے مختلف اقسام ایک ہی حقیقت انکار پر مشتمل ہوتے ہیں۔ پس ہر ایک قسم کے کافر کے لئے ایک ہی صفت شدید العقاب کافی ہے اور وجہ ہے کہ اہل جنت کے لئے تین قسم کے پینے کی چیزوں کا ذکر کیا حیث قال اللّٰہ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِہَا عِبَادُ اللّٰہِ (۲) یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ خِتٰمُہٗ مِسْکٌ۔ وَسَقٰھُمْ رَبُّھُمْ شَرَابًا طَھُوْرًا اور کفار کے حق میں فرمایا وَسُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا

Marfat.com

اس نکتہ کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ ہر چہار صفات کے بیان میں صفت شدید العقاب کو صفت مغفرت قبول توبہ کے بعد ذکر فرمایا ہے اشارہ یہ ہے کہ توبہ ہر ایک فرد بشر کے لئے ضروری ہے کیونکہ مشرک کو شرک سے اور کافر کو کفر سے اور دوسرے فاسق کو فسق سے توبہ کی ضرورت ہے اور سوائے جو جرم غفلت یا صغائر کے مرتکب ہوتے ہیں انہیں غفلت اور صغائر سے توبہ کرنا ضروری ہے اور بصورت توبہ نہ کرنے کے بندہ اللہ تعالےٰ کے عذاب کا مستوجب ہوتا ہے اسی طرح صفت غافر الذنب کو قابل التوب پر مقدم کیا اشارہ یہ ہے کہ مغفرت الٰہی بندہ کے حق میں توبہ سے پہلے ہی مقدر ہو چکی ہے اور ان ہر دو صفت کو واؤ عاطفہ سے بیان فرمایا فقال غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ اشارہ یہ ہے کہ مغفرت توبہ کے ساتھ مشروط نہیں کیونکہ واؤ عاطفہ معطوف اور معطوف الیہ کی مغایرت کا پتہ دیتی ہے کشاف اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک شخص کو شراب پینے کی عادت تھی آپ نے یہی آیت لکھ کر اپنے قاصد کے ہاتھ اس کی طرف ارسال کی اور لوگوں سے کہا کہ اس کے حق میں دعاء کرو کہ اللہ تعالےٰ اس کو توبہ نصیب کرے اور قاصد کو ہدایت کی کہ جب وہ شخص ہوش کی حالت میں ہو تو اسے یہ رقعہ دینا چنانچہ قاصد اس کے پاس پہنچا اور اس نے رقعہ حوالہ کیا وہ شخص پڑھتا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اس فرمان واجب الاذعان کا اس کے دل پر ایسا اثر پڑا کہ اسی وقت بیخواری سے توبہ کر لی۔

اس آیت کے ذیل میں مناسب نظر آتا ہے کہ آیہ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا کی تفسیر بھی لکھی جائے بروایت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ مروی ہے کہ جب وحشی نے حمزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ عم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو غزوہ احد میں قتل کر ڈالا تو بھاگ کر طائف میں چلا گیا وہاں پہنچکر اپنے کئے پر سخت پشیمان ہوا اور جناب نبوی میں یہ مضمون ایک عریضہ ارسال کیا کہ آیا میرے لئے توبہ کی گنجائش باقی ہے اس پر یہ آیت نازل

Marfat.com

ہوئی اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ
یعنی اللہ تعالیٰ شرک نہیں بخشیگا اور اس کے سوا باقی جس قدر گناہ ہیں جسے چاہے
بخش دیگا۔ وحشی نے دوبارہ عرض کی کہ شاید میرے لئے مشیت الٰہی مغفرت کی مقتضی
ہو اور لِمَنْ یَّشَآءُ کا مصداق نہ ہوں؟ تب یہ آیت نازل ہوئی وَالَّذِیْنَ لَا
یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا..... اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا یعنی جو
شخص توبہ کرلے اور ایمان لے آئے اور اعمال صالح بجالائے عذاب دوزخ سے محفوظ رہیگا
اس پر وحشی نے پھر عرض کی کہ ممکن ہے کہ میرے پاس اعمال صالح بھی نہ ہوں اس پر
یہ آیت نازل ہوئی قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ.....
اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اس آیت میں چند امور قابل غور ہیں اول لفظ
اَسْرَفُوْا کے مفہوم میں ہر ایک قسم کا صغیرہ و کبیرہ گناہ داخل ہے جس سے معلوم ہوتا ہے
کہ مغفرت کسی خاص گناہ مثلاً زنا۔ شراب خواری۔ کذب۔ غیبت وغیرہ سے مخصوص نہیں
کیا سبب مختلف قسم کے گناہ چونکہ خارج از شمار ہیں اس لئے کلام میں بے سود طوالت پیدا
ہوجاتی۔ نیز اس سے اشتباہ کی پردہ دری لازم آتی لہٰذا اس ذات ارحم الراحمین نے
ایسا جامع لفظ رکھ دیا جس سے بہتر کوئی لفظ اس مقام میں موزوں نہیں تھا سو جب
وہ خدا اس دنیا میں اپنے بندوں کی پردہ دری جائز نہیں رکھتی۔ تو قیامت کے دن کیسے جائز
رکھے گی۔

دوم اس کا یہ ہے کہ غلام کو تاوان سے دوچار کرنا ایسا کرتا ہے جو مولیٰ یا تو غلام کو بیچ کر
تاوان وصول کرلے یا خود مخصل ہو جہاں اپنے ڈالنے کی تو کوئی صورت نہیں لہٰذا مولیٰ ہی
اپنے ذمہ لے گا یعنی اپنے بندہ کو محض اپنے فضل و کرم سے بخش دیگا۔

سوم لفظ یٰعِبَادِیَ میں عباد کو اپنی ذات کی طرف اضافت کیا ہے جس سے اس
امر کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ وہ ذات ارحم الراحمین باوجود بندوں کے مجرم ہونے کے انہیں

Marfat.com

اپنی طرف نسبت کرنے سے عار نہیں کرتی تو بندے گناہ سے باز نہ آئیں مگر پھر بھی وہ اس کے عاجز بندے ہیں۔

چہارم لفظ عَلٰی اَنْفُسِہِمْ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ بندوں کا اسراف یعنی ارتکاب جرم درحقیقت انہیں کے حق میں مضر ہے نہ ذات باری کے حق میں سو ان کے لئے یہی ضرر کافی ہے اس لئے دوسری مصیبت یعنی عذاب ان پر عائد نہیں کیا گیا

پنجم صیغۂ لَا تَقْنَطُوْا سے صریح طور پر نہی فرمائی اور نہ صرف نہی فرمائی بلکہ اس نہی کی مخالفت کرنے والے کے حق میں وعید بھی کی حیث قال اِنَّہٗ لَا یَایْئَسُ مِنْ رَوْحِ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکٰفِرُوْنَ یعنی اللہ تعالےٰ کی رحمت سے صرف کفار ہی ناامید ہو سکتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ امید رحمت کو منقطع کر دینا بھی منجملہ علامات کفر کے شمار کیا گیا ہے۔

ششم اس آیت میں لفظ جَمِیْعًا سے بجز شرک کے ہر ایک قسم کے گناہ کی مغفرت کا وعدہ ہے اور یہی صحیح مذہب بھی ہے بعض مفسرین نے اس مغفرت کو توبہ سے مشروط قرار دیا ہے مگر حق یہ ہے کہ مغفرت مومن کے لئے ہرگز مشروط بہ توبہ نہیں چنانچہ احادیث صحیحہ میں اس کی پوری پوری تائید موجود ہے۔

ہفتم آیت کے اخیر پر فرمایا اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ یہ جملہ گذشتہ مضمون کے لئے بمنزلۂ دلیل کے ہے جس کی صورت یوں ہے کہ مغفرت و رحمت کچھ تمہارے لئے مشروع نہیں ہوئی بلکہ یہ تو اس ذات مقدس کا قانون ہے اور جملہ اسمیہ اور حرف تحقیق اور ضمیر مرفوع منفصل کا لانا اس مضمون کو اور بھی مؤکد کرتا ہے

اس آیت کے ذیل میں آیۂ نبی عبادی انی انا الغفور الرحیم بھی قابل غور ہے۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ چند صحابہ آپس میں بیٹھے ہنس رہے تھے حضور علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ آیا تم لوگ ہنس رہے ہو بحالیکہ تمہارے سامنے آتش دوزخ کا

Marfat.com

ایک مرحلہ آسان ہوا ہے۔ لوگ اس بات کو سنکر سخت حیرتوں میں ملتوں ہو گئے تصور تھی کہ
تذکرہ تھی کہ حضور علیہ السلام پھر تشریف لائے اور فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے ہیں اور
بارگاہ رب العزت سے مذکورہ بالا آیات لائے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ میرے بندوں کو
آگاہ کر دو کہ بیشک میں بڑا بخشنے والا مہربان ہوں۔ اس آیت میں چند نکات قابل
بیان ہیں۔

(۱) حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ قرآن مجید کے حروف کی تعداد تین
لاکھ چھیالیس ہزار سات سو (۳۲۵۰۷) ہے اگر امت محمدیہ کے لئے قرآن مجید میں سوا حرف یاء کے
جو یاء ندا کا مضاف الیہ ہے اور کوئی بشارت نہ ہوتی تو ان کے لئے کافی تھی کیونکہ جس
طرح لفظ عبادی کے حرف دال اور حرف یاء میں کچھ فاصلہ نہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ
کی رحمت اور اس کے گنہگار بندوں کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔

(۲) لفظ نبیؐ سے جناب نبوی کو خطاب کیا گیا ہے اور یاء متکلم سے خود ذات باری
عزاسمہ مراد ہے اور ہر دو کے درمیان لفظ عباد واقع ہوا ہے جس سے عاصیانِ
امت محمدیہ مراد ہیں اشارہ یہ ہے کہ گنہگارانِ امت کے آگے آگے تیری شفاعت ہے
اور ہماری رحمت ان کے پیچھے پیچھے اور وہ ہر دو کے درمیان ہیں سو کیسے ہو سکتا ہے کہ
انہیں کسی قسم کا صدمہ یا ضرر پہنچے۔

(۳) بندگانِ گنہگار کا اپنے سونے کی طرف منسوب ہونا ان کے لئے موجب فخر و
مباہات ہے اور یہی نسبت ان کے لئے کافی ہے کہ وہ اس کے بندے ہیں حضرت عامول
کی نسبت مروی ہے کہ ایک دفعہ اس کا پوتا اور دوہتا اس کے پاس موجود تھے حضرت نے
ان سے پوچھا کہ تم اپنا اپنا نسب بیان کرو پوتے نے اپنا نسب بیان کیا اور دوہتے نے
اپنا حضرت کے کاندھے جواہرات سے پر کیا اور دوہتے کے منہ میں شکر بھر دی اور فرمایا
کہ پوتا ہماری طرف منسوب ہے اور دوہتا اغیار کی طرف۔ سو جب سلاطین دنیا کی طرف

Marfat.com

منسوب ہونا موجب امتیاز ہے تو اس سلطان السلاطین کی طرف منسوب ہونا بھلا کیوں موجب عزت و افتخار نہ ہوگا۔ اور یہی نسبت استحقاق رحمت کے لئے علت ہے

(۴) اس آیت میں یہ نکتہ نہایت قابل غور ہے کہ جملہ اِنِّیْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْم میں تکریر ضمیر متکلم سے جملہ کو کس طرح مؤکد بنا دیا ہے؟ اس کی مثال خود قرآن مجید میں موجود ہے جہاں اِنِّیْ اَنَا رَبُّکَ میں اس تکریر ضمیر نے موسیٰ علیہ السلام کے خوف اور وحشت کو دور کیا اور اِنِّیْ اَنَا اَخُوْکَ میں یوسف علیہ السلام کے بھائی کی وحشت کو انس کے ساتھ بدل دیا جس کی تقریر یوں ہے کہ جب یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو دسترخوان پر بٹھایا تو سب بھائی دو دو ہو کر بیٹھ گئے اور بنیامین (جو یوسف علیہ السلام کے حقیقی بھائی تھے) اکیلے رہ گئے اور انہیں یوسف کی یاد سے دل پر سخت چوٹ لگی اور رونا شروع کیا یوسف علیہ السلام نے پوچھا کہ تم کیوں روتے ہو۔ بنیامین نے کہا کہ میرا بھی ماں جایا حقیقی بھائی تھا۔ اگر آج ہوتا تو وہ بھی میرے ساتھ بیٹھتا۔ یوسف علیہ السلام نے اس کی اس حالت زار کو دیکھ کر کہا اِنِّیْ اَنَا اَخُوْکَ یعنی تم غم مت کرو میں تمہارا بھائی ہوں اس جملہ سے بنیامین کے دل کو تسلی اور اطمینان حاصل ہوا اور اس کی وحشت انس سے بدل گئی یہی صورت اس آیت میں متحقق ہے یہ بندہ گنہگار اپنے گناہوں کو دیکھ کر حسرت و یاس میں مبتلا ہوتا ہے تو اس رحم الراحمین کا وعدہ اِنِّیْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْم اس کی وحشت کو انس سے بدل دیتا ہے اور اس کو پورا پورا اطمینان حاصل ہو جاتا ہے

اس امر کو بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اسماء غافر، غفور، غفار میں لحاظ معنے کے بہت تفاوت ہے یعنی غفور بہ نسبت غافر کے اور غفار بہ نسبت غفور کی بدرجہ کمال مغفرت کے مفہوم پر مشتمل ہے بعض حضرات مشائخ نے لکھا ہے کہ وہ ذات مقدس غافر ہے۔ کیونکہ نامہ اعمال سے معصیت کو دور کر دیتا ہے اور وہ غفور ہے کیونکہ ملائکہ جو کاتبان

اعمال سے بندہ کے گناہ فراموش کرا دیتا ہے اور وہ غفّار ہے کیونکہ بندہ کو بھی اس کے مناسبی سے مغفرت فراموش کرنے کے لیے استاد بناتا ہے کہ اس کو اپنے گناہوں کا علم ہی نہ رہے تاکہ باوجود مغفرت کے اگر گناہ کی یاد باقی رہتے تو کہیں نہ کہیں ندامت پیدا ہو کر مسرت کو مکدر بنا دیتی ہے العفو بمعنے ترک المؤاخذہ ہے اور الستار جس نے فرمایا ہے کہ جس کا ایمان علم الیقین کے درجہ پر ہو اس کے حق میں ستار ہے اور جس کا ایمان عین الیقین کے رتبہ پر ہو اس کے حق میں غفور ہے اور جس کا ایمان حق الیقین کے مقام پر ہو اس کے لئے غفّار ہے۔

انسان کامل کا بہرہ اس اسم سے یہ ہے کہ وہ دوسروں کے عیوب اور مقابح پر اسی طرح پردہ پوشی کرتا ہے قال علیہ الصلوٰۃ والسّلام مَنْ سَتَرَ عَلٰی مؤمنٍ عورۃ سَتَرَ اللّٰہ علیہ عَوْرَتہ یوم القیامۃ یعنی جو شخص کسی مومن کے عیب پر پردہ ڈالتا ہے اللہ تعالےٰ قیامت کے دن اس کے عیب پر پردہ ڈال دیگا وجہ اس کی یہ ہے کہ کوئی شخص کمال و نقصان اور صواب و خطاء سے خالی نہیں سو جو شخص کسی کی برائیوں سے اغماض کر کے اس کی خوبیوں کا ذکر کرے وہ اس اسم سے کامل بہرہ رکھتا ہے چنانچہ مسیح علیہ السلام کی منقبت مروی ہے کہ اپنے حواریوں کے ساتھ ایک مرے ہوئے کتے کی لاش پر گذرے ساتھیوں نے کہا کہ کیسی ناگوار بو آرہی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس کتے کے دانتوں کی سفیدی کیسی بھلی معلوم ہوتی ہے؟ گویا آپ نے ان لوگوں کو نہایت عمدہ طریق سے تعلیم فرمائی کہ کسی کے عیب کو نظر انداز کر کے اس کی خوبی کو دیکھنا چاہئے۔

القہّار قال اللہ تعالےٰ وَھُوَ الْقَاھِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ اور نیز فرمایا لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّارِ یہ اسم مصدر قہر سے مشتق ہے جس کے

Marfat.com

غلبہ کے ہیں اور کسی چیز کو اس کے آخر تک طبع سے بتمام پہنچا دینے کے ہیں اور قہار صیغہ مبالغہ کا صیغہ ہے جس سے کثرت قہر کا مفہوم ظاہر ہوتا ہے علماء نے اس کی توجیہ میں مختلف اقوال بیان کئے ہیں بعض لکھتے ہیں کہ قہر ایک خاص وصف پر قدرت رکھنے کا نام ہے جس طرح رحمت ایک وصف مخصوص کے ارادہ کو کہتے ہیں قاہر اس شخص کو بولتے ہیں۔ جو کسی دوسری چیز کو کسی امر سے روک کر اس کے برخلاف پہلو پر چلا سکے اس توجیہ کے رو سے یہ اسم منجملہ صفات ذات کے سمجھا جائیگا اور بعض لکھتے ہیں کہ قہار اس ذات کو بولتے ہیں۔ جو غیر کو اس کے ارادہ کے مطابق جاری ہونے سے روک سکے اس صورت میں یہ اسم منجملہ صفات فعل کے ہوگا۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ قہر ذات باری کی مختلف صورتیں ہیں

اوّل یہ کہ تمام موجودات ممکن حادث ہے اگر اللہ تعالےٰ کے دائرہ قہر سے باہر ہو جائے تو کوئی چیز دائرہ وجود میں قائم نہ رہ سکے جس کا مطلب یہ ہے کہ عدم اور وجود ہر دو تابع قہر الٰہی ہیں جس سے ممکنات کے عدم کو وجود سے بدل دیا ہے اور اس کی حکمت کاملہ کے مطابق بوجہ اس کے قاہر ہونے کے عدم ان پر طاری نہیں ہوتا کیونکہ اس کے قہر نے اس کو روک رکھا ہے۔

دوم یہ کہ بموجب تحقیق اہل ہیئت ثابت ہو چکا ہے کہ شمس و قمر اور اکثر ستارے کرۂ ارض سے کئی گنا بڑی جسامت رکھتے ہیں اور افلاک کی جسامت کا تو اندازہ کون کر سکتا ہے مگر اللہ تعالےٰ کی قدرت کاملہ اور صفت قہر نے ان سب کو بلا کسی سہارے کے اپنی اپنی جگہ قائم رکھا ہوا ہے اور وہ ہرگز اپنے مرکزوں سے ادھر ادھر نہیں ہوتے۔ قال اللہ تعالےٰ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا یعنی اللہ تبارک و تعالےٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو بلا کسی سہارے کے ان کی جگہ پر قائم رکھا ہے کیا مجال کہ وہ اپنے مرکزوں سے اِدھر اُدھر ہو جائیں

Marfat.com

سوم یہ کہ تمام مادی جسم عناصر اربعہ کی ترکیب سے بنتے ہیں اور عناصر اربعہ اپنی اپنی طبعی خاصیت کی وجہ سے امتزاج اور ترکیب کے مقتضی نہیں مگر اس کی قدرت کاملہ نے ان کو ایسا امتزاج بخشا ہے کہ ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہوتے یہ سب اس کی صفت قہر کا نتیجہ ہے۔

چہارم یہ کہ روح ایک لطیفہ نورانیہ ہے جو مادہ اور لوازم مادہ سے بالکل بری ہے مگر غور کرو کہ اس کی قدرت کاملہ نے کس طرح اس ہیکل عنصری کے ساتھ اس کو تعلق بخشا ہے جو بالکل ظلمانی اور کثیف ہے مگر اس کی صفت قہران ہر دو کے تعلق کو زائل نہیں ہونے دیتی۔

پنجم یہ کہ دنیا میں کس قدر عظیم الشان اور جبار و متکبر سلاطین و ملوک گذرے ہیں مگر اس کی صفت قہر انہیں امراض موت وغیرہ حوادث سے کس طرح مغلوب اور عاجز بناتی ہے اور وہ باوجودیکہ ہزاروں تدابیر اور کوششیں ان حوادث کے روکنے کے لئے عمل میں لاتے ہیں۔ مگر کچھ پیش نہیں چلتی یہیں سے اس کی قہاریت کا اقرار کرنا پڑتا ہے

ششم عقول بشری تحقیق اشیاء میں کس قدر باریک بین ہیں۔ مگر اس ذات اقدس کی حقیقت کے ادراک میں عاجز محض ہیں اور اس کے انوار جلال و جبروت کے احاطہ کرنے سے نگاہیں خیرہ ہیں اور یہی اس کی صفت قہر کا ثبوت ہے۔

ہفتم ہم چشم بصیرت کے ساتھ دیکھتے ہیں کہ تمام ذات کائنات اس ذات اقدس کی مشیت کے تابع ہیں اور خود انسان ہزارہا امور میں اپنے ارادہ کے برخلاف ناکام رہتا ہے الغرض کوئی چیز اس ذات بیچگون کے ارادہ سے باہر نہیں جا سکتی نہ وجوداً نہ عدماً قال اللہ تعالےٰ وَمَا تَشَاءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ اور پھر فرمایا وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ

حضرات مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ وہ ذات اقدس قاہر ہے اس لئے کہ نفوس عابدین پر غالب آکر ان کو اپنی طاعت پر محدود رکھتی ہے اور وہ قہار ہے اس لئے کہ قلوب

طالبین پر غالب آکر ان کو اپنا انیس بناتی ہے اور لطف مشاہدہ جمال سے عزت بخشتی ہے

بعض اہل تحقیق نے لکھا ہے کہ قہار وہ ذات جو اپنے بندوں سے بشریت کے آثار اور رسوم کے مٹا دینے اور علم و عزت کے کھو دینے کی طالب ہو۔ بعض نے اس کی یوں توجیہ کی ہے کہ قہار وہ ذات ہے جس کی صولت و حشمت کے سامنے کسی کی صولت و حشمت کا ظہور نہ ہو بلکہ اس کے سامنے محو ہو جائیں اور جس کی سطوت کے سامنے تمام مخلوق عاجز ہو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ یعنی قیامت کے دن جبکہ اللہ تعالےٰ اپنے وصف قہاریت کا اظہار فرماوے گا۔ تو اہل محشر کو جہاں گروہا گروہ خلائق جمع ہوگی یہ آواز سنائی جائیگی کہ آج کے دن سلطنت کا مالک کون ہے؟ چونکہ تمام مخلوق اپنے اپنے حالِ بد میں مبتلا ہوگی اس لئے کسی کو وہاں دم مارنے کی مجال نہیں ہوگی تب خود ہی دوسری آواز سنائیں گے کہ آج بڑے بڑے مدعیان کے تمام دعاوی خاک میں مل گئے اور وہی حقیقی مالک الملک آج کے دن کی سلطنت کا مالک ہے جو اپنے کمال صفات میں یگانہ اور سب اشیاء پر غالب آنے والا ہے بتلاؤ آج بڑے بڑے جبّارین کہاں ہیں! سلاطین نامدار اور ملوک کامگار کو کیا ہوا؟ اور انبیاء و مرسلین کس حال میں ہیں؟ اور کفّار و مشرکین اور فسّاق و ملحدین کیوں اپنے تئیں ظاہر نہیں کرتے؟ ایک بے نیازی کا عالم ہوگا جہاں انبیاء و مرسلین اور ملائکہ مقربین اور ارواح و اجسام سب کے سب بے حقیقت ہو جائیں گے اور وہی ایک ذات اقدس جو تمام کمالات کی جامع ہے اپنی بے نیازی کے ساتھ تمام موجودات محشر پر جلوہ افروز ہوگی اور بس

عبدِ کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے تمام اعداء پر غالب آتا ہے چونکہ سب سے بڑا دشمن انسان کا اپنا نفس ہے اس لئے جو شخص شہوت و غضب اور حرص و وہم و خیال پر غلبہ پا لیتا ہے وہ درحقیقت تمام اعداء کو مغلوب کر لیتا ہے اور کسی غیر کو اس پر غلبہ پانے کا موقع نہیں مل سکتا یہ امر کہ غضب و شہوت وغیرہ پر انسان کیونکر غالب آسکتا ہے؟

Marfat.com

سوال اس کا جواب یہ ہے کہ یہ امر کبھی تو بذریعہ مجاہدت وریاضت کے حاصل ہوتا ہے۔ کما قال اللہ تعالےٰ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا اور کبھی بذریعہ جذبات حق کے چنانچہ بعض آثار میں حضور علیہ السلام سے مروی ہے جَذْبَةٌ مِنْ جَذَبَاتِ الْحَقِّ تُوَازِیْ عَمَلَ الثَّقَلَیْنِ یعنی ایک جذبہ منجملہ جذبات حق کے جن وانس کے عمل کے برابر درجہ رکھتا ہے مگر یہ محض اللہ تعالےٰ کی عنایت ازلی پر موقوف ہے

الوَهَّابُ قال اللہ تعالےٰ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔ یہ اسم مصدر وَهَبَ یَهَبُ هِبَةً سے مشتق ہے اور ہبہ کسی شخص کو کسی چیز کے بلا معاوضہ مالک کر دینے کو کہتے ہیں اور ہبہ حقیقۃً بجز ذات باری کے کوئی غیر نہیں کر سکتا کیونکہ ہبہ میں دو رکن ضروری ہیں اوّل کسی کو کسی چیز کا مالک بنا دینا دوم بلا معاوضہ مالک بنانا سو یہ امر بندگان عاجز سے ناممکن ہے کیونکہ (۱) جب تک اللہ تعالےٰ بندہ کے دل میں کسی امر کے بجالانیکا ارادہ اور نیت مستحکم پیدا نہ کرے بندہ خود بخود کچھ نہیں کر سکتا اس لئے حقیقی فاعل وہی ذات اقدس ہوگی (۲) عاجز بندہ تو اپنے افعال کی حقیقت کے سمجھنے سے بھی عاجز ہے اس لئے وہ اپنے افعال کا خود موجد نہیں ہو سکتا بل موجد درحقیقت ذات باری ہے اس لئے واہب درحقیقت بھی وہی ذات اقدس ہے (۳) اگر اللہ تعالےٰ ازل میں بندہ کے عمل ہبہ کو مقدر نہ کرتا تو بندہ اس عمل کو کبھی بجا نہ لا سکتا کیونکہ اس کے علم وارادہ کے بدون کوئی امر واقع نہیں ہو سکتا اس لئے فی الحقیقت وہی ذات جامع کمالات واہب ہوگی نہ کوئی اور (۴) عاجز بندہ تو اللہ تعالےٰ کا مملوک ہے اور مملوک خود کسی چیز کا مالک نہیں ہو سکتا قال اللہ تعالےٰ ضَرَبَ اللّٰهُ عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ اور جب بندہ خود کسی چیز کا مالک نہیں تو وہ کسی غیر کو کیونکر کسی چیز کا مالک بنا سکتا ہے؟

مصداق رہا دوسرا رکن سو یہ مسلم ہے کہ عاجز بندہ کبھی کوئی عمل بلا کسی معاوضہ

Marfat.com

دنیوی یا اُخروی کے بجا نہیں لاتا دنیوی معاوضہ میں ہر ایک قسم کا معاوضہ شامل ہے۔ خواہ مدح و آفرین ہی سننا مقصود ہو اور اگر معاوضہ کا خیال انسان کے دل میں نہ ہوتا تو اس سے کبھی کوئی عمل بھی صادر نہ ہو سکتا۔ حتیٰ کہ عارفانِ خدا کے اعمال بھی معاوضۂ رضائے ہونے پر مبنی ہیں جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ ہبہ کے ہر دو رکن عاجز بندہ سے صادر نہیں ہو سکتے تو وہ عمل ہبہ کا حقیقۃً عامل نہیں کہلا سکتا مگر ذات باری کی نسبت ہبہ کے ہر دو رکن صحیح طور پر ثابت ہیں۔

(۱) تملیک تو اس لئے کہ وہ خود تمام اشیاء کا خالق و مالک ہے اس لئے دوسروں کو کسی شے کا مالک بنا سکتا ہے۔

(۲) اور بلا معاوضہ اس لئے کہ اس کی ذات ہر ایک چیز سے مستغنی ہے کمی اور بیشی کو اس کی ذات سے کچھ تعلق نہیں لہٰذا ہبہ درحقیقت اسی ذات بے نیاز کا فعل ہو سکتا ہے نہ کسی غیر کا۔ اور اگر مجازاً انسان کو بعض اشیاء کا واہب مان بھی لیں تو پھر بھی اس کا عمل ہبہ محدود بلکہ نہایت ہی مختصر ہوگا اشیاء کو عدم سے وجود میں لانا بیمار کو شفا دینا۔ بے فرزند کو فرزند عطا فرمانا گمراہ کو مہتدی بنانا وغیرہ ایسے امور ہیں جو بجز اس واہب حقیقی کے کوئی دوسرا نہیں کر سکتا بلکہ اس ذات اقدس کے عطایا اس قدر وسیع ہیں کہ کوئی شخص ان کا احاطہ نہیں کر سکتا قال اللہ تعالےٰ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا یعنی تم اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کا کبھی حصر نہیں کر سکتے اور پھر فرمایا وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ یعنی جو نعمتیں تمہیں حاصل ہیں سب کی سب اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہیں ان ہر دو آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ منعم حقیقی وہی ذات ہے اور یہ کہ ہم اس کی نعمتوں کا حصر کرنے سے عاجز ہیں۔

حضرات مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ وہ تواب وہ ذات ہے جس کی عطا اور جود کی کوئی حد نہ ہو اور بلا سوال انعام کرے اور کسی حال میں کسی کو اپنی نعمت سے محروم نہ رکھے بعض

Marfat.com

لکھتے ہیں کہ وہاب وہ ذات ہے جو بلا وسیلہ انعام کرے اور بلا سبب وصیلہ عطا فرمائے۔

انسان کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ ہوتا ہے کہ وہ سب کچھ اللہ تعالےٰ کی راہ میں صرف کر دیتا ہے اور تمام حالات میں اپنے مولےٰ کی خدمت پر مجبور رہتا ہے

اَلرَّزَّاقُ قال اللہ تعالےٰ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ داؤد علیہ السلام کی ایک مناجات میں یوں مروی یا رَزَّاقَ الْبَقَّاتِ فِیْ عُشِّہٖ یعنی اے توان جانوروں کو ان کے آشیانہ میں روزی پہنچانے والے اس جملہ کی توجیہ میں بعض اہل تحقیق نے یوں لکھا ہے کہ کوا جب اپنے انڈوں کو توڑ کر بچے نکالتا ہے تو بچہ کی رنگت سفید ہوتی ہے جس سے کوا کراہت کرتا ہے اور بچہ کو یوں ہی چھوڑ کر اڑ جاتا ہے مچھر اور مکھیاں اس کے بدن پر آ کر بیٹھتی ہیں۔ اور انہیں کو وہ اپنی غذا بناتا ہے رفتہ رفتہ جب اس کے پر و بال نکل آتے ہیں اور سیاہ نظر آنے لگتے ہیں۔ تب کوا بھی آموجود ہوجاتا ہے اور اس سے انس بڑھاتا اور اس کی تربیت کرتا ہے

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس طرح جسم انسانی بذریعہ مادی اشیاء کے جو غذائی صورت میں ہوتی ہیں تربیت پاتا ہے اسی طرح روح انسانی معارف و اسرار سے تربیت پاتا عمل کرتی ہے اور ہر دو کو رزق کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے مگر رزق روحانی یعنی معارف حقہ انسان کے لئے بہترین رزق سمجھا گیا ہے کیونکہ ان سے روح انسانی قوت پاتی ہے یہ امر مسلم ہے کہ معارف و اسرار حقہ کے انکشاف کا سب سے اعلےٰ ذریعہ نماز ہے اس لئے روحانی تربیت کے لئے ضروری ہے کہ نماز پنجگانہ مع شروط و آداب مواظبت کی جائے نماز جس طرح روحانی انکشافات کا ذریعہ ہے اسی طرح جسمانی غذا یعنی روزی کی وسعت کا اعلےٰ ذریعہ بھی ہے دیکھو اللہ تعالےٰ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے وَاْمُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْھَا لَا نَسْاَلُکَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُکَ یعنی اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور اس پر مداومت کرو ہم تمہاری روزی کے متکفل ہیں حضرات اہل باطن لکھتے ہیں کہ انسان کو لازم ہے کہ اپنی تمام حاجات میں اپنے مالک حقیقی کی طرف رجوع کرے دیکھو جب موسےٰ علیہ السلام

Marfat.com

نے طلب دیدار کی جو ایک اہم مطلوب اور اعلےٰ مقام تھا تو رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ کہ بارگاہ رب العزت میں التجاء کی اور جب بھوک لگی تو طلب طعام کے لئے جو ایک ادنیٰ اور اخس امر ہے بالفاظ رَبِّ اِنِّیْ لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ اسی بارگاہ معلےٰ کی طرف رجوع کیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے تمہاری روزی کو تمہاری طلب میں لگا دیا ہے اور تمہیں طلب جنت کا حکم دیا ہے مگر تمہارا حال اس کے برعکس ہے کیونکہ تم روزی کو طلب کرتے پھرتے ہو اور طلب جنت کو بھلائے بیٹھے ہو حضرت عیسےٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض ارشادات میں یوں وارد ہوا ہے کہ تم اپنے پیٹ کی فکر میں مست کڑھو پرندوں کی طرف دیکھو کہ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو اپنے آشیانہ میں سیر ہو کر واپس آتے ہیں اور وہ تمہاری طرح نہ بوتے ہیں نہ کاٹتے ہیں اگر تمہیں یہ خیال ہو کہ ہم پرندوں کی نسبت بڑے پیٹ رکھتے ہیں تو جنگل کے وحشیوں کی حالت میں غور کرو کہ تم سے زیادہ پُرخوار ہیں اور وہ نہ بوتے ہیں نہ کاٹتے ہیں مگر اللہ تعالےٰ انہیں ان کی روزی پہنچا دیتا ہے۔

اسم رزّاق کی توجیہ میں مختلف اقوال ہیں بعض حضرات نے لکھا ہے کہ رزّاق وہ ذات ہے جو ابدان کو توفیق کی غذا دیتا ہے اور ارواح کو تصدیق کی نعمت عطا فرماتا ہے بعض لکھتے ہیں کہ رزّاق وہ ہے جو اغنیاء کو تو وجود رزق کے ساتھ مخصوص کرتا ہے اور فقراء کو شعور رزاق کا درجہ عطا فرماتا ہے یعنی اغنیاء کی نظر نعمت پر ہوتی ہے اور اولیاء کی منعم پر بعض لکھتے ہیں کہ رزّاق وہ ہے جو اشباح (اجسام) کو فوائد لطف اور ارواح کو عوائد کشف سے عزت بخشتا ہے بعض یوں کہتے ہیں کہ رزاق وہ ہے جو اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے قناعت عطا فرما کر اسے وجہ معاش کے اسباب سے روک دیتا ہے۔

انسان کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ ملتا ہے کہ وہ رزاق حقیقی کے مقدر پر راضی رہتا ہے اور جو کچھ پاتا ہے اللہ تعالےٰ کی راہ میں صرف کر دیتا ہے کَمَا اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖ وَالَّذِیْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا اور وہ چشم

Marfat.com

بصیرت سے وصف رازقیت کو دیکھ لیتا ہے اور اس لئے کسی غیر سے روزی کا منتظر نہیں رہتا چنانچہ حاتم اصم رحمۃ اللہ کی نسبت مروی ہے کسی نے پوچھا کہ آپ کہاں سے کھایا کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کے خزانہ سے اس شخص نے کہا کیا آسمان پر سے روٹی تم پر گرائی جاتی ہے آپ نے جواب دیا کہ ایسا تعجب ہوتا جبکہ زمین پر اس کے خزائن موجود ہونے پر اس شخص نے کہا کہ تم لوگ الفاظ کی تاویل کر لیتے ہو آپ نے فرمایا ہاں اس لئے کہ آسمان پر سے کلام ہی نازل ہوا ہے اس شخص نے کہا کہ میں آپ سے مناظرہ نہیں کر سکتا آپ نے فرمایا کہ واقعی باطل حق کے سامنے عاجز ہے۔

الفتاح قال اللہ تعالےٰ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ اور پھر فرمایا وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ یہ اسم مصدر فتح سے مشتق ہیں جس کے معنے لغت میں دروازہ کھولنے کے ہیں چنانچہ قفل کی چابی کو مفتاح کہتے ہیں قال اللہ تعالےٰ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ اور لڑائی میں فتح پانے سے مراد ظفریاب ہونا لیا کرتے ہیں قال اللہ تعالےٰ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا اس آیت میں فتح سے فتح مکہ مراد ہے ممکن ہے کہ فتح سے ظفر مراد لینا اس خیال پر مبنی ہو کہ عموماً دشمن پر کامیاب ہونے کا یہ معیار تھا کہ فاتح کی سپاہ قلعہ کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو جاتی تھی اور جب یہ صورت ہوا کرتی تو سمجھ لیا جاتا کہ دشمن مغلوب ہو گیا۔

اس اسم کی توجیہ دو طرح پر کی گئی ہے اول تو یہ کہ فتاح وہ ذات ہے جو اپنی مخلوقات کے درمیان فیصلہ کرے اللہ تعالےٰ کے فیصلہ سے مراد یہ ہے کہ اس نے حق کو باطل سے علیحدہ کر دیا ہے اور اس لئے وہ فتاح ہے دوم یہ کہ فتاح وہ ذات ہے جو اپنے بندوں پر خیر و سعادت کے دروازے کھول دیتی ہے اور ان کی مشکلات کو آسان کر دیتی ہے۔ پھر ایسی آسانی یا تو امور دین کے متعلق ہو گی جیسے علوم شرائع و دیانات کا عطا فرمانا یا امور دنیا میں جیسے فقیر کو غنی بنانا یا کسی مصیبت زدہ کی مصیبت کو دور کرنا

حضرات مشائخ لکھتے ہیں کہ فتاح وہ ذات ہے جو قلوب اہل ایمان پر اپنی معرفت

Marfat.com

کے اور اہل معصیت پر اپنی مغفرت کے دروازے کھول دے اور بعض لکھتے ہیں کہ فتاح وہ ذات ہے جو مصائب میں اعانت کرے اور وجوہ احسان کو آسان بنائے بعض نے یوں توجیہ کی ہے کہ فتاح وہ ذات ہے جو باب توفیق کو نفوس پر کھول دے اور اسرار و معارف کی تحقیق عطا فرمائے۔ بعض نے لکھا ہے کہ فتاح وہ ذات ہے جو بندوں کے عصیان پر عطاء نعمت کو بند نہیں کر لیتی اور ان کے نسیان پر اپنی رحمت کو موقوف نہیں کرتی بعض نے کہا ہے کہ فتاح وہ ہے جس کا حکم قطعی اور اس کی مشیت اٹل ہو۔

انسان کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ ہے کہ وہ مجاہدت کو ایسا کامل کرے کہ ابواب مکاشفات اس پر مفتوح ہو جائیں اور لوگوں کو خیر و سعادت کا افاضہ کرے۔

اَلْعَلِیْمُ مصدر علم سے کئی ایک صیغے ذات باری نے اپنے لئے قرآن مجید میں استعمال کئے ہیں اول وہ صیغے جن سے صفت علم کا ذات باری کے لئے اثبات ہوتا ہے قال اللہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ پھر فرمایا وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖ اور پھر فرمایا اَنْزَلَہٗ بِعِلْمِہٖ دوم صیغہ عالم ہے چنانچہ فرمایا عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّہَادَۃِ اور نیز فرمایا عَالِمُ غَیْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سوم صیغہ علام چنانچہ فرمایا اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ چہارم صیغہ اعلم چنانچہ فرمایا فَرَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِکُمْ اور پھر فرمایا اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ پنجم صیغہ عَلَّمَ باب تفعیل سے چنانچہ فرمایا اَلرَّحْمٰنُ ۵ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ اور پھر فرمایا وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ مگر جمیع علماء امت نے اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ گو باب تفعیل سے کئی ایک صیغے ذات باری کیلئے قرآن مجید میں آ چکے ہیں مگر ہم اس ذات اقدس کو معلم بصیغہ اسم فاعل تعبیر نہیں کر سکتے اس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اسماء ذات باری شرعی ہیں نہ قیاسی۔ شروع کتاب میں اس مسئلہ پر بحث کی گئی ہے اس مسئلہ پر یہ مسئلہ متفرع ہوتا ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام کی نسبت بعض مقامات میں بعض الفاظ ایسے وارد ہوئے ہیں جن سے

Marfat.com

ان کے حق میں معصیت کا گمان پیدا ہوتا ہے اور اس لئے ہم ان پر عاصی یا مُذنِب کا لفظ اطلاق کر سکتے ہیں یا نہیں ؟ مثلاً عَصٰی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی سو کیا ہم آدم علیہ السلام کو عاصی کہہ سکتے ہیں یا دختر شعیب علیہ السلام سے موسےٰ علیہ السلام کی نسبت قرآن مجید میں وارد ہوا ہے یَا اَبَتِ اسْتَاْجِرْہُ (اے باپ موسیٰ کو اُجرت پر رکھ لو) کیا ہم موسےٰ علیہ السلام کی نسبت اجیر (مزدور) کا لفظ بول سکتے ہیں ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں کیونکہ جس طرح معنے کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے اسی طرح ادب کا ملحوظ رکھنا بھی لابدی ہے۔

ششم صیغہ علیم ہے قال اللہ تعالےٰ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ یہ امر بالکل واضح ہے کہ ان مختلف صیغوں کا مفہوم بھی مختلف ہے اور اُن کی بناء کا مختلف ہونا ان کے مختلف المفہوم ہونے پر کافی دلیل ہے چنانچہ علیم جو وزن فعیل پر ہے مبالغہ کے لیے موضوع ہے اور بمقابلہ عالم اپنے ماخذ (علم) پر قوی طور پر دلالت کرتا ہے اور اس کی مثال بعینہٖ سمیع اور راحم اور رحیم کی سی ہے سعد افعیل کا وزن ثبوت اور استمرار پر دلالت کرتا ہے اور آیۂ وَفَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ سے ظاہر ہوتا ہے کہ صیغہ عَلِیْمٌ صیغہ ذی عِلْم سے زیادہ مبالغہ پر مشتمل ہے۔

واضح ہو کہ مصدر علم سے صیغہ عَلَّامَۃٌ بھی مشتق ہوتا ہے اور یہ لفظ گو مبالغہ کے لئے ہے مگر ذات باری پر اس کا اطلاق نہیں ہوا اور نہ قرآن مجید میں وارد ہوا ہے چنانچہ کسی بڑے عالم کی نسبت تو یہ کہہ سکتے ہیں ھُوَ عَلَّامَۃٌ مگر ذات باری کی نسبت نہیں بول سکتے اس صیغہ کے آخر میں حرف تا مبالغہ کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ اور ذات باری کی نسبت اس کے عدم استعمال کی وجہ یہ ہے کہ یہ صیغہ ایسے شخص کے حق میں بولا جاتا ہے جس نے حالت نقصان سے حالت کمال تک ترقی کی ہو اور یہ امر ذات باری کی نسبت متصور نہیں۔ یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ذات باری کے علم کی حقیقت انسانی علم کی سی نہیں اور ان ہر دو میں بوجوہ چند اختلاف ہے اوّل یہ کہ ذات باری کا

Marfat.com

علم ایک ہی علم ہے جس سے وہ تمام جزئیات عالم کا علم رکھتا ہے مگر انسان کا علم ایسا نہیں کیونکہ اس کو ہر ایک چیز کی نسبت علیحدہ علم کی ضرورت پڑتی ہے دوم ذات باری کا علم غیر متبدل ہے اور انسانی علم متغیر ہوتا ہے سوم ذات باری کا علم بذریعہ حواس اکتساب نہیں کیا جاتا بلکہ اس کا علم ذاتی ہے اور انسان کا علم بواسطہ حواس اکتساب کیا جاتا ہے۔ چہارم ذات باری کا علم ممتنع الزوال ہے اور انسان کا علم ممکن الزوال۔ پنجم ذات باری کا ایک علم اس کو کسی دوسرے علم سے روک نہیں سکتا مگر انسان کو یہ بات حاصل نہیں۔ ششم ذات باری کا علم غیر متناہی ہے اور انسان کا علم متناہی ہے

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ علیم وہ ذات ہے جس پر کوئی امر مخفی نہ رہ سکے اور کوئی قریب و بعید امر اس پر مستور نہ ہو۔ اس لئے جو شخص اس ذات کی نسبت ایسا یقین رکھتا ہے وہ کبھی مصیبت سے دل آزردہ اور شاکی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ ہمیشہ اس کے احسان کا شکر گذار اور اپنے گناہوں کی بابت عذر خواہ رہتا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علم ذات باری کا کمال یہ ہے کہ وہ ہر ایک چیز پر ظاہر ہو یا باطن۔ صغیر ہو یا کبیر۔ اول ہو یا آخر الفرض تمام اشیاء پر محیط ہے اور وہ مکتسب نہیں بلکہ دیگر علوم اس کے علم سے مستفاد ہیں کیونکہ انسان کا علم اشیاء خارجیہ سے اخذ کیا جاتا ہے مگر اللہ تعالےٰ تو تمام اشیاء کا خالق ہے اور وہ انہیں ان کے وجود سے پہلے سے جانتا ہے کیونکہ اس کا خالق الاشیاء ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ قبل از وجود ان کا علم رکھتا تھا اور اس کی مثال یوں سمجھو کہ شطرنج کا واضع وضع شطرنج سے پہلے اس کا علم رکھتا تھا کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ وضع نہ کر سکتا مگر ہمارا علم شطرنج کی نسبت شطرنج کے وجود سے اخذ کیا گیا ہے اس لئے ہمارا اور واضع کا علم ایک نہیں ہو سکتے۔

پھر لکھتے ہیں کہ انسان کا شرف علم ہی سے ہے اور علم اشرف وہ ہے۔ جس کا

موضوع یا معلوم اشرف ہو اور جس قدر کوئی معلوم شریف ہوگا اسی قدر اس کا علم بھی دیگر علوم کی نسبت شریف سمجھا جائیگا۔ چونکہ ذات باری اشرف المعلومات ہے اس لئے ذات باری کا علم حاصل کرنا جس کو معرفت الٰہی بولتے ہیں تمام علوم کی نسبت اشرف ہے اور دیگر اشیاء کے علوم بھی اس لئے شریف سمجھے جاتے ہیں کہ وہ معرفت الٰہی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ کیونکہ اشیاء کا وجود افعال ذات باری کا نتیجہ ہے اس لئے افعال ذات باری کی معرفت و حقیقت ذات باری کی معرفت ہے اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز واسطہ معرفت الٰہی ہو اس کا علم بھی شریف ہوگا۔ اسی خیال پر علم فقہ و حدیث تمام دیگر علوم کی نسبت اشرف سمجھے جاتے ہیں۔

اَلْقَابِضُ الْبَاسِطُ

قال اللہ تعالیٰ وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْصُطُ۔ ان مردو اسماء کا ذکر یک جا لانا ضروری ہے کیونکہ کمالِ قدرت اس امر کا مقتضی ہے کہ ہر دو متضاد پہلو پر حاوی ہو۔ معہذا اگر صرف اَلْقَابِضُ کا ذکر بدوں الْبَاسِطُ کے کریں تو سامع کے ذہن میں صفتِ منع و حرمان کے ساتھ ذکر کرنا لازم آئیگا۔ اور یہ جائز نہیں۔

قبض و بسط کے لغوی معنے علیحدہ علیحدہ تنگ کرنے اور فراخ کرنے کے ہیں اور یہ معنے تمام اشیاء موجودات کو احاطہ کئے ہوئے ہیں چنانچہ سوار و ذیل قابل غور ہیں

(۱) اللہ تعالیٰ رزق میں قبض و بسط پیدا کرتا ہے قال اللہ تعالیٰ اَللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے روزی کو فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے اور اس میں اپنی اور مخلوق کی بہت سی مصلحتیں ہیں جن کو وہی بہتر جانتا ہے قال اللہ تعالیٰ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰہُ الرِّزْقَ لِعِبَادِہٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ یعنی اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے روزی کو فراخ کر دیتا تو زمین میں ظلم کرنے لگ جاتے مگر وہ اپنی حکمت کاملہ سے اسی قدر عطا فرماتا ہے جس قدر مناسب ہوتا ہے۔

Marfat.com

(۲) بادلوں میں قبض وبسط پیدا کرتا ہے چنانچہ فرمایا اَللّٰہُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیَاحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُہٗ فِی السَّمَاءِ کَیْفَ یَشَاءُ یعنی اللہ تعالےٰ ہی ہواؤں کو چھوڑتا ہے پھر وہ ہوائیں بادلوں کو اٹھاتی ہیں پھر انہیں آسمان میں (خلاء میں) جس طرح چاہتا ہے پھیلاتا ہے

(۳) سایہ دار میں قبض وبسط پیدا کرتا ہے قال اللہ تعالےٰ ثُمَّ قَبَضْنَاہُ اِلَیْنَا قَبْضًا یَّسِیْرًا۔ یعنی پھر ہم اس سایہ کو تھوڑا تھوڑا اپنی طرف سمیٹتے چلے آتے ہیں۔

(۴) ارواح میں قبض وبسط پیدا کرتا ہے قبض تو موت کے وقت اور بسط حیات کے وقت۔

(۵) زمین میں قبض وبسط قال اللہ تعالےٰ وَالْاَرْضَ جَمِیْعًا قَبْضَتُہٗ اور نیز فرمایا اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِہَادًا ای بِسَاطًا

(۶) قبض صدقات قال اللہ تعالےٰ یَاْخُذُ الصَّدَقَاتِ والاخذ بمعنے القبض

(۷) قبض وبسط قلوب

واضح ہو کہ قلوب میں قبض وبسط کی حالت بعینہٖ خوف ورجا کی حالت سے مشابہ ہوتی ہے کیونکہ خوف کسی امر ناگوار کے زمانہ مستقبل میں وقوع کے متعلق ہوتا ہے اور رجا کسی امر مطلوب کے حصول کے متعلق۔ البتہ قبض وبسط میں ماضی ومستقبل نہیں ہوتا اور خوف ورجا میں زمانہ مستقبل کا تعلق ضروری ہے جس طرح خوف ورجا میں قوت وضعف کے لحاظ سے مدارج ہوتے ہیں اسی طرح قبض وبسط کے بھی مدارج مختلفہ ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ موجب قبض بعض اوقات تو معلوم ہوتا ہے اور بعض اوقات نامعلوم ایسی حالت میں بجز تسلیم کچھ چارہ نہیں کیونکہ حضرات مشائخ نے لکھا ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اگر سالک قبض کے دور کرنے میں کوشش کرے تو قبض اور بھی بڑھ جاتی ہے، وجب تسلیم اختیار کرلے۔ تو

Marfat.com

اللہ تعالےٰ فی الفور زائل کر دیتا ہے قال اللہ تعالےٰ وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْصُطُ حضرت جنید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اَلْخَوْفُ یَقْبِضُنِیْ وَالرَّجَاءُ یَبْسُطُنِیْ فَاِذَا قَبَضَنِی الْخَوْفُ اَفْنَانِیْ وَاِذَا بَسَطَنِی الرَّجَاءُ اَحْیَانِیْ یعنی خوف میرے لئے موجب قبض ہے اور رجا موجب بسط سو بحالت قبض میں مرجاتا ہوں اور بحالت بسط زندہ ہو جاتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس ذات اقدس کا جلال موجب قبض اور جمال موجب بسط ہے ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ قیامت کے دن آدم علیہ السلام کو حکم دیگا۔ کہ اہل جہنم کو جہنم کیطرف چلاؤ۔ آدم علیہ السلام عرض کرینگے خدایا! کس قدر افراد کو جہنم کی طرف چلاؤں۔ حکم ہوگا کہ ہزار میں سے نوسے ننانوے اہل جہنم ہیں۔ حضور علیہ السلام کا یہ کلام سنکر صحابہ سخت پریشان ہوئے اور جب صبح ہوئی اور حضور انور نے انہیں مغموم پایا تو فرمایا کہ تمہاری تعداد تمام گذشتہ امتوں کے مقابلہ میں وہی نسبت رکھتی ہے تو سفید بیل کے جسم پر سیاہ خال کو اس کی سفیدی جسم سے ہوتی ہے اس ارشاد نبوی کے پہلے حصہ سے صحابہ کے قلوب میں قبض پیدا ہوگئی تھی اور دوسرے حصہ سے بسط کیونکہ پہلے حصہ میں جلال اور دوسرے میں جمال کی طرف اشارہ ہے

حضرات مشائخ لکھتے ہیں کہ قابض وہ ذات ہے جو اپنے جلال کو قلب سالک پر متسلط کرے اور باسط وہ ذات ہے جو اپنے جمال کو قلب سالک پر منکشف کرے بعض لکھتے ہیں کہ قابض وہ ذات ہے جو اپنے فراق کا بندہ کو خوف دلائے اور باسط وہ ذات ہے جو اپنے عفو سے اس کو امن بخشے۔

امام غزالی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں بندگان خدا میں سے قابض و باسط وہ شخص ہوتا ہے جس کے قلب پر حکمت کے عجائبات منکشف ہوں اور اسے ایسا علم عطا کیا جاوے جو باوجود اختصار کے نہایت جامع ہو ایسے کلام کو جوامع الکلم بولتے ہیں

سو کبھی تو ایسا شخص عباد اللہ کو دلائل رجاء بسط اور کبھی دلائل خوف سے قبض کا افاضہ کرتا ہے۔

اَلْخَافِضُ الرَّافِعُ خفض کے معنے لغت میں پست کرنے اور رفع کے معنے بلند کرنے کے ہیں قال اللہ تعالیٰ یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ اور قیامت کی صفت میں فرمایا خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ۔ بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ دین میں خفض وضع ہے اضلال وارشاد مراد ہے خواہ عزت ذات باری کے متعلق ہو یا طاعت کے متعلق۔ اور دنیا میں رفع وخفض سے درجات بلند کرنا اور ساقط کرنا مراد ہوا کرتی ہے اور قیامت کو خافضہ رافعہ اس لئے کہا گیا ہے کہ کفار کو اسفل درکات جہنم میں اور انبیاء کو اعلیٰ درجات جنت میں لے جائے گی اس لئے یہ ہر دو اسماء ذات باری کے صفات افعال میں سے شمار کئے گئے ہیں۔

بعض اساتذہ متاخرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں ایک قوم کے لئے امانت متقدمہ کو دی اور دوسری کے لئے امانت اس لئے وہ ایک کے لئے خافض اور دوسری کے لئے رافع ہے انسان کامل کو ان سے یہ حصہ ہے کہ وہ جانب روح کو جانب نفس پر غلبہ دیتا ہے اور اولیاء اللہ کی نصرت اور اعداء اللہ کی مخالفت کرتا ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رافع وہ ذات ہے جو اولیاء کو اعلیٰ درجات عطا فرما کر انہیں اپنا مقرب بنائے اور اعداء کو اپنی بارگاہ سے دور رکھے۔ یا یوں کہو کہ اولیاء کو محسوسات اور شہوات سے بالاتر لے جا کر گروہ ملائکہ میں داخل کر دے اور اعداء کو لذات حیوانیہ دنیویہ میں مبتلا رکھے۔

اَلْمُعِزُّ الْمُذِلُّ یہ ہر دو اسم بھی یک جا ذکر کئے جاتے ہیں ایک کا بدول دوسرے کے ذکر کرنا ذات باری کے حق میں موجب نقص ہے قال اللہ تعالیٰ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ان ہر دو اسماء کی توجیہ کے لئے اس امر میں غور کرنا چاہئے کہ

Marfat.com

انسان کا کمال اس امر میں ہے کہ ذات حق کی معرفت محض ذات حق کے لئے حاصل کرے۔ اور امر خیر کی حقیقت کو اس لئے سمجھے کہ اس پر عامل ہو۔ سو جب بندہ صبر کو بیال تک لازم پکڑلے کہ انوار ربوبیت کے مشاہدہ میں مستغرق ہو جائے اور ماسوی اللہ سے اس کی التفات منقطع ہو جائے تو اس کو حقیقی اعزاز کا مقام حاصل ہو جاتا ہے اور اگر اس کی حالت اس کے برخلاف ہو تو مقام اذلال میں آ ٹھہرتا ہے اور ان ہر دو میں بہت سے مدارج ہیں جو مشاہدہ انوار ربوبیت کی نسبت کے رو سے مختلف ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے۔ کہ عزت مطلق کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ تمام ماسوے اللہ سے احتیاج کو منقطع کرلے اور چونکہ عدم احتیاج مخصوص بذات باری ہے اس لئے حقیقی عزت کا مالک بھی وہی ہے قال اللہ تعالےٰ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا

امام غزالی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معز مذل سے وہ ذات اقدس مراد ہے جو اپنی مشیت ازلی کے مطابق جس کو چاہتا ہے ملک حقیقی کا مالک بنا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے محروم رکھتا ہے اور ملک حقیقی سے مراد ذلت اجتاح اور غلبہ شہوت سے نجات پانا ہے ایسے شخص کو اللہ تعالےٰ حضیض جہل سے نکالکر اوج معرفت پر ترقی عطا فرماتا ہے سو جس کے قلب پر سے اللہ تعالےٰ حجاب اوٹھا دیتا ہے اور جمال حضرت باری کا مشاہدہ کرلیتا ہے اور بمقام قناعت میں اس کو استقامت حاصل ہو جاتی ہے اور تمام مخلوقات سے بے نیاز ہو کر خداوندی تائید سے صفات نفس پر غالب آجاتا ہے وہ درحقیقت حقیقی عزت کا مالک ہے اس عالم دنیا میں بھی اور عالم آخرت میں بھی ایسے ہی شخص کو دنیا سے رخصت ہوتے وقت یوں خطاب کیا جاتا ہے یَا اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ یعنی اے نفس مطمئنہ (جس کی اوپر تعریف ہو چکی ہے) اپنے رب کی طرف لوٹ اس حال میں کہ تو اللہ تعالےٰ سے راضی ہے اور اللہ تعالےٰ تجھ سے راضی

Marfat.com

سوآج تو میرے مقبول بندوں میں شامل اور میری جنت میں داخل ہو جا برخلاف اس کے ذلیل وہ شخص ہے جو عاجز مخلوق کا محتاج رہتا ہے اور اللہ تعالےٰ کے دئے پر قناعت نہ کر کے حرص کا کتا بن جاتا ہے اور دربدر مارا پھرتا ہے سوایسا شخص ہمیشہ ظلمت جہل میں گرفتار رہتا ہے اور اللہ تعالےٰ اس سے سلطنت عزت کو چھین لیتا ہے اور یہی حقیقی ذلت ہے اور اس ذلت کا مارا وہی شخص ہے جس کو یوں خطاب کیا جائیگا ذٰلِکُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَکُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْکُمُ الْاَمَانِیُّ الْآیَۃ یعنی تم لوگ نفس امارہ کی خواہشات میں مبتلا رہے اور ناپائدار لذتوں کے پیچھے پڑے رہے ہو۔

ہر سود و آں کشش زدرخویش براند وآنرا کہ بخواند بدرِ کس نداند

یہاں تک تو اس عزت و ذلت کا ذکر تھا جس کو روح انسانی سے تعلق ہے جسمانی عزت و ذلت کا معیار یہ ہے کہ جس شخص کو صحت و عافیت۔ مال و جاہ۔ شرف نسب۔ کثرت انصار حاصل ہو وہ عزت کا مالک ہے اور جس کو یہ باتیں نصیب نہوں ذلیل ہے اس توجیہ کے مطابق اعزاز و اذلال صفات افعال میں داخل ہیں۔

حضرات مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ معز وہ ذات ہے جو اپنے اولیاء کو عزت عصمت سے امتیاز بخشے اور پھر اپنی رحمت سے انہیں مغفرت عطا فرماوے اور دار آخرت میں اپنے مشاہدہ جمال سے محظوظ و مسرور کرے اور مذل وہ ذات ہے جو اپنی معرفت سے اپنے اعداء کو محروم رکھے اور انہیں اپنی معصیت کی طرف لگا کر انہیں مستحق لعنت بنا دے اور بالآخر جہنم میں جھونک دے۔ بعض حضرات لکھتے ہیں کہ معز وہ ذات ہے جو بندہ کو ذلت نفس پر آگاہ کر کے اس کو عزت بخشے اور مذل وہ ذات ہے جو بندہ کو عزت نفس کے غرور میں مبتلا کر کے اس کو

Marfat.com

ذیل کرے:

اَلسَّمِیْعُ آیۂ فَاِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان ہر دو اسم کا مفہوم ایک نہیں کیونکہ ایک ہونے کی صورت میں تکرار بلا فائدہ لازم آتا ہے سمع کی حقیقت تو یہ ہے کہ وہ ایک علمی انکشاف ہے جو کسی سامع کو بذریعہ صوت کے حاصل ہو مگر یہ حقیقت ذات باری کی نسبت صحیح نہیں کیونکہ اس کا علم باہر سے مکتسب نہیں بلکہ ذاتی ہے اور یہ امر کہ یہ حقیقت سمع ہی سے متعلق ہے نہ کہ دیگر معلومات کی نسبت بھی ایسا ہی خیال کیا جا سکتا ہے مثلاً ہمارا علم بصر کا علم بذریعہ قوت باصرہ باہر سے آتا ہے اور ذات باری کی نسبت ایسا قیاس کرنا غلط ہے بلکہ ذات باری کے معلومات کو ہمارے معلومات سے وہی نسبت ہے جو خود ذات باری کو ہماری ذات سے نسبت ہے الغرض سمع اور بصر وغیرہ صفات صرف بطور اشتراک لفظی ہمارے اور ذات باری کی نسبت بولے جاتے ہیں ورنہ ان کی حقیقت ایک نہیں ہمارے صفات ناقص اور حادث معلول ہیں اور ذات باری کے صفات ان عیوب سے بری ہیں جو لوگ مادی اشیاء سے بالاتر حقایق کا ادراک نہیں کر سکتے ان کا علم صفات باری کی نسبت ضائع حقیقت ہے حالانکہ وہ ذات مقدس اپنی مخلوق اشیاء اور ان کے صفات کی نسبت سے بالاتر ہے اور لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ اس کا وصف ذاتی ہے

سماع بمعنے قبول دعا بھی مستعمل ہے چنانچہ ایک حدیث میں یہ الفاظ وارد ہیں اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ قَوْلٍ لَّا یُسْمَعُ مِنْ دُعَاءٍ لَّا یُسْتَجَابُ اور نماز میں کہا جاتا ہے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ ای قبل اللّٰہ

حضرات مشائخ کرام لکھتے ہیں کہ سمیع ذات باری کو اس لئے کہا جاتا ہے

Marfat.com

کہ وہ اپنے بندوں کی پکار کو سنتا ہے اور ان کی عاجزی اور فروتنی پر متوجہ ہوتا ہے اس کو ایک بندہ کی پکار دوسرے بندہ کی پکار سننے سے نہیں روک سکتی بعض لکھتے ہیں کہ اس اسم کی توجیہ یوں ہے کہ ذات باری عین اضطرار کے وقت اپنے بندوں کی پکار کو سنتا ہے اور ان کی مصیبت کو دور کرتا ہے۔ اور طالب مغفرت کو مغفرت عطا فرماتا ہے اور عذر کرنے والے کا عذر مانتا ہے

امام غزالی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان کامل کو اس اسم سے یہ [illegible] ذات باری کی حقیقت بصر کو حقیقت سمع پر قیاس کرتا [illegible] جس طرح سمع ذات باری انسانی سمع سے بالاتر ہے اور محض بطور [illegible] اسی طرح دیکھنے کا لفظ اطلاق کیا جاتا ہے اسی طرح اس کی حقیقت بصر انسانی بصر سے بالکل علیحدہ ہے کیونکہ انسانی بصر تو حدقہ حلقہ چشم اور الوان و صور سے متاثر ہونے کی محتاج ہے مگر ذات باری ان اشیاء کی محتاج نہیں۔ اس لئے بصر ذات باری کی حقیقت ایک ایسی صفت ہے جس سے ذات باری کے سامنے ایک ایک ذرہ کا نہاں کو بلکہ اس سے بھی زیادہ دقیق اشیاء از خود منکشف ہیں اور یہ انکشاف اس درجہ کمال پر ہے کہ اس سے زیادہ ناممکن اور غیر متصور ہے

حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ جو شخص ذات باری کی حقیقت بصر سے آگاہ ہو جاتا ہے وہ اپنے باطن کو مراقبہ اور ظاہر کو محاسبہ سے آراستہ کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی معصیت کرنا چاہو تو ایسی جگہ

Marfat.com

کروکہ جہاں وہ تمہیں نہ دیکھتا ہو اور بعض یوں لکھتے ہیں کہ سمیع وہ ذات ہے۔ جو باطن کے راز اور خفی منصوبوں سے مطلع ہو اور بصیر وہ ذات ہے جو تحت الثرے سے عرش بریں تک کے اشیاء کو دیکھتا ہو۔

انسان کامل کو اس سے دو قسم کا بہرہ ہوتا ہے اوّل حسّ ظاہری کے لحاظ سے جس میں وہ دیگر حیوانات کے ساتھ شریک ہے اور یہ بہرہ بہت کم درجہ کا ہے کیونکہ محسوسات کے ادراک سے زیادہ کچھ مفید نہیں دوم نور بصیرت جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ اس بات کا یقین کرلے کہ بصارت عجائبات کائنات میں جو زمین و آسمان میں موجود ہیں غور کرکے عبرت حاصل کرنے کے لئے دی گئی ہے چنانچہ مسیح علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ مخلوقات میں کوئی آپ کا مثل ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جس شخص کی نظر عبرت اور کلام ذکر الٰہی ہو وہ میرا مثل ہے

اسم بصیر کا ایک حظ یہ بھی ہے کہ عبد کو یقین ہو جائے کہ اللہ تعالےٰ اس کو دیکھ رہا ہے اس لئے اس سے کوئی معصیت سرزد نہیں ہوتی اور جو شخص لوگوں سے معصیت کو چھپاتا ہے اور اس کو یقین ہے کہ اللہ تعالےٰ اسے دیکھ رہا ہے وہ درحقیقت سخت گستاخ اور زیاں کار ہے اور اگر اسے یہ یقین ہو کہ اللہ تعالےٰ اسے نہیں دیکھتا تو وہ کافر ہے مراقبہ جو ثمرۂ ایمان ہے اسم بصیر ہی کی حقیقت پر مطلع ہونے کا نتیجہ ہے اور احسان بھی اسی اسم کی حقیقت کا نتیجہ ہے جس کی نسبت حدیث میں یوں وارد ہوا ہے کہ احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالےٰ کی اس طرح پر عبادت کرو کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر یہ نہ ہو سکے تو اتنا تو ہو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے

الحکمۃ زجاج نحوی کہتے ہیں کہ حاکم اور حکمۃ کا مفہوم ایک ہی ہے۔ جیسے واسط اور وسط اور حکم لغت میں بمعنے منع یعنی کسی کو کسی امر سے روکنے والے مستعمل ہے چنانچہ حکمہ لگام کو بولتے ہیں کیونکہ گھوڑے کو روکتی ہے اور حکمت بمعنی دانش ہے

Marfat.com

کیونکہ مدعی کو سزا دینا حکم کرنا ہے اور یہی معنی حکم میں ملحوظ ہیں کیونکہ مدعی اور مدعا علیہ کو تو قاضی ہی سزا دیتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے وصف حکم کو ثابت کیا ہے جیسا کہ حکم الحاکمین اور احکم الحکمین اور احکم الحاکمین وغیرہا الفاظ قرآن مجید میں موجود ہیں اس لئے حاکم اور حکم کے معنے ایسی ذات کے ہیں جس کا فیصلہ نافذ ہو اور اس کو کوئی رد نہ کر سکے اللہ تعالیٰ کے حکم کی حقیقت کو سمجھنا چاہئے کہ کس طرح اس نے سعادت و شقاوت کے اسباب کا سلسلہ دنیا میں قائم کر دیا ہے قضاء و قدر و حقیقت حکم ذات باری پر مرتب ہیں اور انہیں پر یہ تمام سلسلہ کائنات کا چل رہا ہے اس نے حکم ازلی سے اسباب کلیہ کو وضع کر کے ان کے مسببات کو ان اسباب سے متعلق کر دیا ہے اور مسببات کو اسباب کے متعلق کرنے سے یہ مطلب ہے کہ وہ اپنی مشیت ازلی کے مطابق تمہید و مقدمہ منسوبہ متناسبہ تحریکات و اثر کے متعلق آتا فاتا پیدا کر رہتا ہے اس لئے سعادت و شقاوت کے متعلق بھی ایک ایک آن میں مناسب اسباب ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں اور ان میں سے کسی سبب کی بھی کمی بیشی کو دخل نہیں یہی وجہ ہے کہ کوئی امر احاطہ حکم و قدرت سے خارج نہیں جب اللہ تعالیٰ کسی کے حق میں سعادت کا حکم نافذ کرنا چاہتا ہے تو اس کے اسباب مناسبہ کو متوجہ کر دیتا ہے علیٰ ہذا شقاوت کے اسباب مناسبہ کو بھی اسی طرح ظہور میں لاتا ہے اسباب سعادت قلب بسط و انشراح اور اسباب شقاوت قبض و انقباض کا موجب ہو کر حکم ازلی کو پورا کر دیتے ہیں نظر دقیق اس امر کا فیصلہ کرتی ہے کہ تمام امور عالم کا انتظام سلسلہ اسباب و مسببات سے وابستہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز کا ایک اندازہ مقرر فرما رکھا ہے اور تمام عالم بمنزلہ ایک کل کے ہے جس کے پرزے اپنی اپنی جگہ حرکت کر رہے ہیں اور [illegible] زمین و آسمان چاند اور سورج عناصر اربعہ

Marfat.com

کی کل کے لئے بمنزلہ پرزوں کے ہیں مثلاً غور کرو کہ آفتاب جب اپنی حرکت میں افق
مشرق پر نمودار تو دنیا میں روشنی پھیل جاتی ہے اور لوگ اس کی روشنی میں
اپنے کاروبار کو سرانجام دیتے ہیں اور اس کی حرارت سے نباتات و حیوانات تربیت
پاتے ہیں اور جب مغرب میں چلا جاتا ہے تو لوگ اپنا کاروبار چھوڑ کر آرام لینے پر
مجبور ہوتے ہیں اور جب وسط آسمان یعنی خط استواء سے قریب آجاتا ہے۔ تو
موسم گرما میں ضروری پیداواریں تیار ہوتی ہیں اور جب خط استواء سے دور
چلا جاتا ہے تو موسم زمستان میں سردی پڑنے لگتی ہے اور اس موسم کے متعلقہ نباتات
نشوونما پاتی ہیں اور جب خط استواء اور قطب شمالی یا قطب جنوبی کے درمیان
ہوتا ہے تو اعتدال کی صورت پیدا ہو جاتی ہے اور ہر دو موسم بہار یعنی ربیع و خریف
کا دورہ ہوتا ہے فصول اربعہ کے یہ تغیرات گو ایسے واضح امور ہیں جن سے ہر ایک
شخص واقف ہے مگر ان کے ذیل میں ہزاروں عجائبات کا متنوع خزانہ ودیعت
رکھا گیا ہے جن سے ذات باری کے علم سے اعلیٰ نظام کائنات کا ثبوت ملتا
ہے اور یہ سب کچھ مشیت ازلی پر مبنی ہے قال اللہ تعالیٰ والشمس والقمر
بحسبان یعنی شمس و قمر کی حرکات ایک اندازہ معین پر رکھے گئے ہیں اس کے
مطابق عالم کائنات میں لاکھوں حوادث ضروریہ کا وقوع ہوتا رہتا ہے اور اس
حسبان میں اشارہ ہے اسی مشیت ازلی کی طرف جس پر تقدیر و قدر کے احکام
مترتب ہوتے رہتے ہیں اسی کو تدبیر اول بولتے ہیں مگر وہ بالاتفاق بحث مسئلہ
جبر و اختیار کی صورت بھی واضح ہو سکتی ہے وہ لوگ جو مشیت قدیم کے کل کے
ہیں و انسان کو مختار مطلق مانتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ انسان خود اپنے ارادہ
کے مطابق کسی امر کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار رکھتا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ
ہمیں کوئی کسی امر کے کرنے یا نہ کرنے پر مجبور نہیں کرتا اور ہر انسان کو یہ

Marfat.com

یوں وارد ہوا ہے مَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ یعنی جو شخص چاہے ایمان لائے اور جو شخص چاہے انکار کر دے اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انسان خود مختار ہے اللہ تعالےٰ کی طرف سے اس پر کوئی جبر نہیں ہم کہتے ہیں کہ اگر ہم مان لیں کہ کسی امر کے کرنے یا نہ کرنے کا انسان کو اختیار ہے اور وہ آزاد محض ہے تو اس ارادہ کی علت کیا ہے جس پر اس کا کرنا یا نہ کرنا مبنی ہے کیا اس ارادہ کا پیدا کرنا بھی انسان کے اختیار میں ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر اس ارادہ کا پیدا کرنا بھی انسان کا فعل مانا جاوے تو اس ارادہ کے لئے بھی ارادہ کی ضرورت ہوگی علےٰ ہذا القیاس تسلسل لازم آئے گا جس کے بطلان پر لازم آئے گا کہ انسان سے کبھی کوئی فعل ہی وقوع میں نہ آسکے لہٰذا ہمیں تسلیم کرنا پڑا کہ انسان اپنے افعال میں مختار مطلق نہیں۔ بلکہ تابع مشیت الٰہی ہے رہا مذکورہ بالا آیت سے استدلال سو وہ نہایت انتظام کے ساتھ مشیت الٰہی کو ثابت کر رہی ہے کیونکہ اس میں گو بظاہر مشیت انسان کو مطلق ثابت کیا ہے مگر دوسری آیات سے اس کا مقید ہونا خود ثابت ہو رہا ہے قال اللہ تعالےٰ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ط اس لئے مذہب صحیح یہی ہے کہ انسان اضطرار و اختیار کے مابین رکھا گیا ہے یعنی ہم فاعل ہیں مگر ہمارا فعل مشیت ذات باری پر موقوف رکھا گیا ہے کیونکہ ہماری مشیت معلول ہے مشیت باری کا اور بس۔ ایک حدیث سے اس کی مؤید یوں ہوتی ہے قَلْبُ الْمُؤْمِنِ بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ یعنی مومن کا قلب اللہ تعالےٰ کی دو انگلیوں کے درمیان رکھا ہے۔ جس طرح چاہتا ہے اسے پھرا دیتا ہے گو یہ حدیث منجملہ متشابہات کے ہے مگر محققین متاخرین نے اس کی توجیہ یوں کی ہے کہ دو انگلیوں سے خیر و شر کے وہ دو سبب مراد

ہیں جوارتکاب فعل یا ترک فعل کا موجب ہوتے ہیں اور قلب ان ہر دو سبب کے درمیان رکھا گیا ہے۔ اگر سبب فعل مشیت باری سے حاصل ہو جاتا ہے تو ارتکاب فعل ہو جاتا ہے اور اگر سبب ترک موجود ہو تو فعل ظہور میں نہیں آسکتا یہی وجہ ہے کہ ایک دعائے نبوی میں یہ الفاظ مروی ہیں یا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ اور اگر غور کرو تو معلوم ہو گا۔ کہ قلب (دل) قلب کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اسباب مختلفہ کے پیش آنے پر ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منقلب ہوتا رہتا ہے۔

انسان کامل کو اس اسم سے یہ حظ حاصل ہوتا ہے کہ حیثم بصیرت سے دیکھ لیتا ہے کہ تمام امور مقدرہ حسب مشیت ازلی باری ہیں۔ جن میں کمیت و کیفیت کے رو سے کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ سو جب اس کو کامل یقین ہو جاتا ہے کہ مقدر ازلی اٹل ہے تو اس کو مستقبل سے کچھ سروکار نہیں ہوتا۔ بلکہ جو حالت اس پر گذرتی ہے اس کو سابقہ ازلی کا نتیجہ سمجھ کر مطمئن رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا مَنْ عَرَفَ سِرَّ اللّٰهِ فِی الْقَدَرِ هَانَتْ عَلَيْهِ الْمَصَائِبُ جو شخص اللہ تعالےٰ کے راز قضا و قدر کو جان لیتا ہے اس پر مصائب آسان ہو جاتے ہیں اور پھر فرمایا الْمَقْدُوْرُ كَائِنٌ وَالْهَمُّ فُضُوْلٌ یعنی امر مقدر کا وقوع ضروری ہے اور کوشش و محنت امر زائد ہے اس جملہ کا یہ مطلب نہیں کہ کوشش و محنت مقدر سے کوئی خارج امر ہے بلکہ یہ بھی مقدر ہی ہے مگر اس کو کسی امر کے دفع کرنے میں کچھ دخل نہیں کیونکہ اگر اس کو دفع میں کچھ دخل ہوتا تو لازم آتا کہ شے (کوشش و محنت) اپنے اصل (مشیت ازلی) کو باطل کر دے اور یہ محال ہے۔

Marfat.com

بعض محققین اہل باطن کا قول ہے کہ ہر ایک شخص اپنے خاتمہ سے ڈرا کرتا ہے میں سابقہ ازلی سے ڈرتا رہتا ہوں کیونکہ خاتمہ کا اچھا یا برا ہونا سابقہ ازلی پر مبنی ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ کے مقدرات ناممکن ہے۔ کہ حاجز و جاہل کے حیلے سے ٹل جائیں ہم کسی باغ یا زراعت کو ہرا بھرا دیکھتے ہیں پھر کل نا گہاں کسی آفت کے نازل ہونے پر بے نام و نشان ہو جاتے ہیں۔ قال اللہ تعالےٰ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ اسی طرح عبد کا حال ہے کہ وہ عمر بھر عبادات میں مجاہدت اور ریاضت کرتا ہے اور اللہ تعالےٰ کی بے نیازی اس کو قعر جہنم میں لے جاتی ہے فاعتاذ باللہ تعالیٰ

پاکیزہ لوگ جنہیں اپنے خاتمہ کی فکر ہے اور ایک وہ جنہیں سابقہ ازلی پر نظر ہے اور ایک وہ حضرات ہیں جنہیں غایت استغراق کی وجہ سے حال کی طرف بھی توجہ نہیں یہی لوگ ہیں جو سب سے بڑھ کر مقرب بارگاہ ہونے کا استحقاق رکھتے ہیں۔ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ

العدال عدل مصدر ہے اور بطور مبالغہ فی الوصف اس سے عادل مراد لیا کرتے ہیں جیسے رَبٌّ سے رَابٌّ بَرٌّ سے بَارٌّ مراد ہے یعنی مصدر بمعنے صیغہ صفت اسم فاعل کے اکثر مستعمل ہے یُقَال عَدَلْتُ الشَّیْءَ اَعْدِلُ لَهٗ اِذَا قَوَّمْتَهٗ یعنی عدل کے معنے راست کرنے کے ہیں جو کج کرنے کی ضد ہے اعتدال فی الامور اسی سے مشتق ہے جس کے معنے استقامت کے ہیں اس لئے اللہ تعالےٰ کے عدل ہونے سے یہ مراد ہے کہ ذات باری تمام نقائص سے جو افراط و تفریط کا نتیجہ ہیں بالکلیت پاک ہے مثلاً وہ تنزیہ اور تشبیہ ہر دو سے بالاتر ہے یعنی نہ صرف تنزیہ جس سے صفات کی نفی لازم آئے اور نہ صرف تشبیہ جس سے اس کا جسم ہونا لازم آئے۔ بلکہ

Marfat.com

وہ ذات مقدس تنزیہ اور تشبیہ ہر دو کے درمیان ہے اور یہی مسلک جمہور حضرات ائمہ اہل السنت والجماعۃ کا ہے چونکہ ذات باری ہر ایک قسم کی افراط و تفریط سے پاک ہے اس لئے وہ جور و ظلم سے منزہ ہے معتزلہ اور بعض دیگر اہل کفر و بدعت نے اس اسم پر اپنے ایک اعتراض کی بنا قائم کی ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ جب خالق کفر ذات باری ہے اور کفر پر عذاب بھی وہی ذات کریگی اور یہ عذاب بھی ابدی ہوگا تو یہ کہاں کا عدل ہے؟ اس لئے ضروری ہوا کہ خالق کفر ذات باری نہیں بلکہ خود انسان ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ ذات باری کا وصف خلق اس کے علم اور ارادہ پر مبنی ہے اور وہ کبھی باہم مخالف نہیں ہو سکتے لہذا وہی ذات خالق اشیاء ہے اس اعتراض کا جواب یقیناً معترضین کے پاس کچھ نہیں۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ وصف عدل کا ادراک ظلم و جور کی حقیقت کے ادراک پر مبنی ہے اور ظلم کے معنے ہیں وَضْعُ الشَّیْءِ فِی غَیْرِ مَوْضِعِہٖ یعنی کسی چیز کو ایسے محل پر رکھنا جو درحقیقت اس کا محل نہیں اور اس امر کی حقیقت کا پتہ ذات باری کے افعال میں غور کرنے سے لگتا ہے اس لئے حقیقت عدل کا ادراک افعال ذات باری میں غور کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے اور افعال ذات باری کی حقیقت کا پتہ اس شخص کو لگ سکتا ہے جو ملکوت السموات والارض کی موجودات اور ان کے روابط کی حقیقت سے آگاہ ہو اور سلسلہ نظام کائنات کو اسباب و مسببات کی صورت میں مشاہدہ کر سکتا ہو۔

بعض اوقات عام لوگ یہ سمجھا کرتے ہیں کہ ایذاء ظلم ہے اور اس کو نفع عدل مگر درحقیقت یہ صحیح نہیں کیونکہ ایک واعظ کو شحنہ اور ایک سپاہی کو علم حدیث کی کوئی کتاب بطور انعام دینا ایصال نفع تو ہے مگر اس کو عدل نہیں کہیں گے کیونکہ عدل وہی ہے جس کی تفسیر وضع الشیء فی موضعہ ہے

یا اگر غضب میں آکر کسی مجرم کو عقوبت کرنا یا کسی مریض کو کڑوی دوا تلخ پلانا یا اس کے زخم کا چیر پھاڑ کرنا عین عدل ہے۔

انسان کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے افعال کو عین عدل سمجھتا ہے اور خواہ وہ اس کے مخالف ہوں یا موافق ان پر اعتراض نہ کرے اور اسی لحظ کا نتیجہ ہے کہ وہ زمانہ یا فلک کو بھی برا بھلا نہیں کہتا جب کہ عام شعراء کا قاعدہ ہے کیونکہ اس سے حوادث کو غیر اللہ کی طرف نسبت کرنا پایا جاتا ہے۔ بلکہ اسے یقین کلی ہوتا ہے کہ تمام حوادث ارادہ ذات باری پر مبنی ہیں اور تمام اسباب زمانہ نجوم وغیرہ اس کے ارادہ ازلی کے تابع ہیں الغرض انسان کامل کو اس اسم سے جو بہرہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ افراط و تفریط سے محفوظ ہو کر غضب و شہوت کو قوت عاقلہ کے تابع رکھتا ہے اور جب وہ اپنی ذات میں وصف عدل سے موصوف ہو جاتا ہے تو اصلاح نفس کے بعد دیگر بنی نوع کی اصلاح کیطرف متوجہ ہوتا ہے چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہوا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ یعنی ہر ایک شخص اپنی اپنی رعایا کی بابت قیامت کو پوچھا جائیگا انسان کے اعضاء اور قوی بھی اس کی رعایا ہیں۔

اللطیف قال اللہ تعالیٰ اَللّٰہُ لَطِیْفٌ بِعِبَادِہٖ اور فرمایا اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ اس اسم کی حقیقت کا ادراک بھی ذات باری کے افعال کی حقیقت پر مطلع ہونے کی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے اور اس کی تفسیر میں چار قول مذکور ہیں۔

(۱) اس چھوٹی سی چھوٹی چیز کو بھی لطیف کہہ دیا کرتے ہیں جو بدرجہ غائت صغیر ہو نیز کیونکہ سے محسوس نہ ہو سکتی ہو چونکہ اللہ تبارک و تعالےٰ کی ذات جسم اور جہت سے بالاتر ہے اور اس کا احساس ناممکن ہے اس لئے یہاں لفظ ملزوم سے

Marfat.com

اس کا لازم معنے یعنی ذات غیر محسوس مراد ہے۔

(ب) لطیف اس شخص کو بولتے ہیں جو باریک سے باریک امور کا علم رکھتا ہو چنانچہ لطیف الید ایسے شخص کو بولتے ہیں جو اپنی صنعت میں اعلیٰ مہارت اور زائد کا استعمال کر جانتا ہو جس کو کوئی دوسرا آسانی نہ بجا لا سکے اس تفسیر کے رو سے لطیف سے وصف علم کا اشارہ مفہوم ہوتا ہے چونکہ ذات باری کے افعال میں اعلیٰ سے اعلیٰ لطافت پائی جاتی ہے اس لئے وہ لطیف ہے۔

(ج) لطیف وہ ذات ہے جو اپنے بندوں پر اس طرح مہربان ہو کہ ان کو اس کے طریق لطف کا نہ تو علم ہو اور نہ ان وجوہ مصالح سے جو ان کی بہبودی کے لئے نثار کرتا ہے کوئی آگاہ ہو قال اللہ تعالیٰ لَطِیْفٌ بِعِبَادِہٖ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ

(د) امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسم لطیف کا استحقاق اس ذات کو حاصل ہے جو دقیق سے دقیق مصالح کا علم رکھنے کے ساتھ ان مصالح کو ان کے مناسب مواضع تک نہایت نرمی کے ساتھ پہنچا دے اور جب یہ علم اور عمل ہر دو کسی ذات کو حاصل ہوں تو وہ بدرجۂ کمال لطیف ہے سو یہ کمال بجز ذات باری کے کسی کو حاصل نہیں کمال علم تو ظاہر ہے کیونکہ کوئی امر ظاہر ہو یا باطن ذات باری پر مخفی نہیں بلکہ ہر دو اس کے نزدیک یکساں ہیں اور افعال میں اس کے رفق یعنی نرمی کا یہ حال ہے کہ عقل انسانی اس کے حصر سے عاجز ہے دیکھو انسان کے میکل عنصری میں کس قدر قوتیں عمل کر رہی ہیں مگر انسان کو ان کے عمل کا کچھ علم نہیں ہوتا عالم کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے اگر ہم اس میں سے صرف ایک قسم کی تشریح کرنے لگیں جس کو انسان اپنے منہ میں رکھتا ہے تو اس کی ابتداء سے انتہا تک کے اسباب کو بیان کرنے کے لئے نہ معلوم کائنات کے آسمانی اور زمینی ورق الٹنے پڑیں گے اور پھر بھی ہم ہزاروں اور لاکھوں مخفی اسباب سے بے خبر رہیں گے اور ان اسباب ضروریہ کے عمل کے رو سے ذات باری کو مختلف

Marfat.com

اسماء سے تعبیر کریں سکے چنانچہ وہ کہتے ہیں جواد ہے مصور ہے عدل ہے لطیف ہے۔ اور اس تشریح کی حقیقت سے وہی شخص آگاہ ہو سکتا ہے جو افعال ذات باری کی حقیقت کا ادراک کر سکتا ہے۔

واضح ہو کہ ذات باری کے لطف کا نتیجہ ہے کہ اس نے ہمیں حصول سعادت کے اسباب پیدا کر کے ان کے استعمال کی توفیق دی جبکہ ایک مختصر مدت العمر میں اسے ابدی خوشی یا اخروی نعمات سے بہرہ یاب ہونے کا موقع دے رکھا ہے

صوفیاء مشائخ فرماتے ہیں کہ لطیف وہ ذات ہے جو ہر ایک مشکل کو آسان بنا دے اور بعض کہتے ہیں کہ لطیف وہ ذات ہے جو ابتداء میں تو ہر عمل صالح عطا فرمائے اور انتہا میں اس کو پایہ قبول بخشے اور بعض نے یوں تفسیر کی ہے کہ لطیف وہ ذات ہے کہ بار بار دوالی ہونے کے ستر عیوب کرے اور اپنی عطا سے غنی بنا دے۔

انسان کامل کو اس سے یہ بہرہ ملتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر شفقت و رافت کا اظہار فرمائے جس کی اعلیٰ صورت یہ ہے کہ وہ بندگان خدا کو دعوت الی الحق کرے بعض محققین نے لکھا ہے کہ عارف کا نشان یہ ہے کہ وہ جب کسی شخص کو امر بالمعروف کرتا ہے تو طریق انبیاء علیہم السلام کے مطابق نرمی کا استعمال کرتا ہے اور درشتی سے بھرکام نہیں لیتا (و بصائر) کی یہ ہے کہ وہ سر قضا و قدر کو چشم بصیرت سے دیکھ رہا ہوتا ہے

الخبیر (ص) قال اللہ تعالیٰ وھو اللطیف الخبیر اور پھر فرمایا واللہ بما تعملون خبیر یہ اسم مصدر خبرت سے مشتق ہے جس کے معنے آگہی کے ہیں اور علماء نے اس کی تفسیر دو طرح پر کی ہے اول یہ کہ خبیر وہ ذات ہے جو اشیاء کی کنہ اور حقیقت پر مطلع ہو یقال فلان خبیر ببطن الامر وله به خبرة وھو المخبر به من فلان ای اعلم۔ مگر جب انسان کے لئے اس اسم کا استعمال کیا جاتا ہے تو اس

مراد ایسے علم سے ہوا کرتی ہے جو بذریعہ امتحان حاصل ہوتا ہے مگر اللہ تعالےٰ کا علم امتحان یا یوں کہو کہ تجربہ و مشاہدہ پر مبنی نہیں بلکہ اس کا علم ذاتی ہے دوم عبد الملک طبری لکھتے ہیں کہ فعیل بمعنے مفعل مستعمل ہے چنانچہ یہاں بھی خبیر بمعنے مُخبِر یعنے خبر دینے والا ہے جیسے بدیع بمعنے مُبدِع اس صورت میں خبیر سے کلام ذات باری مراد ہوگا۔

امام غزالی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خبیر وہ ذات ہے جو تمام اخبار باطنہ سے آگاہ ہو اور ملکوت السّموات والارض میں کوئی ایک ذرّہ بدون اس کے علم کے سکون و حرکت نہ کر سکے اس لئے اسم علیم کا مترادف ہے فرق صرف یہ ہے کہ علم ذات باری کو جب خفایائے باطنہ کی طرف نسبت کی جاتی ہے تو اس کو خبرۃ بولتے ہیں گویا اسم خبیر خاص ہے اور اسم علیم عام۔

انسان کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے عالم صغیر یعنی قلب کے تمام اندرونی حالات سے بروجہ کمال آگاہ ہوتا ہے اور محاسن اخلاق اور مقابح صفات سے پوری واقفیت رکھتا ہے اور اس بارے میں شیطان اور نفس کے نہایت باریک تسویلات باللہ پر مطلع ہو کر ان سے محترز رہتا ہے۔

حضرات مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس اسم کی حقیقت سے واقف ہو جاتا ہے وہ تقویٰ کی صراط مستقیم سے کبھی منحرف نہیں ہوتا اور خواہشات نفس سے برطرف رہتا ہے چنانچہ امام علی زین العابدین بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نصرت عشیرہ (قبیلہ) عزت اور بلا سلطنت زیبت اور بلا فقر تونگری کی خواہش رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ ذلت معصیت سے نجات پاکر عزت طاعت کی بلندی پر ترقی کرے۔

اَلْحَلِیْمُ یہ اسم مصدر حلم سے مشتق ہے جس کے معنے سکون نفس کے ہیں علماء لکھتے ہیں کہ حلیم وہ ذات ہے جو باوجود گناہ اور جرم کے دیکھنے اور قدرت انتقام رکھنے

کے مواخذہ کرنے میں جلدی نہ کرے کیونکہ اگر کوئی شخص انتقام میں جلدی نہ کرے مگر اس کی نیت انتقام کی ہو تو وہ حلیم نہیں کہلا سکتا بلکہ اسے حقود یعنی کینہ توز کہتے ہیں۔ اور اگر وہ یہ عزم رکھتا ہو کہ کبھی انتقام نہیں لیگا تو اس کو عفو و مغفرت بولتے ہیں اور یہ حلم نہیں۔ اس لئے سوال یہ عائد ہوتا ہے کہ آیا حلم میں انتقام کا نہیں بھی مضمر ہے؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں کیونکہ اگر وہ حلم مستقم بھی ہوتا تو ذات باری کے ذوالانتقام ہونے کے کوئی معنے نہ تھے وجہ اس کی یہ ہے کہ ذوالانتقام میں جلدی یا دیر سے انتقام کا مفہوم شامل نہیں اس لئے صحیح یہ ہے کہ حلیم ذوالانتقام کا ضد ہے

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ذات باری کا حلم انسانی دائرہ قیاس سے بالاتر ہے اور یہی وجہ ہے کہ کتاب مجید میں ارشاد فرمایا وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ یعنی اگر اللہ تعالےٰ لوگوں کو ان کی بداعمالیوں پر پکڑنے لگتا تو روئے زمین پر کوئی متنفس زندہ نہ چھوڑتا۔

روائیت حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی نسبت مروی ہے کہ آپ نے ایک شخص کو فسق و فجور میں مستغرق دیکھ کر اس کی ہلاکت کی دعاء کی وہ شخص ہلاک ہو گیا پھر ایک دوسرے شخص کو اسی حالت میں دیکھا اور دعاء کی چنانچہ وہ بھی ہلاک ہوا علیٰ ہذا ایک تیسرے کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئی جب چوتھی دفعہ آپ ایک فاسق کی نسبت دعائے ہلاکت کرنے لگے تو بذریعہ وحی آپ کو بارگاہ رب العزت سے یوں مخاطب ہوئی کہ اے ابراہیم! بس ٹھہر جاؤ اگر ہم ہر ایک شخص کو اسی طرح گناہوں پر مواخذہ کرنے لگیں تو روئے زمین پر سوا گنتی کے چند آدمیوں کے کوئی زندہ نہیں رہیگا۔ مگر ہمارا قانون ہے کہ جب کوئی معصیت کرتا ہے تو ہم اسے مہلت دیتے ہیں اگر وہ توبہ کر لے تو ہم اسی کی توبہ کو قبول فرما لیتے اور اگر معصیت پر اصرار کرتا چلا جائے تو عذاب میں تاخیر کر دیتے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ بیچارہ ہمارے

Marfat.com

قبضۂ قدرت سے کبھی باہر نہیں جا سکتا۔

روائت۔ ایک نوجوان سخت فاسق و فاجر تھا مگر اس میں خوبی یہ تھی کہ وہ جو بھی گناہ کرتا فی الفور توبہ کر لیا کرتا یعنی گناہ پر اصرار نہ کیا کرتا تھا ایک دفعہ ابلیس نے اس کو ایک خاص حالت میں مخاطب کر کے کہا کہ تم کب تک ایسا کرتے رہو گے۔ ابلیس کی اس سے یہ غرض تھی کہ اس کو رحمت خداوندی سے ناامید کر دے جب رات ہوئی تو وہ نوجوان اٹھا اور وضو کیا اور دو رکعت نماز ادا کر کے ہر دو ہاتھ آسمان کیطرف بلند کئے اور یوں مناجات کرنے لگا۔

"اے میرے پاک اور سچے خدا جو معصوموں کو عصمت عطا کرتا ہے اور صالحین کی صلاح فرماتا ہے اگر تو مجھے بچائیگا تو میں بچ جاؤنگا۔ اور اگر تو نے مجھے چھوڑ دیا تو میں ذلیل ہو جاؤں گا میں تیری مشیت ازلی کے آگے مقہور ہوں میرا خیر و شر سب کچھ تیرے ہاتھ میں ہے اے دلوں کے پھیر دینے والے خدا! میرے قلب (دل) کو اپنے پاک دین کی صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھ۔" جب وہ شخص مناجات کر چکا تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے کرام کاتبین ملائکہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ "اے میرے ملائکہ! کیا تم نے میرے بندے کے کلام کو سنا ہے؟ تم شاہد رہو کہ ہم نے اس کے گذشتہ نامۂ اعمال کو جو کثرت گناہ سے سیاہ ہو گیا تھا آب رحمت سے دھو ڈالا اور آئندہ کے لئے اس کو توفیق عصمت عطا فرما دی ہے۔

روائت۔ مالک بن دینار رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے پڑوس میں ایک شخص نہایت فاسق و فاجر رہا کرتا تھا لوگ اس کی بے اعتدالیوں سے تنگ آ گئے انہوں نے مجبور ہو کر ایک دن میرے پاس شکایت کی میں نے اسے بلا بھیجا اور کہا کہ یا تو تم اپنی بدکرداریوں سے باز آ جاؤ یا اس محلہ کو چھوڑ دو اس نے جواب دیا کہ میں نہ تو اپنی عادت سے باز آؤنگا اور نہ ہی محلہ کو چھوڑونگا ہم نے کہا کہ

ہم بادشاہ کے پاس تمہاری شکائت کرینگے اس نے کہا کہ بادشاہ مجھے بخوبی جانتا ہے ہم سے کہا کہ ہم اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں تمہارے لئے دعائے بد کریں گے اس نے کہا کہ اللہ تعالےٰ کی نسبت مجھ پر زیادہ مہربان ہے مجھے اس شخص کا یہ کلام سنکر سخت غصہ آیا جب رات ہوئی تو میں اٹھا اور وضو کیا اور اس کے حق میں دعائے بد کی۔ اتنے میں ایک ہاتف غیب سے آواز دی کہ دعائے بد مت کرو کیونکہ وہ شخص اللہ تعالےٰ کی حفاظت اولیاء میں داخل ہے۔ مالک رحمہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے کئے پر سخت پچھتایا اور گھر سے نکل کر اس شخص کے گھر پہنچا اس نے مجھے دیکھ کر یہ سمجھا کہ میں اسے محلہ سے نکالنے کے لئے آیا ہوں وہ مجھ سے عذر خواہی کرنے لگا میں نے کہا کہ میں اس لئے تمہارے پاس نہیں آیا بلکہ رات کو تمہاری نسبت مجھے ایک واقعہ پیش آیا ہے چنانچہ میں نے وہ واقعہ کہہ سنایا اور سنتے ہی زار زار رونے لگا اور توبہ کی اور گھر سے نکل پڑا اور اللہ تعالےٰ نے اس کی توبہ قبول کر لی پھر اس کے بعد ایک دفعہ جب مجھے حج جانے کا اتفاق ہوا تو میں نے ایک مجلس میں اس شخص کو بیمار پڑا پایا۔ اور میرے پہنچنے پر چند سانس لئے اور ملک عدم کو سدھارا انا للہ وانا الیہ راجعون

واضح ہو کہ حلم منجملہ محاسن اخلاق کے ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو جس فرزند ارجمند کے پیدا ہونے کی خوش خبری سنائی ہے اس کو وصف حلم سے موصوف ظاہر فرمایا ہے حیث قال فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ

حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ حلیم وہ ذات ہے جو بندوں سے درگذر کر جائے اور عیوب پر پردہ پوشی کرے بعض لکھتے ہیں کہ حلیم وہ ذات ہے کہ پردہ پوشی کرنے کے بعد مغفرت عطا فرماوے اور بعض نے یوں تفسیر کی ہے کہ حلیم وہ ذات ہے جو حفظ مودت اور حسن عہد اور ایفائے وعدہ سے متصف ہو بعض لکھتے ہیں کہ حلیم وہ ذات ہے جو یستغفرون فی الذنوب کو معاف کرے اور بعض نے یہ توجیہ کی ہے کہ حلیم وہ ذات

Marfat.com

ہے جس کو کسی ناصبی کی معصیّت غضب میں نہ لائے۔

انسان کامل کو اس اسم سے جو بہرہ ہوتا ہے وہ پُر ظاہر ہے اور حق یہ ہے کہ حلم انسان کے لئے زینت باطنی ہے یہی وجہ ہے کہ بعض آثار میں وارد ہُوا ہے کہ حلیم اپنے حلم سے درجۂ نبوّت کے قریب پہنچ جاتا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ غضب کو روکنا ایک بھاری جہادِ نفس ہے جس کے ضمن میں کئی ایک اخلاقی خوبیاں مندرج ہیں۔

اَلْعَظِیْمُ قال اللہ تعالیٰ وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ مصدر عظمت سے مشتق ہے واضح ہو کہ وصف عظیم از روئے لغت ایسے جسم پر اطلاق کیا جاتا ہے جو کسی دوسرے جسم کی نسبت مساحت میں زیادہ ہو اس لئے جب دو چیزیں ایسی ہوں کہ ایک دوسری کی نسبت طول و عرض و عمق میں بڑی ہو تو اس کو عظیم بولیں گے اور جو کئی چیزیں ایسی ہوں کہ ان میں ایک دوسری کی نسبت اور دوسری تیسری کی نسبت اور تیسری چوتھی کی نسبت علی ہذا القیاس بڑی ہو تو جو چیز سب سے بڑی ہو گی وہ اعظم کہلائے گی اس لئے ہر ایک چیز اپنے سے نچلی چیز کی نسبت عظیم ہوتی ہے اور ایسی چیز کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں اول یہ کہ۔ دیکھ کر آنکھیں اس کی ہیبت سے پُر ہو جائیں دوم جس کے اطراف کو آنکھ احاطہ نہیں کر سکتی جیسے زمین و آسمان کیونکہ ہاتھی اور پہاڑ بھی عظیم الجثہ ہیں۔ مگر ان کے اطراف کو آنکھ احاطہ کر سکتی ہے اس لئے زمین و آسمان بہ نسبت دیگر اشیاء کائنات کی عظیم ہیں یہی وجہ ہے کہ جسمانیات میں انہیں عظیم مطلق کہا جاتا ہے۔

جس طرح جسمانی چیزوں میں ایک چیز دوسری چیز کی نسبت عظیم ہوتی ہے اسی طرح عقلی چیزوں میں بھی حقائق متفاوت ہیں جن میں سے بعض کا تو عقل انسانی احاطہ کر سکتی ہے اور بعض دائرہ عقل سے خارج ہیں اس سے معلوم ہُوا کہ حقائق عقلیہ مثلاً علم قدرت سلطنت وغیرہ کے رو سے بعض چیزیں ایسی ہو سکتی ہیں جو بہ نسبت دوسری چیزوں کے بدرجہ غایت عظیم ہو سکتی ہیں چنانچہ قرآن مجید و عظیم کہا گیا ہے اور حدیث میں

ہرقل قیصر روم کو عظیم الروم کے خطاب سے تعبیر کیا گیا ہے چونکہ ذات باری اپنی صفات علم قدرت عزت و سلطان وغیرہا میں تمام موجودات سے بدرجۂ لامتناہی برتر ہے اس لئے وہی حقیقی طور پر عظیم کہلانے کی مستحق ہے اس لئے وہ ہر ایک عظیم سے اعظم ہے کیونکہ اس کی کنہ عظمت کو عقول بشری ہرگز احاطہ نہیں کر سکتیں. بلکہ تمام موجودات اس کی عظمت و جبروت کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتی کیونکہ ماسوی اللہ جو کچھ بود پذیر ہو چکا ہے اور آئندہ ہوگا متناہی ہے اور وہ ذات باکمال لامتناہی اور متناہی کو لامتناہی سے کچھ نسبت نہیں بلکہ حق یہ ہے کہ ماسوے اللہ ذات باری کے مقابلہ میں ہیچ محض ہے قال اللہ تعالےٰ کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ. بلکہ اگر عرش بریں سے فرش زمین تک تمام افراد موجودات کا ہزار گنا موجودات وجود پذیر ہو جاوے. تو پھر بھی اس کو بمقابلہ ذات باری عزاسمہ کوئی نسبت نہیں ہو سکتی کیونکہ بہر صورت وہ موجودات متناہی ہی ہوگی یہی وجہ ہے کہ کتاب مجید میں ارشاد فرمایا اِنَّمَا اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ اس کی لامتناہی قدرت کے سامنے تمام سلسلہ کائنات کا درہم برہم کر دینا اور ایک ناتواں چیونٹی کے مسکن کا تباہ کرنا ایک ہی بات ہے. فَسُبْحَانَهٗ مِنْ مَلِكٍ تَحَیَّرَتِ الْعُقُوْلُ فِی الْوَارِدِ صَمَدِیَّتِهٖ وَبَلَغَتِ الْاَوْهَامُ فِیْ اِدْرَاكِ عِزَّتِهٖ

انسان کامل کو اس اسم سے جو بہرہ ہوتا ہے اس کے موازنہ کرنے کے لئے اس اصل میں غور کرنا چاہیئے کہ جب دو چیزوں میں سے ایک بدرجۂ غایت کامل ہوتی ہے اور دوسری بہت ناقص تو ہر دو کے اتصال کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ناقص کامل میں کامل کے اوصاف نشان ہو جایا کرتی ہے جیسے ایک بارش کا قطرہ جب بحر یا یا سے اتصال پاتا ہے تو بے نام و نشان ہو جاتا ہے یا آگ کا شعلہ اگر کسی ایسے غار میں جا گرے جو بڑا ہو ڈال دیا جائے تو اس آگ میں پڑ کر محو ہو جاتا ہے یا ایک چھوٹے

Marfat.com

اڑنے کی آواز جو طبل و بوق کی آواز کے سامنے بالکل غیر محسوس ہو جاتی ہے۔ یا ایک چراغ کی روشنی جو نصف النہار میں ایک وسیع میدان میں جلا کر رکھ دیا جائے۔ الغرض محسوسات میں اس اصل کے کئی ایک نظائر موجود ہیں اسی طرح عقلیات میں بھی یہ اصل بجائے خود صحیح اور درست ہے ایک ادنیٰ شاگرد کا علم اپنے استاد کامل کے علم کے سامنے بالکل بے نمود ہوتا ہے اس لئے استاد اپنے شاگرد کی نسبت عظیم کہلانے کا مستحق ہے اسی طرح ایک شیخ اپنے مرید کی نسبت عظیم ہے اور جناب سرور کائنات تمام افراد امت سے عظیم ہیں اس اصل کے سمجھ لینے پر یہ معلوم کر لینا چاہئے کہ کسی شخص کا عظیم ہونا یا تو دنیوی پہلو میں ہوگا اور وہ ظاہر ہے کیونکہ جس قدر اعتبارات دنیوی از قسم مال و منصب کسی کو حاصل ہوں گے اسی قدر وہ شخص عظیم سمجھا جائیگا۔ یا دینی پہلو میں جس کی نسبت ایک حدیث میں ارشاد ہوا ہے مَنْ تَعَلَّمَ وَعَلِمَ وَعَمِلَ بِمَا عَلِمَ ثُمَّ عَلَّمَ الْغَيْرَ فَذٰلِكَ يُدْعٰى عَظِيْمًا فِي السَّمَاءِ یعنی جو شخص علم حاصل کر کے عمل کرتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے تو وہ ملائکہ میں اسے عظیم بولا جاتا ہے عارف کامل میں جب آثار بشریت مضمحل ہو جاتے ہیں اور انوار توحید مملکت قلب میں ظاہر ہونے لگتے ہیں تو وہ خود بے نام و نشان ہو کر بقاء ذات واحد حقیقی کے ساتھ زندہ ہوتا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بے نام و نشان ہو کر خود واحد حقیقی بنجاتا ہے عبد ہر ایک مقام میں عبد ہی رہتا ہے مال اس کو ایک عقلی اور معنوی تقرب ذات حقیقی سے اس حد تک حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ ظاہر و باطن میں مظہر صفات کاملہ ہو کر ان معارف و حقائق کا مالک ہو جاتا ہے جو عقول بشری کے اندازے سے بالاتر ہیں اور اسی مقام پر خرق عادات ظاہر ہونے لگتے ہیں۔

حضرات مشائخ لکھتے ہیں کہ عظیم وہ ذات ہے کہ جس کی عظمت اعتبار کی پر موقوف نہ ہو اور جس کی قدر و منزلت کا اندازہ لگانا ناممکن ہو اور بعض لکھتے ہیں

کہ عظیم وہ ذات ہے جس کی عظمت کا کوئی آغاز نہ ہو اور نہ اس کے جلال کا کوئی انجام۔

اَلْغَفُوْرُ غفران مصدر سے مشتق ہے اور مبالغہ کا وزن ہے اور غفار اور غفور میں فرق یہ ہے کہ غفار کا مبالغہ کمیت فعل کے متعلق ہے یعنی باوجود بار بار گناہ کرنے کے مغفرت کرنے والا غفار ہے اور غفور کا مبالغہ کیفیت فعل کے متعلق ہے یعنی ایسی مغفرت جو اپنی خوبی و عمدگی میں غایت کمال تک پہنچ گئی ہو مزید تشریح کے لئے اسم غفار کی تفسیر کو ملاحظہ کرنا چاہئے۔

اَلشَّكُوْرُ اس اسم کی تشریح میں چند ایک مسائل قابل تحقیق ہیں اوّل یہ کہ اسم شکور اسم فاعل (شاکر) کا صیغۂ مبالغہ ہے جو مصدر شکر سے مشتق ہے۔ اور اصل لغت میں اس کے معنے زیادتی کے ہیں چنانچہ شکیر الشجر درخت کی ان چھوٹی چھوٹی شاخوں کو بولتے ہیں جو اس کی جڑ میں نکل پڑتی ہیں اور ناقۃ شکیرۃ ایسی اونٹنی کو بولتے ہیں جس کا حوانہ دودھ سے پر ہو اور شکرت الارض اس وقت بولتے ہیں جب کسی زمین میں بہت سی نبات ہو قرآن مجید میں لفظ شکر اور شکور ہر دو ذات باری کے لئے وارد ہوئے ہیں اور امام غزالی رحمہ اللہ نے اس کی توجیہ یوں کی ہے کہ شکور وہ ذات ہے جو طاعت قلیل کے عوض میں اجر کثیر اور چند روزہ زندگی کے اعمال کے مقابلہ میں نعیم ابدی عطا فرماوے اور جو شخص اپنے محسن کے احسان پر اس کی ثنا کہتا ہے تو وہ بھی اس کا شکر گذار کہلاتا ہے چنانچہ فرمایا من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ یعنی جو شخص کسی محسن آدمی کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالےٰ کا شکر بھی ادا نہیں کریگا۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ قرآن مجید کے اکثر مواقع پر اللہ تعالےٰ نے اپنے نیک بندوں کی اعمال حسنہ پر ثنا کی ہے و غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ محض اس کی رحمت ہے اور درحقیقت وہ ثنا اس ذات

مقدس کی ثناء سمجھی جائے کیونکہ بندہ سے جو اعمال حسنہ صادر ہوتے ہیں وہ صرف اس کی توفیق کا نتیجہ ہیں اسلئے فی الحقیقت وہی ذات مقدس شکر کی مستحق ہے۔ اور حق یہ ہے کہ انسان اللہ تعالےٰ کے عہدہ شکر سے کبھی بری نہیں ہو سکتا کیونکہ توفیق شکر بجائے خود ایک نعمت ہے جس پر ادائے شکر واجب ہے اس لئے کسی ایک ہی نعمت کا سلسلہ شکر اس قدر طویل ہو جاتا ہے کہ انسان کی ساری عمر بھی ادائے شکر کے لئے کفایت نہیں ہو سکتی چنانچہ آیہ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا میں یہی اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ جب اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کا حصر نہیں ہو سکتا تو ان نعمتوں پر ادائے شکر کیسے متصور ہوگا؟ اس لئے بہترین صورت ادائے شکر کی یہ ہے کہ بندہ اپنے مالک حقیقی کی دی ہوئی نعمتوں کو خواہ بدنی ہوں یا مالی ظاہری ہوں یا باطنی معصیت میں صرف نہ کرے اور یہی شکر کے حقیقی معنے ہیں مگر یہ بات بھی توفیق خداوندی پر موقوف ہے

حقیقت شکر کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے حقیقت نعمت کو سمجھ لیا جائے سو واضح ہو کہ نعمت ہر ایک ایسے امر کو بولتے ہیں جس سے انسان منتفع ہو سکتا ہو اب غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ نعمت کا مفہوم اس قدر وسیع ہے کہ کوئی چیز بھی عالم کائنات میں ایسی نہیں جس سے انسان منتفع نہ ہوتا ہو اس لئے بندہ کا شکر گذار ہونا یہ ہے کہ وہ اپنے افعال و اقوال میں ایسے احکام کا پابند ہو جو رضائے الٰہی پر مبنی ہوں اور اللہ تعالےٰ کا شکر گذار ہونا یوں ہوگا کہ وہ ان افعال و اقوال پر بندہ کو جزائے خیر عطا فرماتا ہے اور چونکہ ہر ایک نعمت کا منعم صرف اللہ تعالےٰ ہی ہو سکتا ہے حیث قال وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ اس لئے فی الحقیقت کوئی شخص مستحق شکر نہیں ہو سکتا کیونکہ کسی عبد کا کسی غیر سے احسان کرنا انعام خداوندی پر موقوف ہے اگر وہ توفیق احسان نہ دیتا تو وہ کبھی احسان نہ کر سکتا اس لئے عبد ہر ایک حالت میں معزول ہے

Marfat.com

اور اسے خیر و شر میں کچھ دخل نہیں سوائے اوہ اشیاء جن سے عبد احسان کرتا ہے وہ بھی اللہ تعالےٰ کی مخلوق ہوتی ہیں اور اسی کی مملوک بھی ہیں اس لئے انسان خود کسی چیز کا مالک نہیں ہو سکتا لہذا اس کا حقیقی احسان کرنا بھی ناممکن ہے نیز عبد جب کسی سے احسان کرتا ہے تو اس پر معاوضہ کی امید رکھتا ہے مگر اللہ تعالےٰ کے احسان کی یہ صورت نہیں کیونکہ وہ باوجود بندہ سے مستغنی ہونے کے اس پر احسان کرتا ہے اس لئے بندہ اگر اللہ تعالےٰ کا جو منعم حقیقی ہے ادائے شکر کرے تو یہ شکر اس کی نعمت کا معاوضہ نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ ابوبکر واسطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شکر ایک قسم کا شرک ہے یعنی اگر بندہ یہ تیقن رکھتا ہو کہ اللہ تعالےٰ کی نعمت کے مقابلہ پر ادائے شکر کرنے سے احسان کا مقابلہ احسان سے ہو جاتا ہے۔ تو یہ خیال شرکانہ ہے کیونکہ ذات باری تو اپنے عبد سے مستغنی ہے مگر عبد اپنے رب سے کبھی مستغنی نہیں ہو سکتا اس لئے استغناء اور احتیاج کا کوئی مقابلہ نہیں عارف کا مقام شکر عوام الناس کے مقام شکر سے کہیں بالاتر ہے کیونکہ عوام الناس تو بذریعہ افعال اور اقوال کے ادائے شکر کیا کرتے ہیں اور ان کی نظر نعمت پر ہوتی ہے مگر عارف کامل نعمت سے ہٹ کر منعم کی طرف رجوع کیا کرتا ہے یعنی نعمت کو نظر انداز کر کے منعم کو اپنا مقصد حقیقی قرار دیتا ہے۔

یہ امر نہایت قابل غور ہے کہ اللہ تبارک و تعالےٰ نے اپنے تئیں وصف شکر سے موصوف کیا ہے حالانکہ یہ مقام عارف کامل کا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے محض اپنی رحمت کاملہ سے باوجود استغناء ذاتی کے اپنے بندوں کے اعمال کو یا یہ قبول بخشتا ہے حالانکہ انسان کا وجود اور تمام اسباب جو ادائے شکر میں واسطہ بنتے ہیں۔ اسی کے عطا کئے ہوئے ہیں یہی وجہ ہے کہ تمام اہل تحقیق بالاتفاق مانتے ہیں کہ انسان ضعیف البنیان ہرگز ادائے شکر کے فرائض سے

Marfat.com

عہدہ برا نہیں ہو سکتا و لنعم اقبال ؎

از دست و زبان کہ بر آید !! کز عہدۂ شکرش بدر آید

کسی اور اہل دل نے کہا ہے ؎

اگر ہر موئے من گردد زبانے زتو رانم بہر یک داستانے

نیارم گوہر شکر تو سفتن سر موئے ز احسان تو گفتن

حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ شکور وہ ذات ہے جو عطائے جزیل کرے اور قلیل سے قلیل اطاعت کو پایۂ قبول بخشے

العلیُّ قال اللہ وھو العلیُّ العظیم یہ اسم مصدر علُوّ سے مشتق ہے جس کی معنی بلندی کے ہیں امام غزالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ عَلِیُّ وہ ذات ہے جس کے رتبہ کے مقابلہ میں تمام مراتب پست ہیں سو جس طرح اشیاء محسوسہ میں بعض اجسام دیگر بعض کی نسبت بالاتر ہوتے ہیں۔ اسی طرح اشیاء معقولہ (عقلیات) میں بھی مراتب ہیں یعنی بعض دیگر بعض کی نسبت اشرف اور اعلےٰ ہوتے ہیں۔ مثلاً علت اپنے معلول سے اور کامل بہ نسبت ناقص کے اشرف و اعلےٰ سمجھا جاتا ہے اور یہ علو کسی بلند یا پست مکان کے لحاظ سے ماخوذ نہیں ہوتا بلکہ اعتبار عقلی کے رو سے یہ نسبت ملحوظ ہوتی ہے۔ اس اعتبار عقل کے رو سے اگر ہم موجودات عالم کے مراتب کمال و نقصان کا موازنہ کرنے لگیں تو یقیناً ذات باری کو سب سے اعلےٰ رتبہ میں پائیں گے کیونکہ وہ اپنے صفات کاملہ میں کسی غیر کا محتاج نہیں برخلاف دیگر افراد موجودات کے جو باہم مدارج کمال میں متفاوت ہیں مگر سب کے سب بہ نسبت ذات باری کے محتاج ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ موجودات کی دو قسمیں ہیں ذوی العقول اور غیر ذوی العقول۔ دوسری قسم کی موجودات حس و حرکت اور قوت ارادی اور ادراک سے بے بہرہ ہیں اس لئے وہ اسفل السافلین میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اور

حیوانات مطلق گو حس و حرکت اور ارادہ رکھتے ہیں مگر ادراک معقولات سے عاری ہیں اس
لئے پہلی قسم کی موجودات دوسری قسم سے اعلےٰ ہے مگر پہلی قسم میں پھر تقسیم عقلی جاری
ہوسکتی ہے کیونکہ ذوی العقول یا تو شہوت و غضب رکھتے ہیں یا ان ہر دو سے عاری
ہیں پہلی قسم حضرت انسان ہے جو ادراک معقولات کے ساتھ حیوانی لوازم مثلاً شہوت
و غضب سے بھی متصف ہیں اور دوسری قسم میں پھر تقسیم جاری ہوگی کیونکہ ایسے ذوی العقول
جو شہوت و غضب سے عاری ہیں اگر ان کا غضب و شہوت سے متصف ہونا ممکن
ہو تو وہ ملائکہ ہیں اور اگر ناممکن ہو تو وہ ذات باری ہے اس لئے اس تقسیم در تقسیم
سے یہ نتیجہ نکلا کہ تمام موجودات میں بلحاظ کمال کے جمادات اسفل السافلین میں ہیں
اور ان سے اعلےٰ حیوانات اور حیوانات میں سب سے اعلےٰ حضرت انسان اور حضرت
انسان سے اعلےٰ ملائکہ کرام اور ملائکہ کرام سے اعلیٰ ذات باری عزّ اسمہٗ جو کامل مطلق اور
اس لئے سب سے اعلیٰ ہے اس تقسیم میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اجسام میں عرش
عظیم سب سے اعلیٰ ہے کیونکہ وہ تمام اجسام کا محدد ہے اور وہ خود کسی چیز سے محیط نہیں
یہی وجہ ہے کہ ذات باری تمام موجودات سے بالاتر ہے مگر قرآن مجید میں عرش سے
بالاتر ہونا ظاہر فرمایا کیونکہ عرش تمام موجودات عالم سے بالاتر ہے اور یہ فوقیت ذات
باری کی مکانی نہیں بلکہ عقلی ہے کیونکہ جس طرح دو شخص صدر مجلس میں ایک دوسرے
کے پہلو بہ پہلو بیٹھیں تو یہی کہنا پڑیگا۔ کہ ہر دو میں سے ایک دوسرے سے اعلیٰ ہے
حالانکہ اعلےٰ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ دوسرے کے سر پر بیٹھا ہے بلکہ یہی کہنا
پڑیگا کہ ایک کا درجہ دوسرے سے اعلیٰ ہے یہی عقلی علوّ ذات باری کی نسبت سمجھنا چاہئے
کیونکہ وہ بلحاظ کمالات کے تمام موجودات سے بالاتر ہے ہیں سے یہ نکتہ بھی کھل
جائیگا کہ عبد کبھی عبد مطلق نہیں ہوسکتا کیونکہ گو وہ دیگر موجودات سے کمالات میں
بڑھ جائے جیسے ذات بابرکات جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم مگر کبھی نہیں ہوسکتا

Marfat.com

کہ کوئی مخلوق ذات باری کا رتبہ پاکر علی مطلق بنجائے آیہ وَھُوَ الْقَاھِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ اور آیہ یَخَافُوْنَ رَبَّھُمْ مِّنْ فَوْقِھِمْ میں اسی فوقیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس تمام بحث کا حاصل یہ ہے کہ علو ذات باری کی تین توجیہات ہوسکتی ہیں اوّل یہ کہ کوئی موجود شرف وعزت میں اس کا ہم پلہ نہیں ہوسکتا دوم یہ کہ وہ تمام موجودات پر قدرت تامہ رکھتا ہے اور سب کے سب اس کے مقہور و مغلوب ہیں سوم یہ کہ وہ تمام امور میں حسب مشیت تدلی متصرف ہے اور کوئی امر اس کی مشیت کا مزاحم نہیں ہوسکتا

انسان کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ ہوتا ہے کہ وہ علم وقدرت وطہارت میں سب سے فائق ہوجاتا ہے یا یوں کہو کہ اس کو تمام ماسوے اللہ سے استغناء کلی حاصل ہوجاتا ہے جس سے وہ سب سے اعلیٰ سمجھا جاتا ہے مگر عوام الناس ایسے انسان کی شناخت سے عاجز ہوتے ہیں۔

حضرات مشائخ لکھتے ہیں کہ عَلِیٌّ وہ ذات ہے جو ادراک سے بالاتر ہو اور جس کے صفات احاطہ تصور سے خارج ہوں۔

اَلْکَبِیْرُ قال اللہ تعالےٰ وَھُوَ الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ اور پھر فرمایا وَلَہُ الْکِبْرِیَاءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اس مادہ سے ذات باری کو متعلق شریعت میں تین اسم وارد ہوئے ہیں کبیر۔ متکبر۔ اکبر آخر کا اسم قرآن میں صفات[1] کے متعلق وارد ہوا ہے۔ نہ ذات باری کی نسبت البتہ احادیث سے اللہ اکبر ہونا ثابت ہے۔

اسم کبیر کی دو توجیہ ہوسکتی ہیں اوّل تو یہ کہ یہ اسم صغیر کے مقابل میں واقع ہوا ہے مگر صغیر وکبیر بسا اوقات اجسام کی صفت میں واقع ہوتے ہیں لیکن ذات باری مقدار سے بالاتر ہے اس لئے اس کا کبیر ہونا بلحاظ حجم اور مقدار کے نہیں ہوسکتا

[1] قال اللہ تعالیٰ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ اور پھر فرمایا وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ الخ منہ

Marfat.com

اور کبھی صغیر و کبیر کو عقلی مدارج کے لحاظ سے بھی اعتبار کیا کرتے ہیں چنانچہ سردار قوم کو کبیر القوم اور ایک بڑے صاحب علم کو کبیر فی الدین بولا کرتے ہیں اور ہر دو میں ان کے درجۂ عالیہ کا لحاظ کیا جاتا ہے چنانچہ قرآن مجید کی آیۃ انہ لکبیرکم میں یہی معنے مراد ہیں چونکہ ذات باری عزاسمہٗ اپنے صفات و اثبات میں تمام موجودات سے اکمل و اشرف ہے اس لئے تمام اشیاء موجودات کی نسبت وہ کبیر ہے و تمام موجودات بمقابلہ اس کی ذات کے صغیر و سو ہم کبیر ہونا ذات باری کا اس جہت سے ہے کہ وہ مخلوقات کی مشابہت سے برتر ہے اس صورت میں بصلہ عن ماخوذ ہوگا یقال کبر عنہ اس لئے توجیہ یوں ہوگی ھو کبیر عن مشابھۃ الخلق یعنی وہ موجودات کی مشابہت سے برتر ہے ہر دو توجیہ کے رو سے یہ اسم منجملہ اسماء تنزیہ کے ہے۔

اسم اکبر کی بھی دو توجیہ ہو سکتی ہیں اوّل ھو اکبر من کل ما سواہ یہ توجیہ جملہ اللہ اکبر کے شروع نماز میں قائم کرنے کی حکمت کو واضح کر دیتی ہے۔ کیونکہ جب مصلی کو یہ علم ہو کہ وہ ذات مقدس جس کے حضور میں کھڑا ہے۔ تمام موجودات سے اکمل و اشرف ہے تو اس کی توجہ کسی غیر اللہ کی طرف مصروف نہیں ہوتی۔ مگر بعض جواہم لغت عربیہ میں لکھتے ہیں کہ یہ توجیہ صحیح نہیں کیونکہ یہ لفظ اکبر جو صیغہ افعل تفضیل ہے ایسی دو چیزوں کے درمیان استعمال کیا جاتا ہے جن میں مشابہت اور مجانست ہو اور ایک دوسری کی نسبت وصف کبر میں بڑھی ہوئی ہو مگر اللہ تعالےٰ اور موجودات میں کسی قسم کی مشابہت اور مجانست نہیں لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ عام لوگ موجودات میں سے غیر اللہ کی بھی تعظیم و تکریم کرتے ہیں اس لئے لفظ اکبر کا یہ مفہوم ہوگا کہ بجز ذات باری کے کوئی موجود تعظیم و تکریم حقیقی کا اہل نہیں ہو سکتا اور ابو عبیدہ کہتے ہیں اکبر اس جملہ میں بمعنے

Marfat.com

کبیر کے ہے یعنی صیغۂ فعل کے معنے میں مستعمل نہیں اور ایسا استعمال اہل زبان میں جاری
ہماری ہے اور وہ فرزدق کا شعر ذیل سند پیش کرتے ہیں حیث قال ؎

اِنَّ الَّذِیْ سَمَکَ السَّمَآءَ بَنٰی لَنَا بَیْتًا دَعَائِمُہٗ اَعَزُّ وَاَطْوَلُ

اس شعر میں اعزّ اور اطول یعنے عزیز و طویل مستعمل ہوئے ہیں

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کبریاء سے مراد کمال ذات کے اور کمال ذات
سے کمال وجود مراد ہے اور کمال وجود سے دو چیزوں کا مفہوم ظاہر ہوتا ہے اوّل
یہ کہ وہ وجود ازل سے ابد تک پائدار ہو اور اگر کوئی وجود ایسا نہ ہو بلکہ اس کے
اوّل و آخر میں اس کا عدم تجویز کیا جا سکے تو وہ ناقص ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ کسی
بڑی عمر کے آدمی کو کبیر السن بولا کرتے ہیں نہ عظیم السن ہو جب ایک محدود البقا
انسان کو کبیر بول سکتے ہیں تو غیر محدود البقا بدرجہ اولے کبیر ہوگا۔

دوم کمال وجود سے یہ مفہوم بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی وجود تمام دیگر موجودات
کا منبع قرار پا سکے سو بجز ذات باری اور کوئی موجود ایسا نہیں ہو سکتا۔

عظمت اور کبریاء کو بظاہر ایک ہی مفہوم کو ظاہر کرتے ہیں مگر ہر دو میں
فرق ہے حدیث قدسی اَلْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ وَالْعَظْمَۃُ اِزَارِیْ میں اسی فرق کی
طرف اشارہ کیا گیا ہے کبریاء عظمت کی نسبت زیادہ عظیم الشان وصف ہے یہی وجہ
ہے کہ کبریاء کو ردا اور عظمت کو ازار سے تعبیر کیا۔

انسان کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ ہوتا ہے کہ اس کے صفاتِ کمال کے آثار
دوسرے لوگوں تک پہنچ جائیں اور جو اس شخص سے مجالست کرے وہ اس کے
فضائل کمال سے بے بہرہ نہ رہے اور انسان کو درجہ کمال اسوقت حاصل ہوا کرتا ہے

؎ یعنی وہ ذات جس نے آسمان کو بلند کیا اس نے ہمارے لئے ایک گھر (شرافت کا گھر) بنایا ہے جس کے
ستون بڑے مضبوط اور طویل ہیں ۱۲ منہ

جب اس کی عقل پرہیزگاری۔علم درجہ کمال تک ترقی کر جاتے ہیں لہذا نوع انسان میں کبیرہ وہ شخص ہوا کرتا ہے جو عالم۔تقی۔صاحب ارشاد ہو۔اور لوگ اس کے فیض علوم سے مستفیض ہوں ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ علماء سے مجالست اور حکماء سے مصاحبت اور کبراء سے مخالطت رکھو علماء علوم شرعیہ کے محافظ ہیں حکماء اسرار معرفت کے جامع ہوتے ہیں اور کبراء ہر دو منصب کی قابلیت رکھتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو آفتاب عالم تاب کیطرح خود روشن ہو کر در و بام عالم کو اپنے انوار سے روشن کر دیتے ہیں اور انکا وجود بہت نادر ہوتا ہے۔

الحفیظ امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حفیظ مبالغہ ہے اسم حافظ کا اور حافظ کا مفہوم حقیقت حفظ کے سمجھ لینے پر موقوف ہے سو اس کی دو صورتیں ہیں۔ اوّل وجود موجودات کو لگاتار جاری رکھنا اس کی متضاد حالت کا نام معدوم کر دینا ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ تمام موجودات کا خواہ زمینی ہو یا آسمانی حافظ ہے دوم متضاد اشیاء کو اپنی اپنی حد میں محدود رکھنا اور ایک کو دوسرے پر غلبہ پانے سے روکنا مثلاً حرارت کو برودت سے اور رطوبت کو یبوست سے علیحدہ علیحدہ تعدی سے محفوظ رکھنا غور کرو کہ اللہ تعالےٰ نے ترکیب بدن میں ہر چہار متضادہ کیفیات کو کس حکمت بالغہ سے جمع کیا ہے اگر ایک ان میں سے غالب آجائے تو زندگی باطل ہو جاتی ہے اور اگر ان میں سے کوئی ایک غلبہ پانے لگے تو بذریعہ غذا اور دوا کے اس کو روکا جا سکتا ہے یہ تو اندرونی سلسلۂ اسباب ہے جس سے انسان کی زندگی قائم رہ سکتی ہے اور بیرونی طور پر انسان کی حفاظت کا سلسلہ سو غور کرنے سے معلوم ہوگا۔کہ کس قدر اسباب ہمارے چاروں طرف ایسے موجود ہیں جن کے استعمال سے انسان اپنی زندگی کو محفوظ رکھ سکتا ہے اور یہ سب اس حافظ حقیقی کی عنائت ازلی کا نتیجہ ہے نباتات کو دیکھو کہ ان کے محفوظ رکھنے کے لئے کس قدر

Marfat.com

اسباب مناسبہ پیدا کر دیئے ہیں اگر ان کی تفصیل کرنے لگیں تو انسان کی عمر ہرگز کفایت نہیں ہو سکتی اگر ہم اس سلسلۂ اسباب کی وسعت پر غور کریں۔ جو تمام ذرات موجودات کی حفاظت کے لئے قائم کیا گیا ہے تو عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ کبھی حفظ بمعنے ضد تضییع بھی مستعمل ہوتا ہے مثلاً حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى یعنی لَا تُهْمِلُوْهَا وَلَا تُضَيِّعُوْهَا چنانچہ آیۂ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ میں یہی معنے ملحوظ ہیں اور آیۂ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون میں بھی یہی معنے زیادہ چسپاں ہیں۔ کیونکہ کلام الٰہی کو تحریف و تبدیل سے بذریعہ اسباب مناسبہ کے محفوظ رکھنا اس کو ضائع ہونے سے بچانا ہے۔

اگر ہم اپنے دینی حالات میں غور کریں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایک آن کے لئے بھی اللہ تعالےٰ کی حفاظت سے باہر نہیں جا سکتے بڑے بڑے عقلاء روزگار جو دنیا بھر کے علوم و فنون میں یگانہ تھے دین کے معاملہ میں صرف ایک ہی شبہ یا اشکال کے پیش آنے پر گمراہ ہو جاتے رہے اور عمر بھر ورطۂ ضلالت سے نہ نکل سکے لیکن اگر کسی کو حفاظت الٰہی ایسے ورطہ میں مبتلا ہونے سے بچا لے تو وہ محفوظ رہ سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ ادعیہ قرآنیہ میں وارد ہوا ہے رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۸ اس دعا میں حفاظت الٰہی کی استدعا کی گئی ہے اور آیۂ لولا اَنْ ثَبَّتْنٰكَ اور نیز آیۂ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ میں بھی اسی حفاظت کی طرف اشارہ ہے۔

علیٰ ہذا القیاس جب ہم دنیوی حالات میں غور کرتے ہیں تو واضح ہوتا ہے کہ ہمارے چاروں طرف اسباب ہلاکت موجود ہیں مگر اس نے ہمیں ان کے دفع

Marfat.com

کے اسباب بھی عطا فرمادئے ہیں چنانچہ ہماری حفاظت کے لئے ملائکہ متعین ہیں
قال اللہ تعالےٰ لَهٗ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ
مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ عقلی طور پر بھی ذات باری کا حافظ ہونا ثابت
ہے کیونکہ جس طرح تمام ممکنات عدم سے وجود میں آنے کے لئے کسی مرجح کی محتاج
ہے اسی طرح موجود ہوکر اپنے وجود کے قائم رکھنے میں بھی حفاظت کی محتاج
ہے اسلئے صرف ذات باری ہی محافظ ہوسکتی ہے چنانچہ آیۂ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا میں اس امر کیطرف اشارہ ہے۔

انسان کامل کو اس اسم سے دو طرح بہرہ حاصل ہوتا ہے اول قوت
نظری کے رو سے جس کی صورت یہ ہے کہ وہ بدعات اور شکوک واوہام سے اپنے
اعتقادات حقہ کو محفوظ رکھے دوم قوت عملی کے رو سے جس کی صورت یہ ہے کہ
شہوت وغضب کی اطاعت سے اپنے اعضاء اور قوی کی نگہداشت کرے۔ اور
اصل عظیم دربارۂ حفاظت علم وعمل کے یہ ہے کہ صراط مستقیم شریعت کی شناخت
کرے جس کی استدعا پانچ وقت نماز میں کی جاتی ہے کیونکہ یہی صراط مستقیم
قیامت کے دن پلصراط کی صورت میں جہنم کے اوپر کھینچا جائیگا جس پر بآسانی
چلنا اس موجودہ زندگی کے علم وعمل کی خوبی پر منحصر رکھا گیا ہے ہر ایک ایماندار
کا فرض ہے کہ آج حسن اعتقاد اور حسن عمل کی حقیقت میں غور کرکے اصلاح
کرے کیونکہ آج کی اصلاح درحقیقت مابعد الموت کی اصلاح ہے

امروز دراں کوش کہ بینا باشی　　حیرانِ جمالِ آں ولا را باشی
مشرب بادا چو کودکان در شب عید　　تا چند در انتظار فردا باشی

حضرات مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ حفیظ وہ ذات ہے جو بندہ کو مصیبت
کی حالت میں اظہار شکایت سے اور امن وعافیت کی حالت میں امتحان سے محفوظ

Marfat.com

رکھے۔ بعض لکھتے ہیں کہ حفیظ وہ ذات ہے کہ اپنے بندہ کے باطن کو ملاحظہ اغیار سے اور ظاہر کو موافقت فجار سے محفوظ رکھے

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ جب کوئی شخص اپنے اعضاء اور قویٰ کی حفاظت کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کے باطن کو ہر ایک قسم کے وساوس و شکوک سے محفوظ رکھتا ہے اور جب بندہ اس مقام میں استقامت حاصل کر لیتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کو اہل عالم کے لئے حجۃ اللہ کا منصب عطا فرماتا ہے۔

المقیت قال اللہ تعالےٰ وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ مُّقِیْتًا اس اسم کی تشریح میں چند وجوہ بیان کئے گئے ہیں۔ اول ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مُقِیْت بمعنے مُقْتَدِر ہے اور وہ ایک اہل زبان کے شعر ذیل کو حجت میں پیش کرتے ہیں ؎

وَذِیْ ضِغْنٍ کَفَفْتُ النَّفْسَ عَنْہُ وَکُنْتُ عَلٰی مَسَاءَتِہٖ مُقِیْتًا

یعنی کئی ایک کینہ توز دشمن ہیں جن کے مقابلہ سے میں نے اپنے تئیں روکا حالانکہ میں ان کی بدسلوکی پر پوری قدرت رکھتا تھا۔ ازہری ثمر سے راوی ہیں کہ مقیت خاص لغت قریش کا لفظ ہے۔ دوم وہ ذات جو مخلوق کے قوت بہم پہنچانے کی متکفل ہے فراء نحوی کہتے ہیں کہ قَاتَہٗ اور اَقَاتَہٗ ایک ہی معنے میں مستعمل ہیں۔ سوم یہ کہ مقیت مشتق ہے اقات علی الشیٔ سے جس کے معنے ہیں شہید علیہ کے چہارم ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ کہتے ہیں کہ مُقِیْت بمعنے حفیظ ہے امام غزالی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ مقیت میں قدرت و علم ہر دو کا مفہوم شامل ہے اس لئے یہ اسم قادر اور علیم ہر ایک سے زیادہ وسیع ہے۔

حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ مقیت وہ ذات ہے جو اپنے بندہ کی مناجات کی اجابت فرمائے اور مصیبت و بلا کو دفع کرے۔ بندوں کے قوت مختلف قسم کے

Marfat.com

ہیں اکثر تو مطعومات سے زندہ رہتے ہیں۔ اور بعض ذکر الٰہی سے اور خواص العباد کے لئے مکاشفات و مشاہدات بمنزلہ غذا کے ہیں حدیث اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ میں اسی غذاء کیطرف اشارہ ہے۔

اَلْحَسِیْبُ قال اللہ تعالیٰ وَکَفٰی بِاللّٰہِ حَسِیْبًا اس اسم کی تفسیر کے متعلق چند وجوہ بیان کئے گئے ہیں۔ اول یہ کہ حسیب بمعنے کافی ہے۔ اور چونکہ فعیل کا وزن مفعل کے معنے میں مستعمل ہے جیسے بَدِیْع بمعنے مُبْدِع اور اَلِیْم بمعنے مُؤْلِم اسی طرح حَسِیْبٌ بمعنے مُحْسِب سمجھنا چاہیئے۔ اہل عرب بولتے ہیں۔ نَزَلْتُ بِفُلَانٍ فَاَکْرَمَنِیْ وَاَحْسَبَنِیْ ای اعطانی ما کفانی حتی قلتُ حسبی ومنہ قولہ تعالیٰ یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ۔ یہ امر بالخصوص قابل ذکر ہے۔ کہ ہر ایک امر میں کفایت کا منصب بجز ذات باری کے کسی غیر کو حاصل نہیں۔ اگر بذریعہ اسباب مناسبہ کے کفائت حاصل ہو تو اسے بھی کفائت الٰہی کہنا چاہیئے۔ کیونکہ سلسلۂ اسباب اسی کا مخلوق ہے لہٰذا ہر ایک قسم کی کفائت فی الحقیقت ذات باری کا حق ہے اس لئے کافی حقیقی وہی ذات واحد لاشریک ہے نہ کوئی اور۔ یہاں یہ خیال ہو سکتا ہے کہ جس صورت میں کافی صرف ذات باری ہے تو آیۂ یاایھا النبی حسبک اللہ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ کے کیا معنے ہونگے کیونکہ اس آئت میں تحسب یعنی کافی ہونا ذات باری اور اہل ایمان ہر دو کی طرف نسبت کیا گیا ہے؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آئت کی تفسیر میں دو مذہب ہیں اور ہر دو قواعد عربیت کے رو سے صحیح ہیں۔ اگر مَنِ اتَّبَعَکَ کا عطف لفظ اللہ پر کریں تو معنے یہ ہونگے کہ اے نبی! تجھے اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان کافی ہیں اس صورت میں مذکورہ بالا اعتراض لازم آتا ہے اور اگر اس کا عطف حرف کاف پر کریں تو پھر اعتراض

۱؎ یعنی میں اپنے رب کے پاس رات بسر کرتا ہوں۔ وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے ۱۲ منہ

لازم نہیں آتا۔ کیونکہ اس صورت میں معنے یہ ہوں گے۔ کہ تجھے اور اہل ایمان کو اللہ تعالےٰ کافی ہے۔ ان ہر دو معنے کو مفسرین نے قلمبند کیا ہے شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ عطف ضمیر کاف پر راجح اور قوی ہے امام رازی بھی اپنی کتاب لوامع میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اسی روائت کو نقل کرتے ہیں اور حافظ ابن قیم اپنی کتاب زاد المعاد کے شروع میں کئی ایک وجوہ اس روائت کی تقویت میں بیان کرتے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ ان حضرات کو صرف اس خیال نے اس توجیہ کی طرف متوجہ کیا ہے کہ نسبت کفائت کی غیر اللہ کیطرف صحیح نہیں ورنہ عطف مَنِ اتَّبَعَكَ کا اسم اللہ پر ہی صحیح مذہب ہے اور یہ خیال کہ نسبت کفائت کی غیر اللہ کی طرف لازم آتی ہے قوی نہیں کیونکہ نسبت ذات باری کیطرف حقیقی ہے اور اہل ایمان کیطرف مجازی۔ اور قرآن مجید میں ایسی کئی ایک آیات ہیں جن میں ایک ہی فعل کی نسبت اللہ تعالےٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کیطرف کی گئی ہے مگر ہر سہ کی نوعیت ایک نہیں۔ بلکہ علیحدہ علیحدہ اعتبار سے معہذا جب ہم آیۂ یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ کے سیاق و سباق پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا مذکورہ بالا دعوےٰ بالکل صحیح ہے کیونکہ اس سے پہلے الفاظ هُوَ الَّذِیْ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ اس کی تائید کے لئے کافی شہادت ہیں۔

دوم حسیب بمعنے محاسب ہے جیسے ندیم بمعنے منادم اور جلیس بمعنے مجالس چنانچہ آیہ کَفٰی بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا میں حسیب بمعنے محاسب ہی موزون ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ ہی اپنے بندوں سے قیامت کے دن حساب لے گا جن میں سے بعض کی نسبت تو حساب یسیر آسان اور بعض کی نسبت حساب شدید لینے کا حکم وارد ہوا ہے۔

سوم حسیب بمعنے شریف ہے اس صورت میں حسب بمعنے شرف سے مشتق ہوگا

معنے بیان ہوں گے۔ کہ حسیب وہ ذات ہے جو حقیقی مجد و شرافت اور اعلیٰ جلال و کمال کے صفات سے متصف ہو۔

[illegible] کامل کو اس اسم سے جو بہرہ حاصل ہوتا ہے اس کی تفصیل یوں ہے کہ اگر کسی بندے کو کافی ہو تو اس [illegible] ہوتا جو اہل حاجت کی حاجت روائی کے لئے ظاہر [illegible] اگر حسیب بمعنے کافی ہو تو حسیب وہ شخص ہوگا جو اپنا محاسبہ آپ کرتا ہے اور انسان کا آپ اپنا محاسبہ کرنا کمال نفس کی دلیل ہے [illegible] کو حسیب نہیں ہوتا۔ ایک حدیث میں یوں وارد ہوا ہے حاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا یعنی (قیامت کو) حساب لئے جانے سے پہلے آپ اپنا محاسبہ کیا کرو اور اگر حسیب بمعنے شریف ہو تو اس صورت میں حسیب وہ شخص ہوگا جو معرفت اور طاعت خداوندی میں استقامت حاصل کرے کیونکہ اس سے بڑھ کر انسان کے لئے اور کوئی شرف نہیں ہو سکتا۔

[illegible] جو اپنے بندہ کے انفاس کا [illegible] روک دے بعض لکھتے ہیں کہ حسیب وہ ذات ہے جس کی خیر کی امید و جس کے شر سے امن حاصل ہو بعض نے یوں توجیہ کی [illegible] جو اپنے فضل سے بندہ کو کافی ہو اور اپنے احسان سے آفات [illegible] حسیب وہ ذات ہے جو اہل حاجت کی التجا۔ [illegible] علم کو نہایت استحکام کے ساتھ جاری فرمادے [illegible] اور اس کے معنے صاحب جلال کے [illegible] ہے۔ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ [illegible] ذوالجلال والاکرام سے صرف [illegible] مگر ذوالجلال سے مراد کامل الذات والصفات ہے

Marfat.com

اور صفات دو قسم کے ہیں۔ اوّل صفات سلبیہ یعنی ایسے صفات جن سے ذات
باری پاک ہے مثلاً مثل یا نظیر یا مکان و زمان وغیرہ سے بالاتر ہونا دوم صفات
ثبوتیہ جو ذات باری کے لئے ثابت ہیں مثلاً علم و [illegible]

اس قدر تشریح کے بعد لفظ جلیل کی لغوی تحقیق اول ہے کہ یہ لفظ
مفعل (اسم فاعل) مستعمل ہے اس لئے جلیل [illegible] ایسا ذات والا
انسان کو اعزاز و اکرام بخشے اور ان کے ثواب کو خصوص فرمائے اور [illegible]
اس لئے اس کی توجیہ یوں [illegible]
بروجہ کمال موصوف ہو اور یہ معنی مفعول بھی جائز ہے [illegible]
ہے جو اس امر کی مستحق ہو کہ عقلاء اس کے جلال و کبریائی کا اعتراف کریں اور اس کی
الوہیت کا انکار نہ کریں۔

انسان کا دل [illegible]
اخلاق و سیمہ سے بری ہو کر معارف [illegible]

حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ جلیل وہ ہے کہ جو شخص اس کی [illegible]
آستانہ عزت پائے اور جو اس کی مخالفت اور تکبر کرے ذلیل ہو۔ بعض [illegible]
ہے۔ جو اہل معرفت کے دلوں میں جلیل القدر اور اہل محبت کے دلوں میں [illegible]
ہو۔ بعض لکھتے ہیں کہ جلیل وہ ذات ہے جس کے [illegible] قوت کی وجہ سے کوئی
غالب نہ آ سکے اور جس کے کبریائی وجہ سے کوئی شخص اس کی [illegible]
ادراک نہ کر سکے۔ اور بعض نے لکھا ہے کہ جلیل وہ ذات ہے جو [illegible]
اور نعت جمال سے مکاشفہ کا مقام عطا فرمائے اور [illegible] جلیل وہ ذات
جو اولیاء کو اپنے فضل سے عزت بخشے اور [illegible]
واضح ہو کہ جلال و جمال [illegible]

Marfat.com

میں جلوہ افروز ہیں جلال میں صفات قہر و سطوت و غلبہ اور جمال میں صفات رحمت۔ مغفرت۔ احسان داخل ہیں۔ گو ہر دو ایک ہی ذات مقدس کے آثار ہیں مگر مختلف موارد کے لحاظ سے عالم کائنات میں ان سے مختلف نتائج ظہور میں آتے رہتے ہیں جس طرح وہ ذاتِ احدیت جلال کی مالک ہے اسی طرح جمال بھی اسی کی وصف ہے وہی قوت غالبہ کی مستحق ہے اور وہی ہر ایک قسم کے انعام کی منبع ہے اور وہ جمیل مطلق ہے۔ اور اسی لئے اس کے حسن ذاتی کا ادراک محال عقلی ہے جس طرح اہل ظاہر اشیاء کے حسن ظاہری پر دلدادہ ہوتے ہیں اسی طرح اہل بصیرت حقائق اشیاء کی خوبی پر محو حیرت ہوتے ہیں اور ان کے قلوب پر تجلیات جلال و جمال کا ہر وقت ورود ہوتا ہے تجلیات جلال کا اثر خشیت و خشوع ہے اور تجلیات جمال کا محبت و انس ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ! ہر زمان از غیب جانے دیگر است

اَلْکَرِیْمُ قال اللہ تعالیٰ یا ایّھا الانسان ما غرّک بربک الکریم اور پھر فرمایا اِقْرَأْ و ربّک الاکرمُ۔ واضح ہو کہ اہل عرب ہر ایک صفت محمود کو کرم سے تعبیر کیا کرتے ہیں ایک حدیث میں وارد ہوا ہے یوسفؑ اکرمُ الناسِ اس جملہ میں کرم سے کرم نسب مراد ہے اہل عرب بولتے ہیں فلاں کریم الطرفین۔ کبھی اس لفظ کا اطلاق صورتِ حسیہ پر بھی آتا ہے قال اللہ تعالیٰ اِنْ ھٰذا الّا مَلَکٌ کَرِیْمٌ اور جنت کی وصف میں فرمایا مَقَامٌ کَرِیْمٌ کبھی اس لفظ کا اطلاق بمعنے عزیز کیا کرتے ہیں چنانچہ آیۂ اِنَّ اَلْسِنَۃَ مَلَکٌ عِنْدَ اللّٰہِ اَقْلَامٌ میں اکرم بمعنے اعز ہے سلیمان علیہ السلام کے مکتوب کو کِتَابٌ کَرِیْمٌ کہا گیا ہے کیونکہ ایک جلیل القدر مضمون پر مشتمل تھا جس کے منافع بیشمار تھے اسی لئے بڑی دودھیلن اونٹنی کو بھی ناقۃٌ کَرِیْمَۃٌ بولا کرتے ہیں درخت انگور کو کرمہ بولنا بھی اسی خیال پر مبنی ہے کیونکہ وہ کثیر المنافع اور بآسانی درخت سے اتارا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

اس لغوی تشریح کے بعد معلوم ہونا چاہئے کہ کرم بمعنے شرف وطہارت بجز ذات باری کے کسی غیر کو حاصل نہیں کیونکہ وہی موجود حقیقی واجب الوجود عدم اور دیگر نقائص سے مبرا ومنزہ ہے اور اگر کرم بمعنے عزت ہو تو اس صورت میں بھی عزیز بجز ذات باری کی کوئی اور موجود نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کثیر المنافع ہونا مراد ہو تو ظاہر ہے کہ یہ وصف بھی بجز ذات باری کے کسی کو حاصل نہیں جو ہر ایک قسم کی خیرات کا مصدر ہے اور ذات باری کے کرم کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوگا۔ کہ وہ بلا استحقاق اور بلا سوال اپنے خیر واحسان سے انبیاء بخشتا ہے اور اگر کوئی داعی یا کریم العفو کہہ کر اسے پکارے تو وہ اس داعی کے گناہ کو مٹا کر نیکی کو اس کے نامۂ اعمال میں ثبت فرماتا ہے اور دنیا میں اپنے بندوں کے عیوب پر پردہ پوشی کرتا ہے اور مغفرت عطا فرما کر ان کے گناہوں کو انہیں یاد نہیں دلاتا اور اگر وہ تھوڑی سی طاعت بھی بجالائیں تو انہیں ثواب جزیل عطا فرماتا ہے اور اس کے کرم پر مبنی ہے۔ کہ اس نے تمام اشیاء کو انسان کی خاطر پیدا کیا اور دار آخرت کو جس کی وصف میں وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ وارد ہوا ہے، تیار کر کے گوناگوں نعمتوں کا وعدہ فرمایا

امام غزالی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کریم وہ ذات ہے جو صاحب قدرت ہو کر عفو کرے اور وعدہ کر کے وفا کرے اور زائد از امید عطا فرمائے اور جب دے تو اسے ہرگز یہ پروانہ ہو کہ کس قدر دیا ہے اور کس کو دیا ہے؟ اور کسی غیر کی طرف حاجت لیجانے سے ناراض ہو اور حاجتمندوں کی حاجت روائی کے لئے کسی وسیلہ یا شفیع کو جائز نہ رکھے اور اپنے ہاں پناہ لینے والے کو اپنی نصرت سے محروم نہ کرے۔ سو جس ذات کے لئے یہ تمام صفات مجتمعاً حاصل ہو جائیں وہ کریم کہلانے کی مستحق ہیں ایسی ذات بجز ذات باری کے کوئی اور نہیں ہو سکتی اس لئے کریم مطلق صرف وہی ذات ہے پھر فرماتے ہیں کہ بندہ کو محنت ومشقت سے کسی قدر یہ صفات حاصل ہو سکتے ہیں اس لئے اسے بھی کریم بولا

کرتے ہیں لیکن بمقابلہ ذات باری یہ صفات نہایت ناقص ہیں مگر انسان کریم وہی ہے جو مجبوروں کے قصور کو معاف کردے اور اصناف خلائق کو ہر ایک قسم کی منفعت سے مستفید کرے۔

حضرت مشائخ فرماتے ہیں کہ کریم وہ ذات ہے۔ جو بلا اظہار منت احسان کرے اور حضرت جنید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کریم وہ ذات ہے جو بندہ کو کسی وسیلہ کا محتاج نہ رہنے دے اور بعض لکھتے ہیں کہ کریم وہ ذات ہے جو اہل عصیان کو قبول توبہ سے ناامید نہ کرے۔ حارث محاسبی کہتے ہیں کہ کریم وہ ذات ہے جو اس امر کی پرواہ نہ کرے کہ کس کو دینا ہے بعض لکھتے ہیں کہ کریم وہ ذات ہے جو باوجود عصیان کے احسان کرے اور بعض نے اور بھی توجیہات لکھی ہیں

اَلرَّقِیْبُ قال اللہ تعالیٰ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ اور پھر فرمایا وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ رَقِیْبًا اس اسم کی توجیہ میں دو قول بیان کئے گئے ہیں۔

اول ہر کمزور کے لئے ہر کسی چیز کو اچھی طرح حفاظت پر نظر رکھنا اور آدمیوں میں رقیب اسی شخص کو کہتے ہیں جو کسی چیز کی حفاظت پر متوکل ہو اس طرح پر کہ وہ اس کے کسی حال میں بھی غفلت کو جائز نہ رکھے۔ یقال رَقَبْتُ الشَّیْءَ اَرْقُبُہٗ اِذَا رَاعَیْتَہٗ وَحَفِظْتَہٗ قال اللہ تعالیٰ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ اس آیت میں رقیب سے وہ فرشتہ مراد ہے جو بندوں کے نامۂ اعمال کو لکھتا اور ان کے الفاظ کو محفوظ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رقیب ہونے سے یہ مراد ہے کہ وہ ان کے افعال و اقوال کو دیکھتا اور ان کا علم رکھتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ اِنَّنِیْ مَعَکُمَا اَسْمَعُ وَاَرٰی اور پھر فرمایا یَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ دوم یہ کہ رقیب بمعنے انتظار ہے قال اللہ تعالیٰ فَارْتَقِبْ اِنَّھُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ چونکہ انتظار ذات باری کے لئے محال ہے اس لئے اس کے لازم معنے یعنی طلب مراد ہیں چونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ادائے حق عبودیت کا طالب ہے اس لئے وہ

رقیب ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اسم رقیب کے معنے العلیم الحفیظ کے ہیں۔ یا یوں کہو کہ اسم رقیب کا مفہوم علم و حفظ پر مشتمل ہے مگر بطریق دوام و عموم نہ مطلق علم و حفظ۔ اور عبد کا کمال وصف مراقبہ میں یہ ہے کہ وہ اس امر یقین رکھے اللہ تعالیٰ ہر ایک امر میں اس کا پاسبان شاہد حال ہے اور فرشتے و شیطان مرد اس کے دشمن ہیں جو اس کی گھات میں لگے ہیں اور غفلت و مخالفت پر برانگیختہ کرتے رہتے ہیں انسان کامل کا فرض ہوتا ہے کہ انکے مکائد سے کبھی غافل نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر وقت ان کی روک تھام کے لئے مستعد رہتا ہے

یہ امر قابل ذکر ہے کہ مراقبہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کو قلب کے اندرونی حالات اور کیفیات کا علم ہو ان کیفیات و حالات کی ہمیشہ نگرانی کرتے رہنا ہی مراقبہ ہے اور یہ مراقبہ تمام کمالات خیر و سعادت کا زینہ ہے اور یہ بات اس وقت حاصل ہو سکتی ہے جب یقین ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے تمام اقوال و افعال سے آگاہ ہے۔ اور وہ ان پر محاسبہ کریگا۔ یہ یقین جب غالب ہو جاتا ہے تو بندہ سے گناہ کا ارتکاب نہیں ہوتا چنانچہ عبداللہ بن عمر رضہ کی نسبت مروی ہے کہ انہوں نے ایک غلام کو بکریاں چراتے دیکھا آپ نے اس سے کہا۔ کہ ایک بکری میرے پاس بیچ ڈالو اس نے کہا کہ بکریاں میری نہیں آپ نے کہا۔ کہ تم کہہ دینا کہ بھیڑیا پھاڑ گیا ہے اس نے جواب دیا کہ خدا کہاں ہے؟ یہ قول آپ کے دل میں ایسا موثر ہوا کہ اس کو اس کے آقا سے خرید کر آزاد کر دیا۔ کہتے ہیں کہ آپ کو ہمیشہ غلام کا جواب یاد آیا کرتا۔

حضرات مشائخ لکھتے ہیں کہ رقیب وہ ذات ہے جو باطن کے اسرار سے قریب اور عند الاضطرار مجیب ہو بعض لکھتے ہیں کہ رقیب وہ ذات ہے جو تمام ضمائر و خفیات پر مطلع اور شاہد ہو بعض لکھتے ہیں کہ رقیب وہ ذات ہے جو تمام ممکنات کو ان کے وجود سے پہلے ہی جانتا اور دیکھتا ہو۔

Marfat.com

اَلْمُجِیْبُ قال اللہ تعالیٰ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ اس اسم کی دو طرح تفسیر کی گئی ہے اول تو یہ کہ اجابت بمعنے کلام ہے اس صورت میں یہ مشتق ہوگا اَجَبْتُہٗ اجابۃً وَجَوَابًا سے دوم یہ کہ اجابت کے معنے ہیں سائل کو اس کا مطلوب دینا لفظ مُجَابُ الدعوات انہیں معنے سے ماخوذ ہے اور آیہ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ الخ میں بھی یہی معنے ملحوظ ہیں چنانچہ لفظ اضطرار اس معنے کی تعیین کے لئے کافی ہے اور انہیں معنی کی تفسیر میں یہ حدیث وارد ہے اِنَّ اللہَ یَسْتَحْیِیْ اَنْ یَّرُدَّ یَدَ عَبْدِہٖ صِفْرَاءَ یعنی اللہ تعالےٰ کو شرم آتی ہے کہ وہ اپنے بندہ کے ہاتھ کو خالی رد کرے

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مجیب میں صرف قبول دعاء کا ہی مفہوم نہیں بلکہ مجیب وہ ذات ہے جو قبل سوال عطاء نعمت کرے یہ امر بجز ذات باری کے کسی اور سے متصور نہیں کیونکہ قبل سوال حاجتمندوں کی حاجت کا علم اسی کو ہو سکتا ہے بلکہ اس کو ازل ہی سے یہ علم حاصل ہے اس لئے اس نے مخلوقات کی حاجت روائی کے لئے اسباب ضروریہ اور ان کے طریق استعمال کو پیدا کر دیا ہے

انسان کامل کو یہ حظ ہونا چاہئے کہ وہ سب سے پہلے اللہ تعالےٰ کے کام کی اجابت کرے پھر بندگانِ خدا کے حاجات کو بقدر طاقت رفع کرے اور اگر طاقت نہ رکھتا ہو تو لطفِ کلام کے ساتھ انہیں رخصت کر دے قَالَ اللہُ تَعَالٰی وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْہَرْ اجابت دعوت (ضیافت) بھی اسم مجیب کے حظ میں داخل ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا لَوْ دُعِیْتُ اِلٰی کُرَاعٍ لَاَجَبْتُ وَلَوْ اُھْدِیَ اِلَیَّ ذِرَاعٌ لَقَبِلْتُ یعنی اگر میں ایک پائچہ گوسپند کی (ضیافت) پر مدعو کیا جاؤں تو میں داعی کی دعوت کی اجابت کرونگا اور اگر میری طرف ذراع (گوشت بازو) ہدیہ بھیجا جاوے تو میں قبول کرونگا یہ فرمان حضور علیہ السلام کی اعلیٰ اخلاقی حالت پر دال ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کو ہرگز یہ منظور نہیں تھا کہ کوئی آپ سے ناامید یا رنجیدہ خاطر رہے برخلاف اس کے اکثر متکبرین اہل دنیا کا شیوہ ہے

Marfat.com

کہ غرباء کی دعوت پر حاضر نہیں ہوتے۔ بلکہ ایسے مواقع پر شامل ہونے کو اپنی ہتک خیال کرتے ہیں ایسے لوگوں کو اسم مجیب سے کچھ بہرہ نہیں ہوتا۔

امام رازی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے بندہ کو اپنی طاعت کی طرف دعوت کی ہے اگر بندہ اجابت کرے تو اللہ تعالےٰ ہر ایک دعا کی جو بندہ کرتا ہے اجابت فرماتا ہے حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ مجیب وہ ذات ہے جو دعائے مضطرین کی اجابت فرمائے اور سائلین کی امیدوں کو ناکام نہ رکھے۔

اَلْوَاسِعُ قال اللہ تعالیٰ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ اور پھر فرمایا وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ یہ اسم مصدر سَعَۃٌ بفتح سین و بکسر سین سے مشتق ہے جس کے معنے فراخ ہونے کے ہیں واضح ہو کہ واسع مطلق صرف ذات باری ہے کیونکہ اسی کی ذات تمام زمانوں میں بلکہ زمانہ کے وجود سے پہلے ازلاً اور ابداً موجود ہے نیز اس کا علم تمام معلومات پر حاوی ہے اور ایک چیز کا علم اس کو کسی دوسری چیز کے علم سے روک نہیں ہو سکتا اسیطرح اس کی قدرت تمام مقدورات ممکنہ پر مشتمل ہے علی ہذا القیاس اس کی سمع و بصر وغیرہ اور یہی حال اس کی رحمت اور احسان کا ہے کہ تمام ذرات کائنات کو شامل ہیں۔

اسم وسیع کا اسم مجیب کے بعد بیان کرنا اس نکتہ پر مبنی ہے کہ وہ ہر ایک محتاج کی اجابت دعا کو ایک ہی آن میں پورا کر سکتا ہے کیونکہ ایک کی اجابت دوسرے کی اجابت سے اس کو روک نہیں سکتی برخلاف انسان کے کہ اس کے صفات محدود ہیں اس لئے وہ ایک ہی آن میں مختلف امور کو سرانجام نہیں دے سکتا۔ یہ امر بالکل نفس الامر ہے بلکہ مشاہدہ اس کی تصدیق کرتا ہے کہ بعض افراد انسانی ایسے محدود القوے ہوتے ہیں۔ کہ وہ ایک ہی علم کے سیکھنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ اور بعض کئی ایک علوم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات ایسا بھی ہوا ہے۔ کہ ایک ہی

Marfat.com

شخص[1] ایک آن میں کئی ایک امور کو سرانجام دے سکتا ہے اور اگر اسی وصف کو ذات باری کی نسبت بدرجۂ کمال ملحوظ رکھا جائے۔ تو یہ بلاشک قابل تسلیم ہوگا کہ وہ ایک ہی آن میں تمام کائنات عالم کا مدبر و منتظم ہے چونکہ ذات باری کے صفات غیر متناہی ہیں ان کے بیان میں سمندر اگر سیاہی بن جائیں اور درخت قلمیں تو پھر بھی ان کی غائت نا معلوم رہیگی اس لئے وہی ذات فی الحقیقت وسیع کہلانے کی مستحق ہے یعنی ماسوی اللہ جس قدر اشیاء کسی وصف میں وسیع ہوں گی۔ ان میں باہم اضافی طور پر وسعت ہوگی اور اس لئے وہ محدود الوسعت ہیں مگر ذات باری کا علم قدرت۔ سمع۔ بصر۔ رحمت وغیرہ صفات کی کوئی حد یا غائت نہیں اور جب بے حد و غائت ہیں تو ان پر زیادتی ناممکن ہے۔

انسان کامل کو اس اسم سے یہ حظ حاصل ہوتا ہے کہ وہ علم و اخلاق میں وسعت حاصل کرے جس قدر اس کے علم و اخلاق میں وسعت ہوگی اسی قدر اس اسم کا مظہر بننے کا مستحق ہوگا۔

حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ واسع وہ ذات ہے جس کی برہان کے لئے کوئی غائت اور اس کے سلطان کی کوئی نہایت نہو بعض فرماتے ہیں کہ واسع وہ ذات ہے جس سے قلوب کے خواطر کا اثر مخفی نہ ہو بعض لکھتے ہیں کہ واسع وہ ذات ہے جس کی غنا کی کوئی حد نہو اور جس کے عطایا لامتناہی ہوں بعض لکھتے ہیں کہ واسع وہ ذات ہے جس کا احسان شامل اور عطا کامل ہو۔

اَلْحَكِيْمُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ قبل ازیں اسم حَكَم کی تفسیر میں گذر چکا ہے کہ یہ لفظ مصدر حکمت سے مشتق ہے اور حکیم کے معنے ہیں صاحب حکمت + اس لئے اس اسم کی توجیہ تین طرح پر ہو سکتی ہے اول یہ کہ فعیل بمعنے مُفعِل یعنے حکیم بمعنے محکم ہے

[1] امام رازی لکھتے ہیں کہ میرے پاس بعض معتبر اشخاص نے بیان کیا کہ افاضل شعراء میں سے ایک شخص کی یہ حالت تھی کہ اس کے پاس اگر پانچ مختلف الوزن والقافیہ شعر طرح کے طور پر پیش کئے جاتے تو ایک طرف تو شطرنج بازی میں لگا ہوا اور دوسری طرف ہر ایک شعر کا جواب اسی کو دیدیا کرتا تھا ۱۲ منہ

یعنی وہ ذات جس نے اشیاء کو نہائت استحکام اور حسن تدبیر کے ساتھ پیدا کیا ہے اس توجیہ کے روسے۔ مچھر وغیرہ اگرچہ زمین و آسمان کی نسبت کوئی استحکام نہیں رکھتے مگر حسن تدبیر اور حسن صفت کے روسے وہ قدرت ذات باری پر اسی طرح دلالت کرتے ہیں جس طرح زمین و آسمان چنانچہ آیۂ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ اور آیۂ خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا میں اسی حسن تدبیر و صفت کیطرف اشارہ کیا گیا ہے۔

دوم حکمت سے مراد ہے افضل المعلومات کی بذریعہ افضل العلوم کے معرفت حاصل کرنا اس صورت میں حکیم بمعنے علیم ہوگا امام غزالی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ افضل المعلوم تو ذات باری ہے اور افضل العلم علم ازلی جس میں کسی قسم کے نقص یا شک و وسوسہ کو دخل نہیں چونکہ کنہ ذات باری کا علم بجز ذات باری کے کسی کو حاصل نہیں۔ اس لئے وہی ذات حکیم مطلق بھی ہے۔

سوم حکمت سے مراد ہے ذات باری کا ہر ایک امر ناشائستہ سے بری ہونا۔

قال اللہ تعالیٰ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا

واضح ہو کہ جو شخص جمیع اشیاء کا علم رکھتا ہو مگر ذات باری کی معرفت سے بے بہرہ ہو اسے حکیم نہیں کہا جا سکتا کیونکہ وہ افضل العلوم سے بیخبر ہوتا ہے اور حکمت اجل العلوم ہے اور کسی علم کا شرف بمقدار شرف معلوم کے ہوتا ہے چونکہ حکمت کا معلوم معرفت ذات باری ہے اس لئے وہ اجل العلوم ہے سو عارف ذات باری ہی درحقیقت حکیم کہلانے کا مستحق ہوتا ہے اگرچہ وہ فصاحت و بلاغت اور دیگر علوم ادبیہ میں بڑا ماہر نہ ہو اسی حکمت کی نسبت اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا كَثِیْرًا یعنی جس شخص کو حکمت دی جاتی ہے وہ خیر کثیر کا مالک ہو جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نور معرفت سے اس کا قلب حقائق اشیاء کو کما ینبغی مشاہدہ کرتا ہے اور اس کا کلام کلیات حقائق

Marfat.com

مشتمل ہو جاتا ہے نہ جزئیات پر مثلاً حضور علیہ السلام کے کلمات ذیل پر غور کرو۔ جو سراسر حکمت کا نچوڑ ہیں۔

(ا) رَأْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللّٰهِ یعنی حکمت کا جزو اعظم خدا کا خوف ہے

(ب) اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ الْاَمَانِيَ یعنی دانا وہ شخص ہے جو اپنے نفس پر قابو رکھتا ہو۔ اور آخرت کے لئے عمل کرتا ہو اور عاجز وہ شخص ہے جو ہوائے نفس کے پیچھے لگا رہتا ہے اور اللہ تعالےٰ سے حسن آخرت کی آرزو رکھتا ہے

(ج) مَا قَلَّ وَكَفٰى خَيْرٌ مِمَّا كَثُرَ وَاَلْهٰى یعنی قلیل چیز جو کافی ہو کثیر سے جو اللہ تعالےٰ یا آخرت سے روک دے بہتر ہے

(د) مَنْ اَصْبَحَ مُعَافًى فِيْ بَدَنِهٖ اٰمِنًا فِيْ سِرْبِهٖ عِنْدَهٗ قُوْتُ يَوْمِهٖ فَكَاَنَّمَا حِيْزَتْ لَهُ الدُّنْيَا بِحَذَافِيْرِهَا یعنی جو شخص تندرست ہو اور اپنے جھونپڑے میں آرام سے بیٹھا ہو اور موجودہ دن کی روزی رکھتا ہو۔ یوں سمجھو کہ اس کو ساری دنیا مل گئی۔

(ہ) كُنْ وَرِعًا تَكُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ وَكُنْ قَنِعًا تَكُنْ اَشْكَرَ النَّاسِ یعنی پرہیزگار بنو تم سب سے بڑھ کر عبادت گذار ہو جاؤ گے اور قانع بنو تم سب سے بڑھ کر شکر گذار ہو جاؤ گے۔

(و) اَلْبَلَاءُ مُوَكَّلٌ بِالْمَنْطِقِ یعنی بلا آدمی کے کلام سے وابستہ ہے

(ز) مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُ مَا لَا يَعْنِيْهِ یعنی انسان کی خوبیٔ اسلام فضول چیز کو ترک کرنے میں ہے۔

(ح) اَلسَّعِيْدُ مَنْ وُعِظَ بِغَيْرِهٖ یعنی سعادت مند وہ شخص ہے جو دوسرے کی حالت کا مشاہدہ کر کے نصیحت قبول کر لیتا ہے۔

Marfat.com

(ط) اَلصَّمْتُ حِکْمَۃٌ وَقَلِیْلٌ فَاعِلُہٗ یعنی خاموشی حکمت ہے اور اس کے اختیار کرنے والے کم ہیں۔

(ی) اَلْقَنَاعَۃُ مَالٌ لَا یَنْفَدُ یعنی قناعت ایسا مال ہے جو ختم نہیں ہوتا

(ک) اَلصَّبْرُ نِصْفُ الْاِیْمَانِ وَالْیَقِیْنُ الْاِیْمَانُ کُلُّہٗ یعنی صبر نصف ایمان ہے اور یقین پورا ایمان ہے۔

یہ اور اس قسم کے کلمات حکمت کہلاتے ہیں اور ان کے بولنے والے کو حکیم کہتے ہیں

امام رازی لکھتے ہیں کہ حکماء نے حکمت کو علم کا مترادف قرار دیا ہے مگر خاکسار کا خیال ہے اور بعض محققین نے بھی اس کی تصریح کی ہے کہ علم اور حکمت ہر دو متحد المفہوم نہیں چنانچہ آیۂ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ میں اگر حکمت اور علم ہر دو کو متحد المفہوم قرار دیں تو لفظ حکیم تاکید سے زیادہ کوئی فائدہ نہیں دیگا مگر علمائے عربیت تاسیس کو تاکید سے اولےٰ قرار دیتے ہیں[1]۔ اس لئے لفظ حکیم لفظ علیم سے کسی زائد معنی کی طرف اشارہ کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ حکمت کمال قوت علمی اور کمال قوت عملی ہر دو کے مفہوم کو ظاہر کرتا ہے کیونکہ انسان انہیں ہر دو قوت سے درجہ کمال کا مستحق ہوتا ہے اگر کسی شخص میں کمال علم ہو اور پیرایہ عمل سے عاری ہو۔ تو اسے صاحب کمال نہیں کہہ سکتے چنانچہ علم الہیات کے علماء نے بھی انہیں ہر دو قوت کے کمال پر حصول حکمت کو موقوف رکھا ہے اور وہ تقسیم حکمت میں ہر دو اقسام علوم یعنی نظری (علمی) اور عملی کو شمار کیا کرتے ہیں اور قرآن مجید نے بھی ہر دو قوت علمی و عملی

---

[1] تاکید میں صرف تکرار لفظ ہوتا ہے اور اس تکرار سے کلام موکد ہو جاتا ہے مگر تاسیس میں زیادت معنے ملحوظ ہوتی ہے یعنی دوسرے لفظ میں پہلے کی نسبت کوئی زیادہ بات در نظر ہوتی ہے ۱۲ منہ

Marfat.com

کے کمال میں درجات عالیہ اخرویہ کو محدود کیا ہے چنانچہ الفاظ آمنوا (کمال علم)
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (کمال عمل) انہیں ہر دو قوت کے کمال کی طرف اشارہ کرتے ہیں
اور اگر کمال علم و عمل مفہوم حکمت میں ملحوظ نہ ہوتا تو حکمت کو خیر کثیر کے لفظ سے نہ تعبیر کیا
جاتا اور نہ انبیاء علیہم السلام کے لئے تقلم مدح و فضیلت میں اس کو لایا جاتا دیکھو داؤد
علیہ السلام کی نسبت یوں وارد ہوا ہے وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ
حضرات مشائخ لکھتے ہیں کہ حکیم وہ ذات ہے جو ہر ایک امر کا صحیح اندازہ باندھے
اور تدبیر امور میں عین صواب پر چلے بعض لکھتے ہیں کہ حکیم وہ ذات ہے جو اغراض سے
بری ہو اور اس کے فعل پر گنجائش اعتراض نہ ہو۔

الْوَدُوْدُ قال اللہ تعالیٰ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ وُدٌّ لغت میں ودّ کے معنے
محبت اور دوستی کے ہیں اس اسم کی توجیہ تین طرح پر ہو سکتی ہے اوّل یہ کہ فعول بمعنے
فاعل لیا جائے یعنی وَدُوْدٌ بمعنے وَادٌّ ہو اس صورت میں اس کے معنے محب کے ہونگے
قالَ اللہ تعالیٰ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ مگر اللہ تعالےٰ کے اپنے بندوں سے محبت کرنے
کے یہ معنے ہیں کہ وہ انہیں ہر ایک قسم کی خیرات پہنچانے کا ارادہ کرتا ہے اس توجیہ کے رو
سے وُدّ اور رحمت قریب المفہوم ہو جائیں گے کیونکہ رحمت الٰہی کے معنے بھی ارادۂ ایصال خیر
کے ہیں۔ ہاں ان ہر دو میں ایک لطیف فرق بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ رحمت اس امر کی مستدعی
ہے۔ کہ اس کا مورد یعنی مرحوم کوئی محتاج ضعیف ہو۔ مگر ودّ میں یہ امر ملحوظ نہیں بلکہ ودّ
ابتداءً انعام و احسان کی مقتضی ہے دوم یہ کہ وَدُود وہ ذات ہے جو متقین کو خلقت کے
نزدیک محبوب بنا دے چنانچہ فرمایا سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔ سوم یہ کہ وَدُود بمعنے
مودود ہو جیسے رکوب بمعنے مرکوب مفہوم یہ ہوا کہ وہ ذات جو قلوب اولیاء میں محبوب ہے
انسان کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ ہوتا ہے کہ وہ طریق مشروع پر بندگان خدا
سے پورا احسان کرتا ہے بلکہ جو اپنے لئے چاہتا ہے وہی دوسروں کے لئے چاہتا ہے اور جب

Marfat.com

اس سے زیادہ ترقی کرجاتا ہے تو وصف ایثار سے متصف ہو جاتا ہے اس حالت میں وہ اپنی ضرورتوں کو نظر انداز کر کے بنی نوع کی ضرورتوں کے پورا کرنے میں سعی کرتا ہے قال اللہ تعالےٰ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ اسی مقام پر ایک عارف کا قول ہے اُرِیْدُ اَنْ اَکُوْنَ جِسْرًا عَلَی النَّارِ یَعْبُرُ عَلَیَّ الْخَلْقُ وَلَا یَتَاَذَّوْنَ بِهَا یعنی میں چاہتا ہوں کہ دوزخ کے اوپر پل بن جاؤں جس پر لوگ گذر جائیں اور تکلیف نہ پائیں (اللہ اکبر اکس درجہ کا ترحم ہے) اس مقام پر عارف کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ رحم مجسم بن جاتا ہے اور کسی شخص کی دشمنی اور کینہ اس کو احسان اور ایثار سے نہیں روک سکتے یہی وجہ ہے کہ جب حضور علیہ السلام کے دندان مبارک غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تو مخالفین کی بدسلوکی حضور علیہ السلام کی خیر خواہی میں کچھ مزاحم نہ ہو سکی چنانچہ آپ کی زبان حقائق ترجمان پر بارگاہ رب العزت میں یہ کلمات جاری ہوئے اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ الٰہی یا میری قوم کو ہدائت عطا فرما کیونکہ یہ لوگ حقیقت الامر سے بے خبر ہیں ایک دفعہ آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یہ ارشاد فرمایا اِنْ اَرَدْتَ اَنْ تَسْبِقَ الْمُقَرَّبِیْنَ فَصِلْ مَنْ قَطَعَكَ وَاَعْطِ مَنْ حَرَمَكَ وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ یعنی اگر تو یہ چاہتا ہے کہ مقربین بارگاہ سے آگے بڑھ جائے تو اس شخص سے جو تجھ سے علیحدہ ہوتا ہے مل اور جو تجھے محروم رکھتا ہے اُسے دے اور جو شخص تجھ پر تعدی کرتا ہے اسے معاف کر دے۔

حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ شرط محبت یہ ہے کہ محب اپنے محبوب کی جفا پر مقام وفا میں ثابت قدم رہے چنانچہ شبلی رحمۃ اللہ کی نسبت مروی ہے کہ ایک دفعہ چند آدمی مل کر آپ کے پاس حاضر ہوئے شبلی اس وقت بیمارستان میں بیٹھے تھے آپ نے پوچھا کہ تم لوگ کون ہو انہوں نے جواب دیا کہ ہم آپ کے محبین ہیں آپ نے ڈھیلے اور پتھر اٹھا کر انہیں مارنا شروع کیا وہ لوگ یہ سلوک دیکھ کر بھاگ نکلے آپ نے فرمایا

Marfat.com

کہ اگر تم مجھ سے محبت رکھتے تو میری تکلیف سے کبھی اعراض نہ کرتے۔

بعض اہل تحقیق نے لکھا ہے کہ ودود وہ ذات ہے جو اپنے اولیاء کے نزدیک اپنی معرفت کی وجہ سے اور اہل معصیت کے نزدیک اپنی عفو و رحمت کی وجہ سے اور عوام کے نزدیک روزی اور کفائت امور کی وجہ سے محبوب سمجھا جائے اور بعض نے لکھا ہے کہ ودود وہ ذات ہے جو محبت کی وجہ سے اپنے محب کو اغیار سے الگ تھلگ کر لے اور رسوم و آثار بشریت کے ملاحظہ سے ہٹا لے۔

اَلْمَجِیْدُ قال اللہ تعالےٰ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِیْدُ اس اسم کا صرفی وزن فعیل ہے اس لئے مجید اور ماجد میں وہی فرق ہے جو علیم اور عالم میں۔ یعنی وضع فعیل میں بہ نسبت وضع فاعل کی مبالغہ مدنظر ہے مگر مجد کی تعبیر میں دو قول بیان کیا کرتے ہیں اول یہ کہ مجد کے معنے شرفِ کامل کے ہیں اور یہی معنے ماخوذ ہیں آیہ قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ میں۔ سو اس معنے کے رو سے مجد و شرافت اور علو و عظمت کی مستحق صرف وہی ذات اقدس ہے اس تعبیر کے رو سے اسم مجید اسم عظیم کا مترادف سمجھنا چاہئے۔

دوم لفظ مجد لغوی معنے کے رو سے وسعت کے مفہوم پر مشتمل ہے چنانچہ رَجُلٌ مَاجِدٌ ایسے شخص کو بولتے ہیں جو سخی اور کثیر الاحسان ہو اہل زبان بولتے ہیں مجدت الدابۃ اذا اعلفتہا ملأ بطنہا یعنی پیٹ بھر کر چارہ کھلایا اور قرآن (کلام الٰہی) کو مجید بھی اسی معنے میں بولا جاتا ہے کیونکہ وہ کثیر الفوائد ہے اس سے معلوم ہوا کہ ذات باری کو مجید اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ ذات اقدس کثیر الاحسان والافضال ہے یہ خیال ہو سکتا ہے۔ کہ جب اسم مجید کو اسماء ذات باری شمار کیا گیا تو پھر ماجد کو بلحاظ وصف کے مجید سے کم درجہ پر کیوں شمار کیا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اسم ماجد اسم واجد کے بعد ذکر کیا گیا ہے جس کے معنے غنی کے ہیں اس لئے لفظ ماجد بطور تاکید لایا گیا ہے یعنی وہ ذات غنی ہونے کے ساتھ کثیر الاحسان بھی ہے

Marfat.com

حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ مجید وہ ذات ہے جو بلند عزت اور جمیل الافعال ہو۔ امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسم مجید اسماء جلیل۔ وہاب۔ کریم کے مجموع مفہوم پر مشتمل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

اَلْبَاعِثُ قال اللہ تعالیٰ وَاِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ لغت میں بعث کے معنے ہیں کسی چیز کو ابھارنے اور اٹھانے کے یقال بعث الناقۃ علی السیر یعنی اونٹنی کو سیر پر ابھارا۔ اس اسم کی تشریح میں چند وجوہ بیان کئے گئے ہیں اوّل یہ کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مخلوق کو قبروں سے اٹھائیگا قال اللہ تعالیٰ وَاِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ انبیاء اور رسل کو بغرض ہدائت خلقت کی صرف مبعوث فرماتا ہے قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِہٖ رُسُلًا اِلٰی قَوْمِہِمْ سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں میں مختلف ارادوں کو پیدا کر کے انہیں خاص خاص افعال پر لگاتا ہے چہارم کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو عجز کی حالت میں استمداد پر اور گناہ کے بعد توبہ کیطرف متوجہ کرتا ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعث سے نشأۃ آخرت یعنی مابعد الموت کی حالت مراد ہے اور اسم باعث کی حقیقت کا سمجھنا موقوف ہے حقیقت بعث کی معرفت پر اور حقیقت بعث کی معرفت ایک ایسا ادق اور اصعب امر ہے کہ جس کے ادراک سے افہام عاجز ہیں اور اکثر لوگ اس بارے میں محض توہمات و تخلیات کے تابع ہیں اور زیادہ سے زیادہ وہ اس امر کا تخیل رکھتے کہ موت عدم ہے اور بعث بعد العدم ایک نئی پیدائش کا نام ہے۔ بعینہٖ پہلی پیدائش کیطرح سو یہ امر کہ موت عدم ہے غلط ہے کیونکہ جناب رسول اکرم صلعم نے فرمایا کہ قبر جہنم کے گڑھوں سے ایک گڑھا ہے یا جنت کے باغوں سے ایک باغ ہے اور مرے ہوئے لوگ یا تو اہل سعادت ہوتے ہیں جو درحقیقت مردہ نہیں ہوتے قال اللہ تعالیٰ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّہِمْ

یُرْزَقُوْنَ فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ یعنی جو لوگ اللہ تعالےٰ کے راستہ میں قتل کئے گئے ہیں انہیں مرے ہوئے مت سمجھو بلکہ وہ تو زندہ ہیں اپنے پروردگار کے پاس روزی دیئے جاتے ہیں اور اللہ تعالےٰ کی نعمتوں پر خوش زندگی کے مالک ہیں یا اہل شہادت ہوتے ہیں۔ اور یہ لوگ بھی مردہ نہیں ہوتے چنانچہ غزوۂ بدر کے موقع پر جب مشرکین کو ہلاک کر کے کنوئیں میں ڈال دیا گیا تھا جو جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولین کو یوں خطاب فرمایا اِنِّیْ وَجَدْتُّ مَا وَعَدَنِیْ رَبِّیْ حَقًّا فَھَلْ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَ رَبُّکُمْ حَقًّا یعنی میرے پروردگار نے مجھ سے وعدہ کیا تھا میں نے تو اس کو سچ پالیا کیا تم لوگوں نے بھی اپنے پروردگار کے وعدہ کو سچ پالیا ہے اس پر آپ سے سوال کیا گیا کہ آپ مردوں کو کیسے خطاب فرماتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُوْلُ مِنْھُمْ لٰکِنَّھُمْ لَا یَقْدِرُوْنَ اَنْ یَّجِیْبُوْا یعنی تم لوگ میری بات کو ان مقتولین سے زیادہ نہیں سن سکتے تم میں اور ان میں فرق صرف یہ ہے کہ یہ لوگ جواب کی قدرت نہیں رکھتے اکابر اصحاب مکاشفہ و ارباب مشاہدہ اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ انسان دوام حیات کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور اس پر فنا کا طاری ہونا محال ہے کیونکہ موت صرف عدم تصرف یعنی قویٰ اور اعضاء کے معطل ہو جانے کا نام ہے۔

رہا یہ امر کہ ایجاد ثانی ایجاد اول کی طرح ہوگا۔ سو یہ بھی صحیح نہیں بلکہ ایجاد ثانی کو ایجاد اول سے کوئی مناسبت نہیں غور کرنے سے معلوم ہوگا۔ کہ صرف یہی دو دفعہ کا ایجاد نہیں بلکہ ہستئ انسان کے لئے کئی ایک ایجاد ہیں قال اللہ تعالےٰ وَیُنْشِئَکُمْ فِیْمَا لَا

لہ منکرین سماع موتےٰ نے جو جوابات اس حدیث کے متعلق دیئے ہیں وہ اس قابل نہیں کہ ان کی طرف کچھ توجہ کی جائے۔ شارحین حدیث علیہ اور بڑے ثقہ شیخ ابن تیمیہ اپنے مجموعہ رسائل میں اور ان کے شاگرد رشید حافظ ابن قیم کتاب الروح میں سماع موتےٰ کے بڑے زور سے قائل ہیں۔ اور حدیث عائشہ کا جواب دیتے ہیں۔ ۱۲ منہ

تَعْلَمُوْنَ اسی طرح انسانی ہستی کے مختلف مراتب پیدائش کو نطفہ علقہ مضغہ کے بیان کرنے کے بعد فرمایا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ اس جملہ میں خلقًا آخرا ایک اور نئی پیدائش سے مراد انسانی ہستی کی وہ حالت مراد ہے جب مضغہ کے ساتھ روح جیسی شریف و نفیس حقیقت کو تعلق پیدا ہوتا ہے چونکہ یہ حالت ایک نہائت گرامی اور عظیم الشان تھی اس لئے اس کے بیان کرنے کے بعد فرمایا فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ اس پیدائش کے بعد ادراکات حسیہ کا پیدا کرنا ایک علیحدہ ہستی ہے پھر قوت ممیزہ کا قریبًا سات سال کے بعد پیدا کرنا ایک نئی ہستی ہے پھر قوت عاقلہ کا قریبًا پندرہ سال کی عمر کے بعد پیدا کرنا ایک نئی پیدائش ہے علی ہذا القیاس مابعد کی حالتیں بھی علیحدہ علیحدہ نئی پیدائش کہلاتی ہیں یہی معنے ہیں آیۂ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا کے پھر کمال خلقت انسانی کے بعد خاص خاص افراد کے لئے روحانی کمالات ولائت و نبوت کے حاصل ہونے پر ایک نئی پیدائش کا آغاز ہوتا ہے اور اس لئے ان کمالات سے متصف ہونا گویا ایک قسم کا بعث ہے اسی خیال پر انبیاء علیہم السلام کے مامور ہونے کو بعثت کہا کرتے ہیں اور اللہ تعالےٰ باعث ہے۔ چنانچہ فرمایا هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ الآیۃ اور بعثت رسل اللہ تعالےٰ کا ویسا ہی ایک فعل ہے جیسا بعث بعد الموت۔ مگر جیسطرح حصول قوۃ عاقلہ سے پہلے عجائبات عقل کا ادراک کرنا دشوار ہے اسی طرح طور عقل کا پابند ہو کر کمالات ولائت و نبوت کی حقیقت کا کوئی شخص ادراک نہیں کر سکتا یہی وجہ ہے کہ جو شخص جس طور میں زندہ ہوتا ہے وہ اس سے اگلے طور کی حقیقت کا انکار کر دیا کرتا ہے۔ چنانچہ مادہ پرست لوگ عموماً عجائبات روح کا انکار کر دیا کرتے ہیں بلکہ بعث بعد الموت کا انکار بھی صرف اسی خیال پر مبنی ہے سو جس طرح ایک طور ہستی کے ادراکات کسی آئندہ دوسرے طور سے بالکل علیحدہ ہوتے ہیں اور ہر دو میں کوئی مناسبت نہیں ہوتی اسی طرح ایجاد بعد الموت یعنی ایجاد ثانی کو ایجاد اول سے کوئی مناسبت نہیں ہاں اشتراک اسمی کے رو سے

Marfat.com

ہر دو ایک ہیں۔ مگر حقیقت ہر دو کی علیحدہ علیحدہ ہے یہ مسئلہ بجائے خود بہت سے دقیق اور عمیق مباحث پر مشتمل ہے۔ جن کی تفصیل اس موقع پر خارج از آہنگ ہے۔

انسان کامل کو اس سے جو بہرہ ہوتا ہے اس کی صورت تفصیلی یوں ہے کہ جب انسان پہلے پیدا ہوتا ہے تو ہر ایک قسم کے ادراکات سے خالی ہوتا ہے جوں جوں مختلف اطوار میں منقلب ہوتا ہے اس کے ادراکات میں ترقی ہوتی جاتی ہے اس لئے قبل از حصول علوم روحانی پہلو میں وہ مردہ شمار کیا جاتا ہے اور جوں جوں علوم خفہ کو زیادہ حاصل کرتا ہے حیات طیبہ کا مالک بنتا جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جہل موت ہے اور علم حیات۔ اور یہ معنے قرآن مجید سے ماخوذ ہیں قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰہُ وَلِنعْم مَاقِیل ؎

اَلنَّاسُ مَوْتٰی وَاَھْلُ الْعِلْمِ اَحْیَاءٌ

سو جس طرح بدن بلا روح زندہ نہیں رہ سکتا اسی طرح روح بلا علم مردہ ہے اس لئے جو شخص علوم خفہ کی طرف رجوع کرتا ہے وہ ایک نئی پیدائش میں منقلب ہوتا ہے اور جب دوسروں کو جہالت سے نکالکر معارف و حقائق کیطرف متوجہ کرتا ہے تو گویا مردہ روحوں کو زندہ کرتا ہے اور اس لئے وہ اسم باعث کا مظہر کامل کہلاتا ہے۔

حضرات مشائخ فرماتے ہیں۔ کہ باعث وہ ذات ہے جو اہل ہمت کی ہمتوں کو امور عالیہ کے اکتساب کی طرف متوجہ کرے اور قلب سے وسوسہ و شکوک کو اٹھا دے بعض لکھتے ہیں کہ باعث وہ ذات ہے جو اسرار کو ہوس سے اور افعال کو میل کچیل سے پاک کر دے یعنی افعال بشر کو آثار بشریت سے صاف بنا دے حضرت جنید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ باطن میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہ کر روحانی بن جاؤ۔ اور ظاہر میں خلقت کے ساتھ جسمانی زندگی بسر کرو

اَلشَّہِیْدُ قال اللہ تعالیٰ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا اور پھر فرمایا عالم الغیب

Marfat.com

وَالشَّہَادَۃِ۔ اسم شہید شاہد اسم فاعل، کا مبالغہ ہے جیسے علیم بمعنے عالم اور قدیر بمعنے قادر۔ اور اس کی تفسیر میں چند وجوہ بیان کئے گئے ہیں اوّل یہ کہ امام غزالی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ عالم الغیب والشہادہ ہے اور غیب سے مراد ہر ایک مخفی امر ہے اور شہادت سے مراد ہے ہر ایک امر جو ظاہر ہے (یہ ظاہر و باطن محض انسانی علم کے روسے ہے ورنہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک ظاہر و باطن میں کوئی امتیاز نہیں) جب نسبت علم ذات باری کیطرف عام طور پر کی جاتی ہے تو اسے علیم بولتے ہیں۔ اور جب امور غیبیہ امور باطنہ کے روسے کی جاتی ہے تو اسے خبیر کہتے ہیں اور جب امور مخفیہ و ظاہرہ ہر دو کو ملحوظ رکھ کر کی جاتی ہے تو اسے شہید بولتے ہیں۔ دوم شہید بمعنے حاضر اور شاہد بھی مستعمل ہے قال اللہ تعالیٰ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ سوم یہ کہ شہید بمعنے گواہ ہے جو اپنے بیان سے امر متنازع فیہ کے متعلق مدعی کی صداقت کا اظہار کرتا ہے چنانچہ آیہ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ میں لفظ شہادت اسی معنے میں ماخوذ ہے۔ بعض مفسرین نے آیہ مسطورہ بالا میں شہادت سے یہ مراد لی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنی توحید پر دلائل انفس و آفاق کو قائم کر دیا ہے چہارم شہید بمعنے مشہود لہ ہے یعنی چونکہ اللہ تعالےٰ کے بندے اس کی توحید کا اقرار اور شہادت کا اظہار کرتے ہیں اس لئے وہ مشہود لہ ہے قال اللہ تعالیٰ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ آدمی بھی شہید کہلا سکتا ہے اور اس سے مراد ایسا شخص لیا کرتے ہیں جو معرکہ میں مشرکین کے ہاتھ سے قتل کیا جائے اس کی وجہ تسمیہ میں چند اقوال ہیں اوّل یہ کہ ملائکہ الرحمن حاضر ہوتے اور اس کی روح کو منازل قدس میں لے جاتے ہیں اسلئے شہید بمعنے مشہود ہوا دوم یہ کہ شہید بمعنے شاہد ہے یعنی ایسا شخص جس نے اللہ تعالےٰ کے لطف اور اس کی رحمت کا مشاہدہ کر لیا ہوتا ہے۔ سوم نظر بن شمیل کہتے ہیں کہ شہید بمعنے حی زندہ ہے کیونکہ زندہ ہی حالات کا مشاہدہ کر سکتا ہے اور شہید مقتول ہونے کے بعد زندہ

رہتا ہے قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ چہارم یہ کہ شہید بمعنے حاضر ہے یعنی ایسا شخص جو میدانِ جنگ میں حاضر ہوتا ہے۔ پنجم یہ کہ قیامت کے دن منجملہ ان لوگوں کے ہوگا۔ جو گذشتہ امتوں پر شاہد گذریں گے قال اللہ تعالےٰ لِتَکُوْنُوْا شُھَدَاءَ عَلَی النَّاسِ

اس امر کو بھی خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ ذات باری کا شہید ہونا اولیاء کے لئے تو موجب طرب ہے اور اعداء کے لئے باعث خوف۔ موجب طرب ہونے کے لئے اس واقعہ میں غور کرو۔ کہ جب ایک شخص کو کسی حاکم جبّار کی طرف سے تازیانہ لگائے جا رہے تھے تو ایک بزرگ نے اسے کہا کہ الم ضرب پر تمہارے چیخ مارنے کی کیا وجہ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں جانتا ہوں کہ میں اپنے محبوب کی نظر میں پڑ رہا ہوں اور وہ میری اس حالت کو دیکھ رہا ہے بس صرف اسی خیال نے الم ضرب کو مجھ پر آسان کر دیا ہے سو جب ایک مخلوق کی نظر محبوب پر الم ضرب کو آسان کر دیتی ہے تو اللہ تعالےٰ کی نظر بندہ پر طاعت کو کیسے آسان نہ کر دے گی قال اللہ تعالیٰ وَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا یعنی اپنے پروردگار کے حکم پر جمے رہو کیونکہ تم ہماری حفاظت (نگرانی) میں ہو ظاہر ہے کہ اس جملہ میں حضور علیہ السلام کو ایک اعلےٰ درجہ کی تسلی دی گئی اور یہی تسلی اذیت کفار کو حضور علیہ السلام پر آسان کر دیا کرتی تھی اور اللہ تبارک وتعالےٰ کے اعداء (مشرکین و کفار) کے حق میں موجب خوف ہونے کا انداز یوں ہو سکتا ہے کہ شرک و معصیت موجب سوءادب ہیں اور سوءادب بندہ کو مستوجب عذاب بنا دیتا ہے۔

حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ شہید وہ ذات ہے جو اسرار محبّین کی حفاظت کرے اور ہر ایک حال میں ان سے قریب ہو بعض لکھتے ہیں کہ شہید وہ ذات ہے جو قلوب کو اپنے مشاہدہ سے منور فرمائے اور بعض نے یوں توجیہ کی ہے شہید وہ ذات ہے جو دنیا و آخرت میں اپنے بندہ کے بالمن اور اس کی مناجات سے آگاہ ہو۔ اور بعض نے یوں تعبیر

Marfat.com

کی ہے کہ شہید وہ ذات ہے جو اپنے محب کے حق میں بہترین جلیس ہو اور اس کے ہوتے ہوئے کسی انیس و ہمدم کی ضرورت نہ ہو ؎

انیسِ خلوتِ شب زندہ داراں ۔۔۔ رفیقِ روزِ درمحنت گذاراں!

اَلْحَقُّ قال اللہ تعالیٰ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ مَوْلٰھُمُ الْحَقِّ اور پھر فرمایا ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہِ الْبَاطِلُ لفظ حق مشتق ہے حق یحق اذا ثبت سے یہی وجہ ہے کہ حق امر موجود کو بولتے ہیں اور باطل امر معدوم کو چونکہ اشیاء اپنے اضداد سے ظاہر ہوتی ہے اس لئے ہر ایک شے جس کی بابت کسی قسم کی خبر دیجاتی ہے یا تو حق مطلق ہوگی یا باطل مطلق یا من وجہ حق ہوگی اور من وجہ باطل سو حق مطلق تو واجب بذاتہ کو کہتے ہیں اور باطل مطلق ممتنع بذاتہ کو اور من وجہ حق اور من وجہ باطل ممکن بذاتہ کو بولتے ہیں ممکن بذاتہ اپنے وجود میں کسی موجد کا محتاج ہوتا ہے چونکہ تمام موجودات بجز ذات باری کے موجد کی محتاج ہے اس لئے ضروری ہے کہ وہ ایجاد موجد پر وجود پذیر ہو ورنہ چیز عدم سے نکل کر کبھی دائرہ وجود میں نہیں آسکتی چنانچہ آیۂ کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ میں اسی حقیقت امکانیہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اسی خیال پر اہل حقیقت بولا کرتے ہیں لَا مَوْجُوْدَ فِی الْحَقِیْقَۃِ اِلَّا اللّٰہ اس سے معلوم ہوا کہ واجب الوجود حقیقی بجز ذات باری کے کوئی موجود نہیں وہی ازل سے ابد تک موجود ہے اس لئے جب کوئی چیز وجود پذیر ہوتی ہے تو اسی ذات مقدس کے ایجاد سے موجود ہوتی ہے سو وہی ذات حق مطلق ہے جو اوراشیاء کو حق بناتی ہے قال اللہ تعالیٰ وَیُحِقُّ اللّٰہُ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ چونکہ ذات باری حق ہے اس لئے جس طرح اسکا وجود ازلی وابدی ہے اسی طرح اس کے وجود کا اعتقاد اور اسکے صفات کاملہ کا اقرار بھی حق ہے جو ازلاً وابداً قائم اور بے زوال ہے۔ کیونکہ جب اس ذات مطلق کو فنا نہیں تو اس کے صفات کاملہ اور اس کے اعتقاد و اقرار پر بھی زوال کا عائد ہونا ناممکن ہے پس وہی ذات حق ہے اور اسی کی معرفت (اعتقاد)

Marfat.com

احق المعارف ہے اور اسی کے صفات کاملہ کا قائل ہونا اقرار احق الاقول ہے۔ اسی حقیقت کو قرآن مجید میں اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ سے تعبیر کیا گیا ہے اور وہ کلمہ طیبہ جس کی وصف ان الفاظ میں کی گئی ہے کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ ہے کیونکہ اسی سے اس ذات مطلق کے موجود حقیقی ہونے اور اس کے صفات کاملہ کے اعتقاد اور اقرار کی ضرورت کا علم حاصل ہوتا ہے

تنبیہ کتب سیر میں لکھا ہے کہ حسین بن منصور حلاج نے اَنَا الحقّ پکارا تھا جس پر علمائے وقت نے اسے واجب القتل قرار دیا چونکہ اس امر کے فہم حقیقت میں بسا اوقات لوگوں کو دھوکا لگ جاتا ہے لہذا مختصراً اسکے متعلق بحث کرنا مفید معلوم ہوتا ہے۔

یہ امر بخوبی یاد رکھنا چاہیئے کہ واجب کبھی ممکن نہیں ہو سکتا اور نہ ممکن کبھی واجب ہو سکتا ہے اسلئے عبد عاجز خواہ کسی مقام عرفان تک ترقی کر جائے پھر بھی عبد ہی رہتا ہے اور یہ کہنا کہ عبد فانی ہو کر اپنی حقیقت امکانیہ سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور واجب بالذات کا مقام حاصل کر لیتا ہے جسکو اصطلاح میں اتحاد کہتے ہیں کفر صریح ہے کیونکہ اگر ہر دو شے باوجود اتحاد کے باقی رہیں تو اتحاد ثابت نہ ہوگا اور اگر ہر دو فانی ہو جائیں تو ایک تیسری شے موجود ہوگی اور اگر ایک باقی رہے اور دوسری فانی ہو جاوے تو اتحاد نا ممکن ہے کیونکہ کوئی موجود عین معدوم نہیں ہو سکتا سو جب تینوں صورتیں باطل ہیں تو اب دیکھنا ہے کہ کوئی صحیح تاویل جملہ انا الحق کی ممکن ہو سکتی ہے یا نہیں اہل معرفت نے اسکے مختلف تاویلات کی ہیں مگر قوی تاویل یہ ہے کہ قائل کو مقام فنا کلی حاصل ہو چکا تھا جہاں اپنے نفس کا شعور اور اس عدم شعور کا بھی شعور نہیں ہوتا یعنے انوار جلال کا اسقدر غلبہ ہو جاتا ہے کہ عارف کو استغراق کلی اور محویت مطلق کی حالت میں بجز ذات واحد حقیقی کے کسی غیر کا مشاہدہ نہیں ہوتا اور اس لئے ذات احدیت کیطرف ایسے کلمات عارف کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں گویا ذات باری ہی اپنے تئیں انا الحق کہہ کر پکارتی ہے

نہ یہ کہ وہ عبد ضمیر انا سے اپنی ذات مراد لیتا ہے کیونکہ اسے تو اپنی ذات کا شعور ہی نہیں ہوتا اور ایسی بے شعوری میں وہ اس قسم کے کلمات زبان پر لاتا ہے کما قیل ؎

انا من اھوی ومن اھوی انا

انسان کامل کو اس اسم سے یہ حظ ہوتا ہے کہ وہ اپنے نفس کو باطل خیال کرتا ہے اور سوا ذات باری کے کسی موجود کو حق نہیں جانتا چونکہ حق مطلق وہی ذات مقدس ہے اس لئے اس کی معرفت اور عقائد صحیحہ بھی جو شریعت میں وارد ہو چکے ہیں حق ہیں

اہل تصوف عموماً اسم حق کا استعمال کرتے ہیں اور اسکی وجہ یہ ہے کہ جو شخص مقام مکاشفہ میں ہوتا ہے اسے ماسوی اللہ سب باطل نظر آتے ہیں برخلاف اس کے متکلمین اسم باری کا استعمال کرتے ہیں کیونکہ وہ مقام استدلال میں ہوتے ہیں یعنی مخلوق سے خالق کے اثبات پر استدلال کرتے ہیں

اَلْوَكِيْلُ قال اللہ تعالیٰ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا اور پھر فرمایا لَا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا یہ اسم مصدر وکالت سے مشتق ہے یقال وَكَّلَ اِلَيْهِ الْاَمْرَ وَكْلًا وَكُوْلًا کار بدو گذاشت و سپرد بروے وَوَكَلَ بِاللّٰهِ وَكْلًا تکیہ نمود بر خدا و اعتراف کرد بعجز خود وکیل وزن صرفی میں فعیل ہے جو بمعنے مفعول یعنی موکول مستعمل ہے اور مراد اس سے موکول الیہ ہے یعنی وہ ذات جس پر بندے اپنے مصالح امور کو سپرد کر کے اعتماد کرتے ہیں اور وہ ان کے امور کی متکفل ہو جاتی ہے اس تعبیر کی توجیہ یہ ہے کہ مصالح امور کو کسی غیر کی تحویل و تفویض میں دینا دو شرطوں سے مشروط ہے اول یہ کہ موکل خود اس امر کو سرانجام دینے سے عاجز ہو اور مخلوق کا اپنے مصالح امور کی سرانجام دہی سے عاجز ہونا ظاہر ہے دوم موکول الیہ (وکیل) کمال علم اور کمال قدرت اور کمال رحمت اور کمال استغناء سے موصوف ہو کیونکہ ان صفات کے عدم کی صورت میں وکیل سرانجام دہی سے عاجز ہوگا یا خود غرض یعنی جہل۔ عجز عدم شفقت و احتیاج

ایسے امور ہیں جن کیوجہ سے موکول الیہ ہرگز وکالت کے قابل نہیں ہوسکتا اور جب یہ چار صفات بوجہ کمال اسمیں حاصل ہوں تو مصالح امور کی تفویض کیلئے وہ موزون ہوسکتا ہے اور یہ امر مسلم ہے کہ بجز ذات باری کے کسی مخلوق کو یہ صفات بوجہ کمال حاصل نہیں اسلئے وکیل ہونا بھی اسی ذات اقدس کا منصب ہے چنانچہ آیۃ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ میں ان ہی صفات کیطرف اشارہ کیا گیا ہے چونکہ کوئی مخلوق ان صفات کا اہل نہیں ہوسکتا اس لئے اسباب ظاہری کی پابندی کرنا بطور عادۃ اللہ کے منافی توکل نہیں ہاں اسباب کو موثر جاننا عین شرک ہے جو لوگ حقیقت توحید سے آگاہ ہیں وہ اسباب کو نظر انداز کرکے مسبب کیطرف متوجہ ہوتے ہیں اور مشیت ازلی کو بلاواسطہ موثر دیکھتے ہیں جس قدر کوئی شخص اس حقیقت سے زیادہ آگاہ ہوتا ہے اسی قدر حوادث خیر و شر سے کم متاثر ہوتا ہے الغرض حقیقت توکل پر مطلع ہونا سخت دشوار امر ہے اہل تعلق کو یہ پایہ نصیب نہیں بلکہ انکے پاس مقام توکل کا ذکر کرنا انہیں حقیقت توحید سے نفرت دلانا ہے آیۃ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا کے معنے میں غور کرو کہ کس طرح اس ذات اقدس نے الفاظ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ سے اپنا متصرف کل ہونا ظاہر فرما کر جملہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سے اپنی توحید کا پتہ دیا ہے اور پھر حرف فاء سے جو معنئ تفریع پر متضمن ہے یہ ظاہر کیا ہے کہ جب موثر حقیقی وہی ذات یکتا ہے تو بجز اسکے کسی غیر کیطرف مصالح امور میں رجوع کرنا منافی توحید ہے اسی کو ہر حال میں اپنا متکفل اور نگران حال سمجھو مگر یہ مقام بجز عارف کامل کے جو رسوم اہل ظاہر سے آزاد ہوچکا ہو کسی کو نصیب نہیں ہوسکتا چنانچہ اس حقیقت کے متعسر الفہم ہونے کیطرف حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا لو توکلتم علی اللّٰہ حق توکلہ لرزقکم کما یرزق الطیر تغدو خماصا وتروح بطانا یعنی اگر تمہیں حقیقت توکل کا کماحقہ پایہ نصیب ہوتا تو تمہیں اسیطرح

روزی دیجاتی جس طرح پرندوں کو دیجاتی ہے جو صبح سویرے اپنے گھونسلوں سے
خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام پیٹ بھرے واپس آتے ہیں یعنی وہ تمہاری طرح نہ تو بل
جوتتے ہیں نہ محنت کرتے ہیں مگر اللہ تعالےٰ انہیں ہر روز کا قوت پہنچا دیتا ہے

حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ وکیل وہ ذات ہے جو پہلے اپنے بندہ کو رجوع
الی الغیر سے کافی ہو کر اس کے لئے نگران حال ہو اور بالآخر اسے اپنی ولائت کے
مقام تک ترقی دے۔

اَلْقَوِیُّ الْمَتِیْنُ قال اللہ تعالیٰ ذُو الْقُوَّۃِ الْمَتِیْنُ یہ ہر دو اسم علیحدہ
علیحدہ قوت اور متانت سے مشتق ہیں قوت سے تو قدرت کاملہ مراد ہے اور متانت سے
شدت قوت چونکہ قوت کسی چیز کی اس کمال کا نام ہے جس سے وہ دیگر اشیاء میں
موثر ہو اور خود وہ کسی دوسری چیز سے اثر پذیر نہ ہو اس لئے ذات باری کے قوی
ہونے کی توجیہ یوں ہوگی کہ قوی وہ ذات واجب الوجود ہے جو ممکنات میں حسب
ارادہ موثر ہے کیونکہ وہی ایجاد اور تغیر و انقلاب کا مالک ہے اور خود کسی چیز سے کسی قسم
کا اثر قبول نہیں کر سکتا اسی طرح اسم متین کی توجیہ ہو سکتی کیونکہ متانت کے معنے
صلابت کے ہیں اور صلابت کسی چیز کی شدت کو بولتے ہیں متن بمعنے پشت اسی سے
مشتق ہے اور اسی وجہ سے ظہر بمعنے قوت مستعمل ہے قال اللہ تعالیٰ وَلَوْ كَانَ
بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ۝ ویقال کلام مَتِينٌ اِذَا كَانَ قَوِيًّا

لفظ قوت لموصوف کی قدرت کا افادہ کرتا ہے اور متانت شدت قوت اور ہر دو
میں اعتباری فرق ہے اور انسان کامل کو ان ہر دو اسم سے یہ حظ حاصل ہوتا ہے کہ
وہ اپنی ایمانی قوت کی وجہ سے ماسوی اللہ کی طرف ملتفت نہیں ہوتا اور کم از کم
اس کا رتبہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے نفس کے نفقہ تمایل پر غالب آتا ہے اور آخرت کو دنیا پر
ترجیح دیتا ہے حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ جو شخص قوت ذات باری کو جان لیتا ہے

وہ اپنے عزم سے دست بردار ہو جاتا ہے۔

اَلْوَلِیُّ قال اللہ تعالیٰ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اور پھر فرمایا انت وَلِیّٰی فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اسم مولےٰ بھی بمعنے ولی مستعمل ہوتا ہے چنانچہ مختلف آیات میں اس کا استعمال آچکا ہے

واضح ہو کہ جس طرح اللہ تبارک و تعالےٰ اہل ایمان کا ولی ہے اسی طرح اہل ایمان اللہ تعالےٰ کے اولیاء کہلاتے ہیں چنانچہ فرمایا اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ الخ اور اس اسم کی توجیہ میں چند وجوہ بیان کئے گئے ہیں اول یہ کہ ولی بمعنے متولی ہے اور متولی اس شخص کو بولتے ہیں جو کسی امر کی نگہداشت اور سرانجام دہی کا متکفل ہو چنانچہ ولی الیتیم اس شخص کو بولتے ہیں جو یتیم کے نیک و بد حالات کا نگراں اور اس کی اصلاح کا ذمہ وار ہوتا ہے اور ولی المرأۃ وہ شخص ہوتا ہے جو عورت کے عقد نکاح کا مجاز اور متکفل ہو دوم یہ کہ ولی بمعنے ناصر و یاور کے ہے چنانچہ اولیاء السلطان ان اشخاص کو بولتے ہیں جو اس کے اعوان و انصار ہوں قال اللہ تعالیٰ نَحْنُ اَوْلِیَآءُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ای اَنْصَارُکُمْ معنے اول کے رو سے اس اسم کے معنے کافر اور مومن ہر دو کو شامل ہیں کیونکہ اللہ تعالےٰ تمام مخلوقات کے امور کا متولی ہے اور معنیٔ ثانی کے رو سے اسکے معنے صرف اہل ایمان کیساتھ مخصوص ہیں سوم یہ کہ ولی بمعنے محبّ ہے چہارم یہ کہ ولی بمعنے مُوالی ہے جیسے جلیس بمعنی مُجالس اور موالات کے معنے باہم دوستی کرنے کے ہیں اہل لغت لکھتے ہیں کہ ولی کے معنے قرب کے ہیں کیونکہ ولی بروزن غنی مشتق ہے ولی یلی سے جس کے معنے قرب کے ہیں اسلئے لفظ ولی کے جو معنے لئے جائینگے ان میں اپنے ماخذ کے رو سے معنے قرب کا مفہوم ضرور ملحوظ ہوگا چنانچہ ذات باری بندوں سے اسقدر قریب ہے کہ کوئی اور چیز اس سے زیادہ قریب نہیں ہو سکتی اور اس قرب کا ذکر آیہ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ

Marfat.com

مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ میں محض بطور تفہیم ذکر کیا گیا ہے ورنہ ذات باری کے قرب کی حقیقت کا ادراک ناممکن ہے۔

حضرات مشائخ لکھتے ہیں کہ ولی وہ ذات ہے جو اپنے اولیاء کی نصرت اور اعداء کی ذلت کرے یعنی اس کا ولی منصور اور عدو مقہور رہتا ہے بعض لکھتے ہیں کہ ولی وہ ذات ہے جو بلا علت اپنے اولیاء سے محبت رکھے اور ارتکاب ذلت پر اپنی بارگاہ سے رد نہ کرے بعض لکھتے ہیں کہ ولی اس ذات کو بولتے ہیں جو سیاست نفوس اور تہذیب قلوب کی والی ہو بعض لکھتے ہیں کہ ولی احسان کے کامل اور وعدہ کے وفا کنندہ کو کہتے ہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بندوں میں سے وہ شخص ولی کہلا سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے اولیاء سے محبت رکھتا اور ان کی نصرت کرتا ہو اور اعداء اللہ سے عداوت رکھتا ہو نفس و شیطان بھی منجملہ اعداء اللہ کے ہیں جن سے عداوت اور مخالفت برتنا ولی اللہ کا فرض ہے۔

اَلْحَمِیْدُ قال اللہ تعالیٰ اِنَّہٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ حمید یا تو فعیل بمعنے فاعل یعنی حامد ہے کیونکہ وہ ذات اقدس ازل سے خود اپنی حمد کی مالک ہے چنانچہ فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ یا فعیل بمعنی مفعول یعنی محمود ہے کیونکہ وہ خود اپنی حمد کا مالک ہے اور اس کے بندے بھی اس کی حمد کرتے ہیں اسلئے وہ ذات اقدس محمود ہے بعض نے لکھا ہے کہ حمید وہ ذات ہے جو مستحق حمد و ثنا ہے۔

انسان کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ ہوتا ہے کہ اس کے عقائد شبہات سے اور اس کے اعمال شہوات سے محفوظ ہو جاتے ہیں

حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ حمید وہ ذات ہے جو خیرات کی توفیق عطا فرما کر ان پر حمد کہے اور گناہوں کو محو کر کے ان کی یاد دلانے سے نادم نہ کرے

Marfat.com

تنبیہ عوام الناس تو جسمانی لذات کے حصول پر حمد کیا کرتے ہیں اور خواص
انعامات روحانی کے موصول ہونے پر مگر مقربین بارگاہ صرف اس لئے حمد کیا کرتے ہیں
کہ حمد کا استحقاق بجز ذات باری کے کسی غیر کو حاصل نہیں سو حمید مطلق بجز ذات باری کے
اور کوئی موجود نہیں اور عباد اللہ میں سے جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم سب سے
زیادہ سزاوار حمد ہیں کیونکہ آپ کے کمالات وفضائل کا حصر ناممکن ہے پھر دیگر حضرات
انبیاء علیہم السلام اور پھر عام اولیاء اللہ رضی اللہ عنہم

المحصی قال اللہ تعالیٰ لکل شیء عددا مصدر احصاء سے مشتق ہے جس
کے معنے شمار کرنے اور نگاہ رکھنے کے ہیں احصاء درحقیقت وصف علم ہی کا نام ہے جبکہ
معلومات کے شمار اور احاطہ کا مفہوم علم میں ملحوظ رکھا جائے۔

محصی مطلق بجز ذات باری کے کوئی موجود نہیں ہو سکتا کیونکہ وہی افراد موجودات
اور ان کے حرکات وسکنات کا علم رکھتا ہے اور وہی قیامت کے دن بندوں کے
اعمال کا حساب لیگا قال اللہ تعالیٰ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ

انسان کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ ہوتا ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کے محصی
ہونیکا یقین کر لیتا ہے تو وہ اپنے تمام اعمال نفس کی نگہداشت کرتا ہے۔

حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ محصی وہ ذات ہے جو ظاہر پر بینا اور باطن پر
آگاہ ہو بعض لکھتے ہیں کہ وہ ذات جو اپنے بندہ کے اعمال وطاعات کی حافظ اور اس کے
جمیع حالات سے آگاہ ہو۔

المبدئ المعید قال اللہ تعالیٰ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ابداء کے
معنے ہیں از سر نو کسی چیز کا وجود میں لانا اور اعادہ کے معنے کسی چیز کے لوٹانے کے ہیں
اصل میں ابداء اور اعادہ ہر دو بمعنے ایجاد کے ہیں فرق یہ ہے کہ ایجاد اگر از سر نو ہو تو اسے
ابداء کہینگے نیز اور اگر پہلے کوئی چیز فانی ہو کر پھر وجود میں لائی جاوے تو اسے اعادہ کہینگے

Marfat.com

اس تعبیر کے مطابق ان ہر دو اسم کی توجیہ یہ ہوئی کہ وہی ذات اقدس مخلوقات کو از سر نو عدم سے وجود میں لانے والی ہے اور وہی عدم میں لیجا کر پھر ان کو عرصہ محشر میں اکٹھا کرے گی اور اسی اکٹھا کرنے کو اعادہ کہا گیا ہے سو جس طرح اشیاء کا آغاز اسی سے ہے ان کا انجام بھی اسی کیطرف ہے۔

اَلْمُحْیِیْ الْمُمِیْتُ قال اللہ تعالےٰ هُوَ الَّذِیْ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ واضح ہو کہ حیات اور موت ہر دو کا خالق اللہ تعالےٰ ہے چنانچہ فرمایا اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ اور موت و حیات کی ان کے موارد کے لحاظ سے مختلف صورتیں ہیں مثلاً وہی ذات باری نطفہ اور علقہ میں حیات کو پیدا کرتی ہے اور وہی ذات اقدس زمین مردہ کو بارانِ رحمت سے حیات بخشتی ہے اور وہی قلوب غفلت زدہ کو اپنے ذکر سے زندہ کرتی ہے اور وہی ارواح سالکین کو انوار تجلیات سے حیات طیبہ عطا فرماتی ہے اور واصلین کو مقام مشاہدہ میں انعام جلال سے عزت بخشتی ہے قال اللہ تعالےٰ اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ اور پھر فرمایا وَمَا یَسْتَوِی الْاَحْیَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ان آیات میں جسمانی حیات و ممات اور روحانی حیات و ممات ہر دو کا مفہوم داخل ہے

حضرات مشائخ کرام لکھتے ہیں کہ محیی وہ ذات ہے جو اپنے ذکر سے قلوب زندہ کرے اور احسان سے مطیع بنائے اور شکر کی توفیق عطا فرماوے اور ممیت وہ ذات ہے جو قلب کو غفلت سے مردہ بنا دے اور نور عقل پر ظلمت نفس کو غالب کر دے

اَلْحَیُّ قال اللہ تعالےٰ هُوَ الْحَیُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ حیات منبع فعل و ادراک کا ہے اللہ تعالےٰ نے اپنے اسماء میں اسم حی کا ذکر اس لئے فرمایا ہے تاکہ اپنا حی لایموت ہونا ظاہر کرے کیونکہ ماسوائے اللہ جو حی ہے وہ مورد موت ہے قال اللہ تعالےٰ اِنَّكَ مَیِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ اس لئے حی کامل بجز ذات باری کے اور کوئی موجود نہیں یہی وجہ ہے کہ کوئی موجود اس کے اثر فعل اور ادراک سے خارج

نہیں کیونکہ کمال حیات مقتضی کمال فعل وادراک کا ہے اور ماسوے اللہ جس قدر
انبیاء ہیں ان میں کمال حیات کے روسے مدارج ہیں چنانچہ ان کے افعال وروسعت
ادراک سے اس امر کا بخوبی پتہ لگ سکتا ہے۔

انسان کامل کو وصف حیات سے جو بہرہ ہوتا ہے اس کا کمال معیار اس کے
افعال وادراک کی وسعت سمجھی جاتی ہے اسی نکتہ پر آیہ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ میں شہداء کو احیاء
کہا گیا ہے کیونکہ جہاد اللہ تعالےٰ کی محبت پر مبنی ہے اور محبت حیات قلب کا واسطہ ہے

تنبیہ۔ قبل ازیں اسماء وذات باری کے توقیفی ہونے کا مسئلہ لکھا جا چکا ہے اسی مسئلہ
کی بناء پر ذات باری کو حیوان نہیں۔ بلکہ حیّ کہینگے

الْقَيُّوْمُ قال اللہ تعالیٰ هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ممکن اور واجب کے روسے موجودات کی
تین قسمیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو تمام موجودات ممکن ہوگی اور اس صورت میں ممکن کا بلا علت
وجود میں آنا تسلیم کرنا پڑے گا کیونکہ ممکن کسی دوسرے ممکن کے وجود کے لئے علت
نہیں ہو سکتا یا تمام موجودات واجب ہوگی اس صورت میں موجودات کا تعین بھی علیحدہ علیحدہ
ہوگا اور یہیں سے ہر ایک کا مابہ الامتیاز اور مابہ الاشتراک سے ہر ایک مرکب ہونا لازم آئے گا
اور ترکیب منافی وجوب ہے اس لئے تمام موجودات کا واجب ہونا بھی باطل ٹھہرا اب رہی
تیسری صورت اور وہ یہ ہے کہ بعض موجود تو واجب ہو اور بعض ممکن اور یہی صورت صحیح
بھی ہے ہاں یہ ضروری ہے کہ واجب صرف ایک ہی ذات ہوگی متعدد نہیں ہو سکتی کیونکہ
واجب کو متعدد مان لینے کی صورت میں مذکورہ بالا قباحت لازم آئے گی یعنی کہ مابہ الامتیاز
اور مابہ الاشتراک سے ہر دو کا مرکب ہونا جو منافی وجوب ہے اس لئے یقیناً تمام موجودات
ممکنہ کا خالق صرف ایک ہی ذات ہو سکتی ہے اور وہ واجب ہی ہوگی اور باقی تمام
موجودات ممکن جو بلحاظ مخلوق ہونے کے ذات واجب کی محتاج ہوگی چونکہ واجب کا

Marfat.com

ہر ایک جہت سے بے نیاز ہونا ضروری ہے اس لئے وہ ذات قائم بذاتہ ہونے کے علاوہ دیگر موجودات کیلئے سبب قیام بھی ہوگی مطلب یہ کہ جہاں وہ ذات سبب وجود ہے سبب قیام وجود بھی ہے چونکہ اسم حیّ فاعل مُدرک کے مفہوم پر مشتمل ہے اور اسم قیوم قائم بذاتہ اور مقوم لغیرہ کے مفہوم پر متضمن ہے اس لئے یہ ہر دو اسم علم توحید کے بے شمار مسائل ضروریہ کے لئے بمنزلہ اصول کے قرار دیئے گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہر ایک موقع پر ان ہر دو کو ملا کر ذکر کیا کرتے ہیں۔

واضح ہو کہ وصف قیومیت کیلئے چند ایک لوازم ہیں۔ اوّل یہ کہ ذات واجب الوجود ایک ہی ہوگی نہ متعدد۔ دوم یہ کہ وہ کسی محل میں متخیر نہ ہو سوم یہ کہ اس کو تمام موجودات کا علم بروجہ کمال ہو۔ چہارم تمام موجودات اپنے وجود اور قیام وجود میں اسکی محتاج ہو۔ پنجم تمام امور و حوادث بالواسطہ یا بلاواسطہ اس کی طرف منسوب ہوں ان مذکورہ بالا لوازم میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ تمام مسائل علم الٰہیات کے جن پر علم کلام میں بحث کی جاتی ہے انہیں ہر دو اسم پر مترتب ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان اسماء اور ان آیات کی جن میں یہ واقع ہوئے ہیں فضیلت بدرجۂ غایت تسلیم کی گئی ہے چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اسم اعظم الحی القیوم ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے دن سجدہ میں دیر تک صرف یا حی یا قیوم پکارا کئے حتےٰ کہ اللہ تعالےٰ نے فتح و نصرت سے اہل ایمان کی عزت افزائی کی۔

انسان کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ ہوتا ہے کہ وہ ماسوے اللہ سے بے نیاز ہو جاتا ہے ابو یزید رحمہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ توکل کی یہ حقیقت ہے کہ بندہ بجز ذات باری کے کسی کو اپنا ناصر و رازق نہ جانے وجہ اس کی یہ ہے کہ جس شخص کو یہ یقین ہو جائے کہ وہی ذات قائم و قیوم ہے وہ تمام خلقت سے امید قطع کر لیتا ہے

Marfat.com

اَلْوَاجِدُ یہ اسم قرآن مجید میں مذکور نہیں لیکن اسماء ذات باری میں بالاتفاق شمار کیا گیا ہے۔ لغت عرب کے رو سے اس لفظ کا استعمال تین طرح ہوا کرتا ہے۔ اول واجد بمعنے غنی یقال وجد فلان وَجدًا وجِدَۃً یعنی مالدار ہوگیا۔ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے لیُّ الواجدِ ظُلم یعنی تونگر آدمی کا ادائے قرضہ میں ٹال مٹول کرنا ظلم ہے اگر اس اسم کو مادہ ہذا سے مشتق سمجھیں تو معنے یہ ہوں گے کہ واجد وہ ذات ہے جو اپنے ارادہ کے نافذ کرنے پر کامل قدرت رکھتی ہو۔

دوم واجد بمعنے عالم یقال وجدت فلانًا فقیہًا یعنی میں نے فلاں شخص کو فقیہ پایا۔ اس صورت میں وجود سے مشتق ہوگا۔

سوم واجد بمعنی حزین مگر اس معنی میں ذات باری پر اس کا اطلاق صحیح نہیں۔ ان وجد علیہ بمعنی غضِبَ علیہ مستعمل ہے لہٰذا ذات باری کے متعلق اسکی توجیہ یہ ہوگی کہ واجد وہ ذات ہے جو کفار و فساق کو مغضوب علیہم بناتی ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ واجد کسی چیز کا پانیوالا۔ فاقد کسی چیز کا کھونے والا۔ کی ضد ہے اور پھر لکھتے ہیں کہ وہ ذات جو کسی غیر ضروری چیز کو کھوئے اسے فاقد نہیں کہہ سکتے اور نہ جس کے پاس کوئی غیر ضروری چیز موجود ہو اسکو واجد کہہ سکتے ہیں بلکہ واجد ایسی ذات کو کہنا چاہیئے کہ جس کو ہر ایک چیز جو اسی کے لئے ضروری ہے حاصل ہو سو ذات باری کے لئے کمال صفات ضروری ہے جو اسے من کل الوجوہ حاصل ہے اسی لئے واجد مطلق فقط ذات باری ہے اور دیگر مخلوق کو گر واجد کہا جائیگا۔ تو صرف اضافی طور پر نہ حقیقی طور پر۔

اَلْمَاجِدُ یہ اسم مجد سے مشتق ہے اور ماجد اور واجد میں وہی فرق ہے جو عالم اور علیم میں ہے گذشتہ صفحات میں اس کی تشریح ہو چکی ہے

اَلْوَاحِدُ وَالْاَحَدُ قال اللہ تعالیٰ وَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ہو پھر فرمایا قل ھو اللہ احد یہ ہر دو اسم ذات باری کی وحدت کا مفہوم ظاہر کرتے ہیں اور ان ہر دو میں امتیاز کرنا چاہیئے

Marfat.com

ضروری ہے کہ پہلے بطور تمہید کے حقیقت ذات کے ناممکن الادراک ہونے پر بحث کی جائے

واضح ہو کہ وحدت حقیقی ذات باری کا علم ناممکن ہے کیونکہ انسان واحد کو وحدت اضافی یا وحدت عددی کی صورت میں تصور کر سکتا ہے مگر ذات باری کی وحدت ان ہر دو سے بالاتر ہے کیونکہ وحدت اضافی کی حقیقت یہ ہے کہ کوئی چیز باوجود کثرت پر مشتمل ہونیکے دوسری اشیاء کی نسبت واحد کہلا سکتی ہے مثلاً ایک چیز چند اشیاء کے مجموعہ کو ظاہر کرتی ہے مگر وہ بائے خود واحد ہے مگر اس کی وحدت حقیقی نہیں کیونکہ وہ کئی اکائیوں کا مجموعہ ہے اور وحدت عددی کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شے سلسلۂ شمار میں اگر بہ نسبت دیگر اشیاء معدودہ کی واحد کہلاتی ہے مثلاً ہم کسی چیز کو کہتے ہیں کیونکہ اس کے ساتھ ویسے دوسری چیز کا وجود ممکن ہے اسی طرح ہم ایک نوع کے دو فرد کو دو بولتے ہیں اس لئے کہ ویسے تیسرے فرد کا وجود ممکن ہے علی ہذا القیاس جس عدد کا درجہ ہم کسی فرد کیلئے تجویز کرینگے اس کے ساتھ اسکے مثل کا وجود ممکن ہوگا گو خارج میں اس کا مثل موجود نہ ہو مگر اسکا ہونا محال نہیں ہو سکتا مثلاً مثل آفتاب خارج میں موجود نہیں مگر اس کا موجود ہونا محال نہیں بلکہ ممکن ہے اس لئے ذات باری کا واحد ہونا نہ تو بطور وحدت اضافی کے ہے اور نہ بطور وحدت عددی کے بلکہ اسکا واحد ہونا حقیقی ہے جس میں نہ تو کثرت کو دخل ہے اور نہ اسکا مثل ممکن ہے بلکہ اس کی وحدت کا اقتضا یہ ہے کہ اگر اس کا انکشاف ہو تو تمام موجودات عالم نیست و نابود ہو جاوے کیونکہ وجود حقیقی کے سامنے کسی دوسرے موجود کا ثابت الوجود ہونا ناممکن ہے اسی امر کیطرف ایک حدیث میں یوں اشارہ کیا گیا ہے لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ مَنِ انْتَهٰى اِلَيْهِ بَصَرُهٗ مِنْ خَلْقِهٖ یعنی اگر وہ ذات مظاہر کائنات پر جلوہ افروز ہو تو اسکے انوار تمام موجودات کو جلا دیں اور کوئی غیر اللہ معرض وجود میں نہ رہے ولنعم ما قال الشیرازی ؎

چو سلطان عزت علم بر کشد!! جہاں سر بجیب عدم در کشد!!

موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کو قرآن مجید میں پڑھو حالانکہ اپنی تجلی صفات کا مقام تھا نہ تجلی ذات کا قال اللہ تعالیٰ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا اور اسی امر کیطرف

اشارہ ہے آیۂ لو انزلنا ھذا القرآن علیٰ جبل الآیۃ میں۔ انسان جو کچھ ذات باری کے متعلق تصور کرتا اور تجویز کرتا ہے ذات باری اس سے بالاتر ہے کیونکہ انسان ایک مخلوق عاجز ہے اور مخلوق اپنے خالق کی حقیقت کا کیونکر ادراک کر سکتا ہے؟

ہاں ہر ایک شخص اپنے اپنے فہم و ادراک کے مطابق کچھ نہ کچھ سمجھتا ہے مگر ذات باری اس سے پاک اور بری ہے ؎

برافگن پردہ تا معلوم گردد کہ یاران دیگرے را مے پرستند

الغرض ذات باری کی کُنہ یا حقیقت کا ادراک محال ہے اور عاجز انسان کو بجز تسلیم ضعف و عجز کے کوئی چارہ نہیں ؎

عنقا شکار کس نہ شود دام باز چیں! کاینجا ہمیشہ باد بدست[1] است دام را

جنید سید الطائفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حقیقت توحید کے بارے میں جو بہترین کلمات کہے گئے ہیں ان میں جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو کلمات ارشاد فرمائے ہیں اصوب و اشرف ہیں چنانچہ آپ فرماتے ہیں سُبْحَانَ مَنْ لَمْ یَجْعَلْ لِخَلْقِہٖ سَبِیْلًا اِلٰی مَعْرِفَتِہٖ اِلَّا بِالْعَجْزِ عَنْ مَعْرِفَتِہٖ یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی مخلوق عاجز کیلئے اپنی طرف آنے کا بجز اقرار عجز کے کوئی راستہ نہیں مقرر کیا اسی خیال کو آپنے دوسرے الفاظ میں یوں ظاہر فرمایا ہے العجز عَنْ دَرَکِ اِدْرَاکٌ اِدْرَاکٌ

اکابر حضرات ائمہ طریقت نے بالاتفاق تسلیم کیا ہے کہ مقام توحید کی حقیقت کو الفاظ میں لانا ناممکن ہے کیونکہ جب کوئی شخص اس مقام کے متعلق کچھ کہیگا تو ضروری ہے کہ مخبر عنہ اور مخبر بہ اور مخبر تین امور وہاں موجود ہوں اور یہ امر منافی توحید ہے اس لئے عارف کامل بذریعہ شہود اس کو سمجھ سکتا ہے مگر الفاظ کو وہاں کچھ دخل نہیں۔

حضرت جنید رضی اللہ عنہ سے توحید کی بابت جب سوال کیا گیا تو آپنے فرمایا کہ مقام

[1] باد بدست سے مراد ناکامی ہے ۱۲ منہ

Marfat.com

توحید اس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ آثار بشریت بالکلیت مضمحل اور تمام علوم منفی ہو جائیں اور صرف ذات واحدہ ہو جو ازلی و ابدی ہے منصور مغربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے جامع منصور عباسی واقع بغداد میں حضرمی[1] کو توحید کے بارہ میں کلام کرتے سنا جب میں سویا تو مجھے رویا میں دو ملائکہ نظر آئے جو آسمان کیطرف جا رہے تھے اور ایک دوسرے کو کہہ رہا تھا کہ حضرمی نے جو کچھ کہا ہے یہ اس کے علم کا نتیجہ ہے مگر توحید اس سے بالاتر ہے۔

یوسف بن حسین فرماتے ہیں کہ جو شخص توحید کے دریا میں تیرتا ہے اس کی پیاس اور بھی بڑھتی ہے۔

الغرض توحید ذات باری کا مقام ہم جیسے لوگوں کی قیل و قال سے بالاتر ہے اور جن اہل ظاہر نے اس میں کچھ کلام کیا ہے انہیں بجز ہوسناکی کے کچھ حاصل نہیں ہوا کم علم لوگ غلطی سے اپنی جگہ کچھ سمجھ کر اپنے تئیں عارف حقیقت سمجھنے لگ جاتے ہیں اور یہ عین ضلالت ہے حق یہ ہے کہ جس قدر کسی شخص کا مبلغ علم بلند ہوتا ہے اسی قدر اس کو یہ مرحلہ سخت دشوار گذار نظر آتا ہے ولنعم ما قیل ؎

گفتا[2] غلطی زمالشاں نتواں داد — از اوج ہر آنچہ دید پایہ پست

اس تمہید کے بعد اسماء احد و واحد کی ضروری تشریح کیجاتی ہے۔

سو واضح ہو کہ اسم واحد سے کبھی تو نفی کثرت مراد لیجاتی ہے اور کبھی نفی شے۔ نفی کثرت کی صورت میں چند توجیہ بیان کیگئی ہیں اول یہ کہ واحد حقیقی وہ ذات ہے جو کسی صورت میں بھی تقسیم قبول نکرے نہ خارجی طور پر نہ ذہنی طور پر کیونکہ یہ خاصہ یا تو مادی اشیاء کا ہے یا اشیاء عقلی کا

استاذ ابو اسحق کہتے ہیں کہ واحد ایک شے ہے وہ عدم تقسیم کی قید کو حذف کر گئے ہیں کیونکہ انکے نزدیک جو چیز قابل تقسیم ہو ایک شے نہیں بلکہ دو شے کا مجموعہ ہے۔

---

[1] منسوب بہ حضرموت جو بلاد یمن میں ہے ۱۲ منہ [2] شاعر نے اس شعر کو گویا ذات باری کا مقول قرار دیا ہے مطلب یہ کہ اے ہماری حقیقت کی ٹوہ لگانے والے! ہمارا پتہ تمہیں نہیں ملیگا جو کچھ تم سمجھو گے وہ تمہارا اپنا علم ہے حقیقت نہیں ۱۲ منہ

دوم یہ کہ واحد وہ ذات ہے کہ جس میں وضع اور رفع رکم کرنے اور دور کرنے کو ہم تجویز کر سکتے ہوں مثلاً ہم کہہ سکتے ہیں مرد بلا دست و پا مگر واحد حقیقی کی نسبت ایسا خیال کرنا باطل ہے۔

سوم یہ کہ واحد وہ ذات ہے جو سلسلۂ شمار میں نہ آسکے یعنی عدد کے تعلق سے بری ہے۔ کیونکہ عدد ایک ایسی مقدار کو کہتے ہیں جو اپنے ہر دو اطراف کے مجموعہ کا نصف ہو مثلاً چار نصف ہے تین اور پانچ یعنی اَحَدٌ کا مگر واحد کی دو طرفین متحقق نہیں کیونکہ اسکی صرف ایک ہی طرف ہے اسلئے واحد سلسلۂ اعداد میں شمار نہیں ہوسکتا بلکہ واحد تمام لاتناہی اکائیوں کا منبع ہے یہاں یہ خیال صحیح نہیں کہ جوہر فرد (جزء لایتجزے) کی طرح واحد حقیقی میں حقارت یعنی چھوٹاپن پایا جائیگا کیونکہ یہ امر محسوسات مادیہ کے متعلق ہے ذات باری اس سے بری ہے۔

دوسری صورت میں اس اسم کی تفسیر یہ ہوگی کہ کوئی موجود اس ذات حقیقی کے ساتھ وجوب ذاتی۔ علم بجمیع المعلومات۔ قدرت علی جمیع الممکنات میں مساوی نہیں اس لئے نہ تو کوئی موجود اسکا مثل ہے اور نہ نظیر اسلئے واحد حقیقی بھی اس ذات مطلق کے سوا کوئی موجود نہیں ہوسکتا۔

اسم اَحَدٌ کے متعلق زجاج نحوی کہتے ہیں کہ اَحَدٌ اصل میں واحد ہی ہے ازہری کی تحقیق کے مطابق زجاج نے اُس کو وَحَدَ یَوْحِدُ فَھُوَ وَحِدٌ بروزن حَسَنَ یَحْسُنُ فَھُوَ حَسَنٌ سے مشتق کیا پھر وَحِدَ کی واو کو ہمزہ سے بدلکر اَحِدَ کہنے لگے جیسے وَسْبَاءٌ (خوبصورت عورت کو اسماء بول دیا کرتے ہیں خلیل کا مذہب بھی یہی ہے۔

واضح ہو کہ اَحَدٌ اور واحد میں تین طرح فرق ظاہر کیا جا سکتا ہے اول یہ کہ واحد سلسلۂ شمار کے آغاز کو کہتے ہیں یعنی واحد اثنان۔ ثلاثۃ تو بول سکتے ہیں مگر احد واثنان و ثلاثۃ نہیں بول سکتے

دوم یہ کہ احد سے جو عموم نفی کا مفہوم ظاہر ہوتا ہے وہ واحد سے نہیں ہوسکتا مافی الدار واحد بل اثنان تو صحیح ہے اور ما فی الدار احد بل اثنانِ غلط ہوگا۔

سوم یہ کہ لفظ واحد کسی چیز کی صفت واقع ہوسکتا ہے مثلاً رَجُلٌ وَاحِدٌ۔ ثوبٌ واحدٌ وغیرہ مگر بصورت اثبات لفظ اَحَدٌ بجز ذات باری کے کسی چیز کی صفت میں واقع نہیں ہوسکتا مثلاً

Marfat.com

یہ تو کہہ سکتے ہیں اللہ احد مگر رجل احد اور ثوب احد نہیں کہینگے اس سے معلوم ہوا کہ لفظ احد ذات باری کیلئے مخصوص ہوگیا ہے اسلئے اس پر لام التعریف لانے کیضرورت نہیں سمجھی گئی۔ مگر نفی کی صورت میں لفظ لفظ واحد کیطرح غیر اللہ کی صفت میں بھی آجایا کرتا ہے۔

عام طور پر مشہور ہے کہ لفظ احد کی جمع آحاد ہے مگر ازہری کہتے ہیں کہ احمد بن یحیی سے اس جمع کی بابت سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ معاذ اللہ اگر احد کی جمع آحاد تجویز کی جائے۔ اور بعض علماء کا خیال ہے کہ آحاد واحد کی جمع ہے جیسے استشہاد جمع شاہد کی۔

سورۂ اخلاص کے الفاظ ھو اللہ احد کی ترتیب پر غور کرنا چاہئے کیونکہ ان ہر سہ الفاظ کی ترتیب موجود علیحدہ علیحدہ مقامات کیطرف اشارہ کرتی ہے سب سے اول اور سب سے اعلیٰ مقام ان حضرات مقربین کا ہے جنہوں نے حقایق اشیاء کو چشم بصیرت سے مشاہدہ کرکے انہیں معدوم اور موجود بوجود حق پایا ہے یہ حضرات بجز ذات حقیقی کے کسی موجود کو فی الحقیقت موجود نہیں دیکھتے اس لئے بجز اس ذات واحد کے کوئی موجود فی الحقیقت مشار الیہ ہو ہی نہیں سکتا سو اس مقام میں لفظ ھو یا مشار الیہ درحقیقت متعین ہے جو اس ذات واحد کے کسی اور کا گمان ہی نہیں جاتا۔

اس مقام سے دوسرا درجہ پر اصحاب الیمین کا مقام ہے جو ذات واحد کے سوا دیگر ممکنات کو بھی موجود مانتے ہیں اس لئے اشارہ میں تمیز کی ضرورت داعی ہوتی ہے چنانچہ لفظ اللہ نے مشار الیہ کو اغیار سے متعین کردیا اور ھو اللہ ان کیلئے کافی ہوگیا۔

تیسرے درجہ پر اصحاب الشمال ہیں جو بجز کثرت کے کچھ اور مشاہدہ نہیں کرسکتے اور وحدت خالص کیساتھ کثرت کو لازم جانتے ہیں اور ذات باری میں کثرت کے قائل ہیں لہذا ان کے لئے ضرورت نفی کثرت کی داعی ہوئی کیونکہ لفظ احد ہی ہے یہ نفی ہوسکتی ہے نہ کسی اور لفظ سے اسلئے ان کو یوں سمجھایا ھو اللہ احد

اس مقام میں اس نکتہ کو بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ذات باری کے صفات دو قسم کے ہیں اول اضافیہ جیسے عالم۔ قادر۔ خلاق دوم سلبیہ مثلاً یہ کہ وہ جسم نہیں یا جوہر نہیں یا عرض

Marfat.com

نہیں وغیر ذلک اور تمام مخلوقات اور تمام صفات اضافیہ پر دلالت کرتی ہے اور پھر صفات سلبیہ پر اس لئے جملہ ھو اللہ احد تمام صفات مغیرہ پر بروجہ کمال دلالت کرتا ہے کیونکہ صفات قابل اثبات اور صفات قابل سلب ہر دو کا جامع ہے۔ کیونکہ اسم اللہ جمیع کمالات مثبتہ پر مشتمل ہے اور اسم احد تمام صفات سلبیہ پر مگر چونکہ توحید ذات باری کی حقیقت کے بیان میں الفاظ کوتاہ ہیں چنانچہ ہم نے گذشتہ سطور میں اس امر کیطرف اشارہ کر دیا ہے ولنعم ما قیل ؎

مغرور سخن مشو کہ توحید خدا　　واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

صاحب قال ہزاروں ہیں مگر کچھ مفید نہیں اور صاحب حال کوئی شاذ و نادر ہی ہوتا ہے مگر تمام مشکلات کو آسان کر دیتا ہے۔

حضرت جنید رض سے مروی ہے کہ توحید ایک حقیقت ہے جس سے رسوم و بشریت محو اور علوم بالکلیت معدوم ہو جاتے ہیں اور صرف وجود ذات باری جو ازلی و ابدی ہے باقی رہجاتا ہے۔ یوسف بن حسین کہتے ہیں کہ جو شخص توحید کے دریائے ناپیدا کنار میں تیرتا ہے اس کی پیاس روز بروز بڑھتی چلی جاتی ہے۔

بعض حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ واحد وہ ذات ہے جو سیادت میں بدرجہ کمال پہنچ گئی ہو اور جس کا مثل نایاب ہو اور نہ اسکا کوئی شریک ہو جو اسکے ساتھ مساوات رکھتا ہو شبلی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ واحد وہ ذات ہے جو بندہ کو تمام مخلوق سے کافی ہو سکے اور تمام مخلوق اس ذات سے کافی نہ ہو سکے۔ حسین بن منصور حلاج کہتے ہیں کہ واحد وہ ذات ہے جو سلسلۂ شمار میں نہ آسکے اور بعض لکھتے ہیں کہ احد وہ ذات ہے جو ایجاد معدومات میں یگانہ اور اظہار خفیات میں یکتا ہو۔ بعض نے لکھا ہے کہ احد وہ ذات ہے کہ جس کے وجود کی نہ تو نمایت ہو اور نہ اس پر کسی کا حکم جاری ہو سکتا ہو اور کوئی اسکی امداد نہ کر سکے۔ تفسیر احد میں شبلی علیہ الرحمۃ کی نسبت مروی ہے کہ آپ ایک دفعہ ایک تاجر کی دکان پر بیٹھے تھے لوگوں نے کہا کہ آپ حساب جانتے ہیں؟ فرمایا کہ ہاں! انہوں نے بہت سے کاغذات حساب لاکر قوم لکھوانا شروع کیں جب وہ لوگ لکھا چکے تو دریافت کیا کہ کیا

ہُوا؟ آپ نے فرمایا ایک وہ لوگ تعجب کرنے لگے آپ نے فرمایا کہ تعجب کیوں کرتے ہو؟ ازل سے ابد تک بجز ایک کے کوئی اور بھی ہے؟ عبد خالص واحد اسوقت ہوتا ہے جبکہ طے مقامات میں اپنے ابنائے جنس میں بنیظیر ہو جاوے اور اگر کسی ایک وصف میں یگانہ ہو تو اس وصف کے لحاظ سے وہ واحد کہلائیگا مگر جمیع اوصاف میں بنیظیر بجز ذات گرامی جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی شخص نہیں ہو سکتا ہاں اضافی کمالات اولیاء اللہ کو حاصل ہیں۔ الغرض واحد حقیقی بجز ذات باری کے کوئی مخلوق نہیں۔

اَلصَّمَدُ قال اللہ تعالیٰ اللہ الصَّمَدُ۔ اس اسم کی توجیہ دو طرح پر مشہور ہے اول تو یہ کہ صَمَدٌ جس کا وزن صرفی فَعَلٌ ہے بمعنی مَفْعُوْلٌ مستعمل ہے جس کے معنے ہیں مَنْ صُمِدَ اِلَیْہِ یعنی وہ شخص جس کی طرف لوگ اپنی حاجات کو لیجائیں عرب بولتے ہیں بیتٌ مَصْمُوْدٌ وَبَیْتٌ مُصَمَّدٌ اذا قصدہ الناس فی حوائجھم یعنی ایسا گھر جہاں لوگ اپنی حاجات کی رجوع کریں طرفہ کہتا ہے ؎

وان یلتق الحی الجمیع تلاقنی الی ذروۃ البیتِ الرَّفیع المصمد

امام لیث فرماتے ہیں کہ عرب بولتے ہیں صمدت صَمَدَ ھذا الامر ای قصدت قصدہ

دوم یہ کہ صمد ایسی چیز کو بولتے ہیں جو ٹھوس ہو یعنی اندر سے خالی نہ ہو چنانچہ شیٔ مصمد ایسی چیز کو بولتے ہیں جو سخت ہو اور جس میں نرمی نہ ہو بعض متاخرین اہل لغت لکھتے ہیں کہ صمد سپاٹ پتھر کو بولتے ہیں جو غبار سے پاک ہو اور جس کے اندر کوئی چیز نفوذ نہ کر سکے اور نہ اس کے اندر سے کوئی چیز باہر آ سکے۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں حرف دال حرف تاء کا بدل ہے سلف صالحین کا ایک گروہ اور بعض اہل لغت معنی ثانی کی تائید کرتے ہیں مگر ایک جماعت سلف اور خلف کی معنے اول کیطرف مائل ہوئی ہے شعبی کہتے ہیں کہ صمد اس ذات کو بولتے ہیں جو اکل و شرب سے بالاتر ہو ابن عباس فرماتے ہیں کہ صمد اس سردار کو بولتے ہیں جو سیادت میں کامل ہو اور ابو اسحٰق کرقی عکرمہ سے راوی ہیں کہ صمد وہ ذات ہے جس سے بالاتر کوئی اور نہ ہو

اور علی اور کعب الاحبار رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ صمد وہ ذات ہے جس کی نظیر اسکی مخلوق میں معدوم ہو اور سدی سے مروی ہے کہ صمد وہ ذات ہے جو حصول مرغوبات کیلئے مرجع اور دفع مصائب کیلئے مستغاث قرار پا سکے۔ الجملہ اس اسم کی اور بھی بہت سی تفسیریں کی گئی ہیں نظر بہ طول کلام ہم نے نظر انداز کر دیں ہاں صمد بمعنے سردار محتاج الیہ اہل عرب کے ہاں مستعمل ہے چنانچہ شعر ذیل میں ؎

اَلَا بَکَرَ النَّاعِیْ بِخَیْرَیْ بَنِیْ اَسَدٍ ۔۔۔ بِعَمْرِو بْنِ مَسْعُوْدٍ وَّبِالسَّیِّدِ الصَّمَدِ

بعض جاہلوں نے لفظ صمد سے یہ استدلال کیا ہے کہ ذات باری جسم ہے مگر یہ سراسر باطل ہے کیونکہ اسکا احد ہونا اس خیال کی تکذیب کرتا ہے جسم اجزاء سے مرکب ہے اور جو مرکب ہے قابل تقسیم ہے اور تقسیم احدیت کی منافی ہے اور بس۔

ابو بکر وراق فرماتے ہیں کہ صمد وہ ذات ہے کہ خلقت جسکی کنہ کے دریافت کرنے سے عاجز ہو اور عقول جس کے اسرار حکمت کو نہ پا سکیں۔

اللہ تعالے اپنے بندوں میں سے جب کسی کو منتخب فرما لیتا ہے تو وہ کامل طور پر اسم صمد کا مظہر قرار پاتا ہے جس سے وہ اہل عالم کے دینی اور دنیوی حوائج کے لئے مرجع بنجاتا ہے اور وہ انکے حاجات کو رفع کرتا ہے۔

اَلْقَادِرُ الْمُقْتَدِرُ

قال اللہ تعالیٰ هُوَ الْقَادِرُ مصدر قدرت سے مشتق ہے اور قدر یقدر کبھی بمعنے مُقَدِّرٌ کے بھی مستعمل ہوتا ہے یعنی قَدَرْتُہ بمعنے قَدَّرْتُہ اندازہ کردم، قال اللہ تعالیٰ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقَادِرُوْنَ یعنی قَدَّرْنَا فَنِعْمَ الْمُقَدِّرُوْنَ اسی معنے کا استعمال ہوا ہے آیۂ فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْہِ میں یعنی یونس علیہ السلام نے یہ خیال کیا کہ ہم انکی خطا پر انہیں بازپرس نہیں کرینگے ورنہ قدرت سے مشتق کرنے کی صورت میں آیت کے معنے صحیح نہیں ہو سکتے کیونکہ ایک نبی اللہ کبھی اللہ تعالے کی نسبت یہ گمان نہیں کر سکتا کہ وہ اس پر قدرت نہیں رکھتا اسم قدیر اسم

Marfat.com

قادر کا مبالغہ ہے جیسے عالم اور علیم مگر قدیر اسماء حسنیٰ میں شمار نہیں کیا گیا اگرچہ قرآن مجید میں وارد ہو چکا ہے۔

اسم مقتدر بھی بہ نسبت قادر کی معنی مبالغہ پر مشتمل ہے قال اللہ تعالیٰ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ اور اس کی نظیر ہے لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ اس آیت میں کسب کو خیر کے ساتھ اور اکتساب کو شر کے ساتھ مخصوص کرنے میں یہ خوبی ہے کہ شر سے انسان بذریعہ وعظ اور دلائل شرعیہ کے روکا جا سکتا ہے یعنے بڑی قدرت کی ضرورت ہے اس سے معلوم ہوا کہ لفظ اقتدار بہ نسبت قدرت کی مبالغہ کو ظاہر کرتا ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قادر وہ ذات ہے جو اپنی مشیت کے مطابق خواہ کسی امر کو کرے خواہ نہ کرے ہر دو پر یکساں اختیار اور قدرت رکھتا ہو پس جس کو اس قسم کا اختیار قدرت نہیں اس کے لئے یہ شرط نہیں کہ قادر ضرور کسی امر کو کر ہی ڈالے کیونکہ کرنا اور نہ کرنا اسکی صفت حکمت کے تابع ہے اسلئے اگر وہ کسی امر کو کر ڈالے تو اسکی حکمت پر مبنی ہوگا اور اگر نہ کرے تو بھی اس کی حکمت کا مقتضیٰ ہوگا اور قادر مطلق وہی ہو سکتا ہے جو اشیاء کو عدم سے وجود میں بلا معاونت غیر لا سکے اور یہ وصف بجز ذات باری کے کسی مخلوق کو حاصل نہیں اس صفت کامل کو بھی فی الخلق قدرت ناقصہ دی گئی ہے جس کو ایجاد و اعدام میں کچھ دخل نہیں بلکہ عبد صرف اسباب مناسبہ کے پیدا ہونے پر ان میں تصرف کر سکتا ہے اور بس۔

اَلْمُقَدِّمُ وَالْمُؤَخِّرُ

تقدم اور تاخر کی دو قسمیں ہیں ذاتی اور وضعی پھر ذاتی کی دو صورتیں ہیں اول علت کا اپنے معلول پر مقدم ہونا جیسے انگلی کی حرکت کا انگوٹھی کی حرکت پر مقدم ہونا اور شرط کا اپنے مشروط پر مقدم ہونا جیسے حیات مشروط علم ہے اور وضعی کی تین صورتیں ہیں اول تقدم زمانی جیسے ذات باری کے بعض افعال کا بعض پر مقدم ہونا جسکی قبلیت اور بعدیت صرف اس کے تعلق پر مبنی ہے ورنہ فی حد ذاتہ تو اس کا کوئی فعل متقدم ہے نہ متاخر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ افعال ذات باری کا تقدم و تاخر ہونا سلسلہ سبب و مسبب کے

قائم کرنیکی حکمت پر مبنی ہے دوم تقدم مکانی مثلاً آسمان کا فوق اور زمین کا تحت حالانکہ اسکا برعکس بھی متصور تھا مگر اس کی حکمت کاملہ کا اقتضا یوں ہی تھا سوم تقدم بالشرف یعنی بعض مخلوق کو بعض دیگر پر بلحاظ صفات کاملہ کے شرف کا حاصل ہونا اور اسلئے وہ متقدم ہوگا بہ نسبت اس مخلوق کی جس میں وہ صفات موجود نہیں۔

امام غزالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ مقدم وہ موخر وہ ذات ہے جو کسی مخلوق کو اپنا قرب عطا فرماوے اور کسی دوسری مخلوق کو اپنی بارگاہ قرب سے بعید کردے چنانچہ اُسنے محض اپنے فضل و کرم سے حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو اپنی بارگاہ میں قرب بخشا ہے اور انکے مخالفین کو اپنی قرب سے دور پھینک دیا ہے اس قرب و بعد میں بہت سے مدارج ہیں چنانچہ سب سے زیادہ مقرب ملائکہ پھر انبیاء پھر اولیاء پھر علماء ہیں اور انمیں بھی علیحدہ علیحدہ مدارج ہیں چنانچہ ہر ایک متقرب بہ نسبت اپنے سے متقدم کی متاخر کہلاتا ہے اور ہر ایک متاخر متقدم۔ اور اس تمام سلسلہ تقدم و تاخر کی غایت ذات باری پر ختم ہوجاتی ہے اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی اور وہی ذات باری جو منبع الخیرات ہے کسی کو قریب کرتی ہے اور کسی کو بعید۔ اور ان ہر دو اسم میں اشارہ ہے کہ کوئی شخص بذریعہ علم و عمل مقرب نہیں بن سکتا جب تک اس کا نفس شامل حال نہ ہو قال اللہ تعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنٰۤی[1] اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ۔ انسان کامل کو ان ہر دو اسم سے یہ بہرہ ہے کہ وہ مخلوقات میں انکی خصوصیات کے لحاظ سے قرب و بعد کے مدارج قائم کرے اور ترتیب افعال کو مد نظر رکھے

اَلْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ کوئی ایک چیز ایک ہی جہت سے کسی امر مخصوص کی نسبت اول و آخر نہیں ہو سکتی بلکہ اسکا اول ہونا کسی اور جہت سے ہوگا اور آخر ہونا کسی دوسری جہت سے کیونکہ دو متضاد امور کا مصداق ایک ہی چیز نہیں ہو سکتی جب ہم سلسلہ کائنات کی ترتیب میں غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سلسلہ وجود میں ذات باری سب سے اوّل ہے کیونکہ

[1] یعنی جنکی نسبت ہم نے ازل میں جنت مقدر کردی ہے وہ جہنم سے دور رکھے جائینگے ۱۲ منہ

Marfat.com

تمام موجودات نے اس سے لباس ہستی لباس پہنا اور خود بذاتہ موجود ہے مگر منازل معرفت میں وہ تمام اشیاء کی معرفت کا آخری مقصد ہے کیونکہ گذشتہ صفحات میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ کوئی چیز بجز ذات باری کے مطلوب حقیقی نہیں ہو سکتی بلکہ جن اشیاء کی معرفت ہم حاصل کرتے ہیں وہ آئندہ حقائق معرفت کیلئے بطور شرط کے ضروری ہیں اور غایت حقیقی معرفت ذات باری ہے لہذا وہ ذات مقدس وجود میں سب سے اول اور معرفت میں سب سے آخر ہے یہی معنے ہیں اس جملہ کے کہ وہی ذات مبدء ہے اور وہی مرجع۔ اہل دل نے ان اسماء کی تشریح میں مختلف اشارات کئے ہیں مثلاً (ا) وہ ذات مقدس اول ہے جس کی کوئی ابتدا نہیں اور آخر ہے جس کی کوئی انتہا نہیں (ب) وہ ذات مقدس اول ہے ایجاد خلق میں اور آخر ہے ہدایت و توفیق میں (ج) اول بالذات ہے اور آخر بالصفات (د) اول ہے وجوب وقدم کے رو سے آخر ہے حدوث و عدم سے پاک ہونیکی وجہ سے (ہ) اول ہے بلحاظ محبت سابقہ کے اولیاء کے حق میں آخر ہے بلحاظ غضب سابق کے اعداء کے حق میں وغیر ذلک۔

واضح ہو کہ ذات باری کے متعلق سوال کی کئی ایک صورتیں ہیں مثلاً کیا وہ موجود ہے؟ اسکا جواب دیا رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وہ کس طرح ہے؟ اسکا جواب دیا لیس کمثلہ شیٔ وہ کیا ہے؟ رَبُّکُمْ وَرَبُّ اٰبَائِکُمُ الْاَوَّلِیْنَ اس میں اشارہ ہے کہ اس کی معرفت کا طریق یہی دلائل قطعیہ ہیں جو اسکے وجود پر دال ہیں وہ کس قدر ہے؟ اسکا جواب دیا وَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ وہ کہاں ہے؟ اس کا جواب دیا اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی۔ وہ کیوں ایسا کرتا ہے؟ اس کا جواب دیا لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ وہ کیا چیز ہے؟ اس کا جواب دیا ھَلْ تَعْلَمُ لَہٗ سَمِیًّا یعنی کوئی چیز ذات و صفات میں اس کی نظیر نہیں وہ کب سے ہے؟ اس کا جواب دیا ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ اس کا تصرف کس قدر ہے؟ اس کا جواب دیا قُلِ اللّٰھُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ الْاٰیَۃَ اس کا علم کس قدر ہے؟ اسکا جواب دیا عَالِمُ الْغَیْبِ

Marfat.com

والشہادۃ اس کا کلام کس قدر ہے؟ اسکا جواب یا ولکوان مافی الارض من شجر اقلام ہے اسکے اسماء کیا ہیں؟ اسکا جواب یا للہ الاسماء الحسنیٰ الظاہر والباطن ایہ ہر دو اسم بھی مذکورہ بالا ہر دو اسم کیطرح منجملہ امور اضافیہ کے ہیں یعنی کوئی چیز ایک ہی جہت سے ظاہر و باطن نہیں ہو سکتی کیونکہ ایک ہی چیز ایک خاص شخص کے ادراک کی نسبت ظاہر کہلا سکتی ہے اور دوسرے شخص کے ادراک کی نسبت باطن مثلاً ذات باری ادراک حواس کے روسے باطن ہے اور استدلال عقل کے روسے ظاہر مگر یہاں یہ سوال عائد ہو سکتا ہے کہ اگر وہ ظاہر ہے تو کیوں اسکا ادراک میں اس قدر اختلافات دنیا میں موجود ہیں؟

اس سوال کا جواب امام غزالی رحمہ اللہ علیہ یوں تحریر کرتے ہیں کہ ذات باری عزاسمہ غایت ظہور کیوجہ سے مخفی ہے یعنی اس کا بدرجۂ غایت ظاہر ہونا اسکے مخفی یا باطن ہونے کا سبب ہے یا یوں کہو کہ اسکا نور ہی اسکے نور کا حجاب بن رہا ہے اور قاعدہ ہے کہ جو چیز کسی وصف میں درجۂ متعارف سے بدرجۂ کمال متجاوز ہو جاتی ہے وہ اس وصف کی ضد سے موصوف معلوم ہونے لگتی ہے اس کی تفصیل یوں سمجھو کہ اگر ہم حروف کو کاغذ پر منقوش دیکھیں تو ہمیں بمجرد دیکھنے کے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ ان حروف کا کاتب عالم، قادر، سمیع، بصیر ہے یا یوں کہو کہ کاتب کو صفات علم، قدرت، سمع، بصر سے موصوف ماننا ضروری ہو جاتا ہے کیونکہ اگر کاتبہ صفات نہ رکھتا ہو تو وہ کاتب حروف نہیں ہو سکتا سو جس طرح ہم لکھے ہوئے حروف سے انکے لکھنے والے کے نہ صرف وجود کا یقین حاصل کر لیتے ہیں بلکہ اس کو مذکورہ بالا صفات سے موصوف تسلیم کرنے پر بھی مجبور ہو جاتے ہیں اسیطرح صفحۂ ہستی پر ایک ایک ذرہ کائنات کا خواہ زمینی ہو یا آسمانی اپنی زبان حال سے نہ صرف اپنے خالق اور مدبر کے وجود کیطرف اشارہ کر رہا ہے بلکہ اسکے کامل الصفات ہونیکی بھی شہادت دے رہا ہے اور خود انسان کا ایک ایک عضو جو اندرونی ہو یا بیرونی بلکہ اسکی ہیکل ایک ایک صفت اور حالت جن پر وہ اپنی زندگی کی رفتار کر

Marfat.com

طے کر رہا ہے قطعی طور پر اس امر کی شہادت دے رہے ہیں کہ اُن کا ایک خالق قاہر مدبّر موجود ہے
اگر اس شہادت میں اختلاف ہوتا یعنی اگر بعض اشیاء وجود خالق پر شاہد ہوتیں اور بعض نہ
ہوتیں تو وجود خالق میں کچھ اختلاف نہ ہوتا مگر جب ایک ایک ذرہ کائنات کا وجود خالق پر دلیل
قطعی ہے ؎

وَفِی کُلِّ شَیْءٍ لَہٗ اٰیَۃٌ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ

تو کچھ شک نہیں کہ یہی امر لوگوں کیلئے ادراک خالق میں موجب اختلاف ہو رہا ہے اور غائت
ظہور کی وجہ سے کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ۔ دیکھو محسوسات خارجیہ میں سب سے واضح الادراک
جرم آفتاب ہے جو تمام اشیاء عالم کے ظہور کا موجب ہے کیونکہ اسکے غروب پر تمام اشیاء
آنکھوں سے اوجھل ہو جاتی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عدم نور سے ہمیں نور کا علم حاصل
ہوتا ہے یا اگر آفتاب وسط آسمان میں بظہار نہ بنتا اور نقل و حرکت نہ کرتا تو بہت سے لوگ ایسے
ہوتے جو یہ کہتے کہ اشیاء خود بخود روشن ہیں آفتاب انکے ظہور کا موجب نہیں۔ اسی طرح اگر ذات
باری اپنا فیضانِ وجود ایک آن کیلئے بعض اشیاء سے روک لے تو فی الفور وہ اشیاء حیّز عدم
میں مختفی ہو جائیں مگر چونکہ تمام اشیاء یکساں طور پر خالق حقیقی کے وجود پر دال ہیں در انکی
شہادت میں کچھ اختلاف نہیں تو بھی یہ بات لوگوں کیلئے موجب اشتباہ ہو گئی متضادین کو
کے مشاہدہ کئے بغیر احد المتضادین کا علم حاصل نہیں ہو سکتا مگر عالم کائنات میں عدم کا کہیں
نشان نہیں ہر ایک چیز موجود ہے اور جو موجود ہے وہ حق اپنے خالق مدبّر کے وجود پر دال ہے
اسلئے وہ ذات حقیقی غائت ظہور کیوجہ سے آفتاب کیطرح مخفی ہے کیونکہ آفتاب تمام موجودات
کے ظہور کا موجب ہے مگر قوت باصرہ اسکی تاب نہیں لا سکتی۔ بعض اہل حقیقت کی عبارات
میں ذیل کا جملہ واقع ہوا ہے جو مذکورہ بالا حقیقت کیطرف اشارہ کرتا ہے حَیْثُ قَالَ
سُبْحٰنَ مَنِ اخْتَفٰی عَنِ الْعُقُوْلِ بِشِدَّۃِ ظُھُوْرِہٖ وَاحْتَجَبَ بِکَمَالِ نُوْرِہٖ
اسم باطن کی توجیہ یوں بھی ہو سکتی ہے کہ ذات باری خلائق پر مخفی ہے یا یہ کہ ابصار اسکا

احاطہ نہیں کر سکتیں بایہ کہ اس ذات حقیقی کا علم تمام مخفیات پر محیط ہے کچھ ہو ظہور و بطون کی وصف حقیقۃً اسی ذات پر صادق آسکتی ہے ہاں انسان بھی ظاہر ہے جبکہ وہ ظواہر کائنات سے استدلال کر کے معرفت ذات باری کو حاصل کرے اور وہ باطن ہے جبکہ وہ اپنے نفس کی طرف رجوع کر کے انوار تجلیات کا مورد بنجائے

اَلْوَالِیْ یہ اسم قرآن شریف میں وارد نہیں ہوا اور اسکے معنے اس ذات کے ہیں جو اشیاء پر غالب ہو اور ان میں اپنی مشیت کے مطابق کامل تصرف کر سکے اسم ولی میں اس کی تشریح مذکور ہے۔

اَلْمُتَعَالِ یہ اسم علو مصدر سے مشتق ہے اور اسکے معنے وہی ہیں جو اسم عَلِیٌّ کے ہیں ہاں متعال میں مبالغہ کا مفہوم بھی داخل ہے۔ اسم علی کا مطالعہ کرو۔

اَلْبَرُّ قال اللہ تعالیٰ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ بِرّ بالکسر مصدر سے مشتق ہے جس کے نکوئی اور احسان کے ہیں اسلئے بَرٌّ کے معنے مُحْسِنٌ کے ہوئے۔ یحیٰی علیہ السلام کی وصف میں وارد ہوا ہے بَرًّا بِوَالِدَيْهِ اور مسیح علیہ السلام کی صفت میں بَرًّا بِوَالِدَتِیْ آیا ہے۔

واضح ہو کہ بَرٌّ اور بارٌّ کے ایک ہی معنی ہیں اور بَرٌّ یعنی مُحْسِنٌ فی الحقیقت بحر ذات باری کے کوئی مخلوق نہیں کیونکہ اس کے احسانات بلا معاوضہ ہیں جن کا کبھی حصر نہیں کیا جاسکتا اور وہ دو قسم کے ہیں دینی اور دنیوی اور پھر ان میں سے ہر ایک ظاہری ہے اور باطنی کما قال اللہ تعالیٰ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً

انسان کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ ہر ایک قسم کے اعمال بِر میں مستقیم الحال ہوتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے آیۃ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ الآیۃ میں جمع کر دیا ہے اور تکمیل بِر کی شرط یہ ہے کہ سب سے احسن اور ہر محبوب چیز کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں صرف کیا جائے قال اللہ تعالیٰ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ اور تمام اقسام بِر سے اعلیٰ اور اشرف بِر وہ ہے جو والدین کے حق میں کی جاتی ہے قال اللہ تعالیٰ

Marfat.com

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا دیکھو مذکورہ بالا آیات میں یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کو کس طرح اللہ تعالےٰ نے وصف برّ سے یاد کیا ہے اور اپنے اساتذہ و مشائخ سے نکوئی اور احسان برتنا بھی اسم برّ کا تقضی ہے اور کمال بر یہ ہے کہ عبد اپنے احسان کو کسی محل خاص سے مخصوص نہ کرے بلکہ برّ خداوند تعالےٰ کا تتبع کرنا ضروری ہے جس کا حصر کرنا منجملہ محالات کے ہے ابن عمر سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا البرّ لا یبلیٰ یعنی نکوئی کبھی پوسیدہ نہیں ہوتی۔

حضرات مشائخ لکھتے ہیں کہ برّ وہ ذات ہے جو اصحاب ارادت پر کشف طریق اور اصحاب عبادت کو اپنے فضل و توفیق سے بہرہ یاب کرے بعض لکھتے ہیں کہ برّ وہ ذات ہے جو معصیت کیوجہ سے بندہ سے اپنا انعام و احسان منقطع نہ کرے۔

التواب

قال اللہ تعالیٰ فَتَابَ عَلَیْہِ اِنَّہٗ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ اور پھر فرمایا وَھُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَۃَ عَنْ عِبَادِہٖ اس اسم کی تشریح میں وجوہ ذیل بیان کئے گئے ہیں اول یہ کہ تاب وآب وآناب ہر سہ بمعنی رجع آیا کرتے ہیں اسلئے تواب کے معنے ہوئے وہ ذات جو اپنے بندوں پر انواع احسانات کے ساتھ رجوع کرے اور اس کی صورت یہ ہے کہ بندہ جب مختلف گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اس کی کوئی صورت رہائی کی نہیں سوجھتی تو اللہ تعالےٰ کی توفیق ازلی اسکا ہاتھ پکڑ لیتی ہے اور اس کو راہ ہدایت پر لاکر گناہ سے بالکلیت برطرف کر دیتی ہے جس کا پہلا نشان ہے کہ تائب کے دل پر خشیت و عبودیت کا دروازہ کھل جاتا ہے اور وہ مقام حساب میں ہر وقت اپنے تئیں کھڑا دیکھتا ہے چنانچہ وہ اپنی اصلاح ظاہری و باطنی کیطرف لگ جاتا ہے جس سے وہ ان انعامات باطنی کا مستحق ہو جاتا ہے جن سے بوجہ معصیت پہلے محروم تھا اور ہر ایک قسم کی تنگی اور مصیبت کو اس سے دور کر دیا جاتا ہے الغرض ادھر بندہ معصیت سے رجوع کرتا ہے ادھر اللہ تعالےٰ اپنے انعام و اکرام سے اس کو بہرہ یاب کرنے لگتا ہے اور یہی معنے ہیں اسم تواب کے مگر معصیت سے باز آنا بجائے خود توفیق

Marfat.com

خداوندی پر منحصر ہے جس کو چاہتا ہے خالص توبہ کا مقام عطا فرماتا ہے ورنہ بندہ خود اپنی محنت و سعی سے کبھی صاحب تقویٰ نہیں ہو سکتا ؎

جہاں آفریں گر نہ یاری کند!! کجا بندہ پرہیزگاری کند

دوم یہ کہ لفظ توبہ لازم و متعدی ہر دو طریق پر مستعمل ہے یقال تاب اللہ علی العبد یعنے انہ وفقہ للتوبۃ حتّٰی تاب قال اللہ تعالیٰ ثم تاب علیہم لیتوبوا یعنی اللہ تعالےٰ نے انہیں توفیق توبہ دی تاکہ وہ توبہ کریں اسلئے اسم توّاب کے معنے ہوئے وہ ذات جو اپنے بندوں کو طاعت کی توفیق دے۔

سوم توبۃ اللہ علی العبد کے معنے ہیں کہ اللہ تعالےٰ بندہ کی توبہ قبول فرما لیتا ہے انسان کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ ہوتا ہے کہ وہ بندگانِ خدا میں سے مجرمین کے عذر کو قبول کر کے ان سے درگذر کر جائے خواہ وہ کتنی دفعہ مجرم ثابت ہوں۔

حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ توّاب وہ ذات ہے جو بندہ کی دعا کے مقابلہ میں عطا اور عذر کے مقابلہ میں مغفرت اور انابت کے مقابلہ میں اجابت نازل فرماوے۔

اَلْمُنْتَقِمُ قال اللہ تعالیٰ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ ذُوانْتِقَامٍ اسم منتقم اسی سے مشتق ہے اور انتقام ذات باری سے مراد ہے اللہ تعالےٰ کا معصیت اور کفر پر بندہ کو اس معرض عذاب میں لانا جس کا وہ مستوجب ہے اور بندہ مستوجب عذاب نہیں ہوتا جب تک اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی خوف اسکے دل میں باقی ہو اور جب بندہ غضب الٰہی اور اس کے مواخذہ سے غافل ہو کر بے لگام ہو جاتا ہے اور کسلم کعلاء تکاب معاصی پر اڑتا ہے تو اللہ تعالےٰ کا غضب بصورت عذاب اس پر نازل ہوتا ہے اللہ تعالےٰ انسان کی کمزوری فطرت کا علم رکھتا ہے اس لئے وہ بندہ کو ایک کافی مہلت دیتا ہے تاکہ وہ رجوع الی اللہ کر کے اپنی تئیں عذاب سے بچا لے اور یہ اسکے وسیع حلم کا نتیجہ ہے مگر جب حجت کے تمام پہلو اس پر پورے کر دیے جاتے ہیں اور عذر کا کوئی موقع نہیں رہتا تو وہ اپنے بطش شدید کو عمل میں لاتا ہے جس کو کوئی ٹالنے والا نہیں یہی وجہ ہے

Marfat.com

کہ کلام پاک میں فرمایا کہ ہم اپنے رسول بھیجے بغیر کبھی عذاب نازل نہیں کرتے۔ اس موقع پر اس امر کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ بعض اہل ظاہر عموماً یہ کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص باوجود انواع واقسام معصیت کے ہر ایک قسم کی نعمت وامن میں زندگی بسر کر رہا ہے اور اس پر کوئی وبال نہیں آتا مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ درحقیقت اس شخص پر اتمام حجت ہو رہا ہے تاکہ تمام مراتب عصیان کو طے کر کے پورے پورے عذاب کا مستوجب قرار پائے اگر فی الفور ارتکاب گناہ پر پکڑا جاتا تو عذاب شدید کا مورد نہ بنتا الغرض نزول عذاب کیلئے غضب الٰہی کا حد سخط کو پہنچنا ضروری ہے قال اللہ تعالیٰ فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ عبد اسوقت اس اسم کا مظہر کامل ہوتا ہے جب وہ دشمنان دین سے انتقام لے اور سب سے بڑھکر دشمن انسان کا نفس ہے اس لئے سب سے زیادہ مورد انتقام نفس ہونا چاہئے چنانچہ شیخ ابویزید بسطامی رحمۃ اللہ کی نسبت مروی کہ ایک رات اور ایک مرتبہ سے نفس نے غفلت کی آپ نے سال بھر اُسے پانی سے محروم رکھا۔ فُضیل رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص خوف رکھتا ہے اس پر ہر ایک قسم کی نیکی آسان ہو جاتی ہے جنید رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ عبد کو چاہئے کہ بیمار کی طرح پرہیز کا پابند ہو ایسا نہ ہو کہ ایک بدپرہیزی سے مدتوں بیماری کا خمیازہ بھگتنا پڑے۔ بعض مشائخ نے لکھا ہے کہ منتقم وہ ذات ہے جس کا انتقام اسکی نعمت سے علیحدہ نہ ہو مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نعمت ہی کو نقمت بنا دیتا ہے۔ اور بعض عارفین نے لکھا ہے کہ جو شخص اللہ تعالےٰ کی عظمت کو جان لیتا ہے وہ ہر وقت اسکے عذاب سے خائف رہتا ہے اور جو شخص اس کی رحمت کا علم حاصل کر لیتا ہے وہ اس کی نعمت کا امیدوار ہو جاتا ہے

اَلْعَفُوُّ قال اللہ تعالیٰ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا پھر فرمایا وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ اس اسم کی تفسیر میں مختلف وجوہ بیان کئے گئے ہیں۔

(۱) عفو کے معنے لغت میں مٹا دینے اور دور کرنے کے ہیں۔ اہل عرب بولتے ہیں عَفَتِ الدِّيَارُ اِذَا دَرَسَتْ یعنی جب گھر کے آثار بے نشان ہو جائیں اسصورت میں عفوِ خداوندی کے معنے

Marfat.com

ہونگے اسکا بندہ کے گناہوں کو نامۂ اعمال سے بالکلیت محو کر دینا اور قیامت کے دن ان پر مواخذہ نہ کرنا اور نہ صرف اسی قدر بلکہ بندوں کے دلوں سے انکا فراموش کر دینا کیونکہ میدان حشر میں گناہوں کی یاد بھی موجب خجالت و ندامت ہوگی اور محو کرنے کے بعد ہر ایک سیئہ کے عوض حسنہ کا ثواب عطا فرمانا قال اللہ یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَہٗ اُمُّ الْکِتَابِ اور پھر فرمایا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ

تنبیہ۔ عفو میں مغفرت کی نسبت مبالغہ کا مفہوم مندرج ہے کیونکہ عفو کے معنے بالکل مٹا دینے کے ہیں اور مغفرت صرف ستور کر دینے کو بولتے ہیں جملہ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا میں غور کرو کہ کس طرح ہر سہ الفاظ کو ترتیب وار رکھا ہے کیونکہ عفو سے گناہوں کا نامۂ اعمال سے مٹا دینا مراد ہے اور مغفرت سے ستور کر دینا تاکہ گناہ کی یاد موجب ندامت نہ ہو اور رحمت سے انعام جنت مراد ہے جو غایۃ الغایات ہے

(ب) عفو کے معنے زائد کے ہیں قال اللہ تعالیٰ یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ اہل عرب بولتے ہیں عفا مالُ فُلَانٍ اذا کثُرَ اس صورت میں معنے یہ ہونگے کہ عَفُوّ وہ ذات ہے جو کثیر العطا ہو اور منعم علیہ کو محنت طلب کی تکلیف نہ دے۔

انسان کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ ان لوگوں سے جو اسکے حق میں ظلم کریں قصور کو معاف کر دیتا ہے اور اپنے احسان کو ان سے نہیں روکتا اور نہ انپر انکی بدسلوکی یاد دلا کر ملام کرتا ہے قال اللہ تعالیٰ وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا جب عبد اس صفت سے متصف ہو جاتا ہے تو اللہ تعالےٰ اسکے قصوروں کو معاف فرما دیتا ہے۔ چنانچہ ابن عاصم منقری کی نسبت مروی ہے کہ انکے ایک غلام کے ہاتھ سے کباب جو گرم سیخ میں لگا تھا انکے چھوٹے بچہ پر گرا جس سے بچہ مر گیا آپنے غلام سے کہا کہ جاؤ میں نے تمہیں فی سبیل اللہ آزاد کر دیا۔ اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت مروی ہے کہ آپنے اپنے ایک غلام کو آواز دی غلام نہ آیا پھر پکارا پھر بھی غلام نے جواب نہ دیا تیسری دفعہ پکارا تب بھی غلام نہ بولا خود اٹھے اور غلام کو لیٹے

Marfat.com

پایا آپنے پوچھا کہ تم نے میری آواز نہیں سنی؟ غلام نے عرض کیا کہ میں نے آواز سنی آپنے پوچھا کہ تم نے جواب کیوں نہیں دیا؟ اس نے عرض کیا کہ مجھے آپکے عفو و حلم پر اعتماد تھا لہذا خاموش رہا آپ نے فرمایا کہ جاؤ میں نے تمہیں سبیل اللہ آزاد کر دیا۔

حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ عفو وہ ذات ہے جو نفوس سے ظلمت گناہ کو اپنی رحمت سے دور کر دے اور قلوب کی وحشت غفلت کو اپنی کرامت سے پاک کر دے۔

بعض مشائخ کی نسبت مروی ہے کہ بعد از مرگ انہیں کسی مرد صالح نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالےٰ نے آپ سے کیسا سلوک کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ محاسبہ میں سخت دقت کی گئی اور بعد از محاسبہ عفو کلی سے کام لیا گیا۔

اَلرَّؤُفُ قال اللہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَؤُفٌ رَّحِیْمٌ اور پھر فرمایا بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُفٌ رَّحِیْمٌ یہ اسم مصدر رأفۃٌ سے مشتق ہے جس کے معنے شدتِ رحمت کے ہیں۔ یہ امر قابل غور ہے کہ آیات مسطورہ بالا میں اسم رؤف کو اسم رحیم پر مقدم کیا گیا ہے اور جہاں یہ دونوں اسم آئے ہیں اسی ترتیب سے آئے ہیں لہذا ان میں وجہ امتیاز کا سمجھنا ضروری ہے

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ رأفت کا مبدء فاعل کی ذات میں ہوتا ہے یعنی رؤف کی ذات مقتضی ہوتی ہے کہ اپنے احسان کو شخص مرحوم تک پہنچائے اور رحمت کا مبدء مفعول کی ذات سے تعلق رکھتا ہے یعنی مرحوم کی حالت فاقہ یا ضعف وغیرہ مقتضی ہوتی ہے کہ رحیم اس پر اپنی رحمت کرے اور یہ ظاہر ہے کہ ایجادِ فعل میں فاعل کی حالت کو مفعول کی حالت کی نسبت زیادہ دخل ہوا کرتا ہے اسی مناسبت سے اسم رؤف کو رحیم پر پہلے ذکر کیا گیا ہے

حضرات مشائخ لکھتے ہیں کہ رؤف وہ ذات ہے جو گنہگاروں کے حق میں توبہ اور اولیاء کے حق میں عصمت عطا فرماوے اور بعض فرماتے ہیں کہ رؤف وہ ذات ہے جو اپنے اولیاء کو لاحظہ اغیار سے محفوظ رکھے اور انہیں بار اشتغال سے کافی ہو جائے۔

بعض آثار میں وارد ہوا ہے کہ جناب پیغمبرؐ کسی سفر کے موقع پر تشریف لیجا رہے تھے

ایک عورت بچہ گود میں لئے سامنے آئی اور عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندہ پر زیادہ مہربان ہے بہ نسبت ماں کے بچہ پہ مہربان ہونے کی۔ کیا یہ سچ ہے؟ حضور علیہ السلام کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور فرمایا کہ اللہ تعالےٰ بھر منکر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے کسی کو عذاب نہیں کرے گا۔

بعض صالحین سے مروی ہے کہ اونکے پڑوس میں ایک بدکار آدمی رہتا تھا جب اسکا جنازہ اٹھایا گیا تو وہ جنازہ کو دیکھ کر راستہ سے علیحدہ ہوگئے تاکہ اسکے جنازہ میں شامل نہونا پڑے ایک اور شخص نے اسے خواب میں نہائیت آرام اور خوشی کی حالت میں دیکھا اس نے پوچھا کہ اللہ تعالےٰ نے تم سے کیسے سلوک کیا؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے اپنی رحمت سے مغفرت عطا فرمائی اور کہا کہ میرے پڑوسی صالح مرد کو سنا دو قل لو انتم تملکون خزائن رحمۃ ربی اذاً لامسکتم خشیۃ الانفاق یعنی اگر تم اللہ تعالےٰ کے خزانہ ہائے رحمت کے مالک ہوجاتے تو تم اس کے صرف کرنے میں ضرور تنگی کرتے۔

مَالِكُ الْمُلْكِ. ذِي الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ	اسم مالک الملک کی تفسیر گذشتہ صفحات میں بہ ضمن اسم جلیل گذر چکی ہے۔ البتہ لفظ اکرام کی تفسیر ضروری ہے۔

واضح ہو کہ اکرام کا مفہوم انعام کے قریب قریب ہے مگر اکرام خاص ہے اور انعام عام۔ یعنی ہر ایک اکرام انعام ہے مگر ہر ایک انعام اکرام نہیں ہوسکتا۔ یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ جلال وصف تنزیہ پر دلالت کرتا ہے اسلئے صرف ذات حقیقی اس کے تحقق کیلئے کافی ہے مگر اکرام وصف اضافی ہے یعنی ایسا وصف جس کا تحقق وجود غیر کو مستلزم ہے یہی وجہ ہے کہ وصف جلال کو ذکر میں مقدم رکھا ہے۔

اسم مالک الملک کی نسبت لکھتے ہیں کہ یہ اسم ایسی ذات پر اطلاق کیا جاتا ہے جو اپنی مملکت میں حسب مشیت تصرف کرسکے اور ملک سے مراد مملکت ہے اور موجودات بتمامہا بمنزلہ

Marfat.com

ایک مملکت کے ہے کہ اشیاء عالم باہم اس طرح مرتبط ہیں جس طرح بدن انسان کے اعضاء۔ سو جس طرح ایک عضو دوسرے عضو کی معاونت کرتا ہے اسی طرح موجودات عالم کا حال ہے۔ اور ان سب کے تناسب اور ضرورت پر یہ سلسلہ کائنات کا چل رہا ہے اور اللہ تعالےٰ اس مملکت کا مالک ہے۔ عبد کامل کا بھی یہی حال ہے کہ وہ اپنی مملکت بدن کے اندرون و بیرون میں بہتر سے بہتر طریق پر تصرف کر سکتا ہے۔

اَلْمُقْسِطُ قال اللہ تعالیٰ قَائِمًا بِالْقِسْطِ۔ اہل زبان بولتے ہیں اَقْسَطَ فھو مُقْسِطٌ اِذَا عَدَلَ فِی الْحُکْمِ۔ اسلئے اسکے معنے ہوئے وہ ذات جو حکم میں پورا عدل کرے اور قَسَطَ بمعنے جَارَ یعنی ظلم کرنا قال اللہ تعالیٰ وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَکَانُوْا لِجَھَنَّمَ حَطَبًا اور قِسْطًا بالکسر کے معنے نصیب اور بہرہ کے ہیں۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مقسط وہ ذات ہے جو مظلوم کا ظالم سے انصاف لے اور اس وصف کا کمال یہ ہے کہ مظلوم کی رضامندی میں ظالم کی رضامندی بھی شامل کر دے اور یہ اعزبجز ذات باری عزاسمہ کے کسی مخلوق کا کام نہیں اس کی مثال ایک حدیث میں یوں وارد ہوئی ہے کہ حضور علیہ السلام تشریف رکھتے تھے کہ یکایک آپنے تبسم فرمایا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ یَا رَسُوْلَ اللہ! حضور کے تبسم کی کیا وجہ ہے؟ ارشاد فرمایا کہ میری امت کے دو شخص حضور رب العزت میں حاضر ہوئے ایک نے عرض کی خدایا! اس شخص سے میرا انصاف لے بارگاہ خداوندی سے ظالم کو حکم ہوا کہ اپنے بھائی کا معاوضہ ظلم واپس کرو اس نے عرض کیا خدایا! میرے نامۂ اعمال میں کوئی نیکی باقی نہیں رہی جس سے میں اس کا معاوضہ دے سکوں پھر اللہ تعالےٰ نے مظلوم (داد خواہ) کو فرمایا کہ تمہارے بھائی کے پاس کوئی نیکی نہیں اب تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے عرض کیا خدایا! اگر اسکی کوئی نیکی نہیں تو میرے بار گناہ کو اٹھالے حضور نے یہ فرمایا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور فرمایا کہ یہ وہ احتیاج کا دن ہو گا جس میں ہر ایک شخص یہ چاہیگا کہ کوئی میرے بوجھ کو اٹھالے پھر حضور نے فرمایا کہ احکم الحاکمین مظلوم

Marfat.com

(داد خواہ) کو کہے گا۔ کہ جنت کیطرف دیکھو جب وہ دیکھے گا تو اسے سونے اور چاندی کے عظیم الشان قصور نظر آئینگے جن پر نفیس موتی لگے ہونگے تب وہ سوال کریگا کہ خدایا! یہ عالیشان محل کس نبی یا صدیق یا شہید کیلئے ہیں ارشاد ہوگا کہ اس شخص کیلئے جو انکی قیمت ادا کردے پھر وہ عرض کریگا کہ خدایا ان کی قیمت کون ادا کرسکتا ہے؟ حکم ہوگا کہ تم ادا کرسکتے ہو تب وہ شخص عرض کریگا خدایا کیونکر؟ ارشاد ہوگا کہ اپنے بھائی کے قصوروں کو معاف کردو یہی انکی قیمت ہے اس پر وہ شخص عرض کرے گا خدایا! میں نے معاف کردیا تب وہ ارحم الراحمین اس شخص کو حکم دریگا کہ جاؤ اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑلو اور اس کے ساتھ جنت میں داخل ہوجاؤ۔ حضور علیہ السلام نے اس تقریر عالی کے بعد فرمایا اتقوا اللہ واصلحوا ذات بینکم فان اللہ تعالیٰ یصلح بین المؤمنین یوم القیمۃ یعنی اللہ سے ڈرو اور فیما بین اصلاح کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اہل ایمان باہمی اصلاح کردیگا۔

مذکورہ بالا مثال سے واضح ہوگیا کہ اس قسم کا انصاف وانتصاف بجز حضرت رب العزت کے کسی مخلوق کی وسعت میں نہیں ہاں عبد کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ حاصل ہوسکتا ہے کہ سب سے پہلے اپنے نفس سے انصاف لے اور پھر کسی غیر کا کسی غیر سے اور اپنے نفس کا انصاف کسی غیر سے ہرگز نہ لے بلکہ عفو پر کاربند ہو چنانچہ حضور علیہ السلام کی نسبت مروی ہے کہ کبھی آپ نے باوجود قدرت ذاتی انتقام کسی سے بھی نہیں لیا تھا۔

اَلْجَامِعُ قال اللہ تعالیٰ رَبَّنَا اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ اور پھر فرمایا یوم یجمع اللہ الرسل۔ جمع کے معنے لغت میں اکٹھا کرنے کے ہیں اور اس اسم کی توجیہ مختلف طریق پر کیگئی ہے

(۱) متماثلات کا جمع کرنا جیسے افراد انسانی کا روئے زمین پر بسانا اور انہیں قیامت کے دن میدان حشر میں اکٹھا کرنا۔

(ب) متبائنات کا جمع کرنا جیسے۔ افلاک۔ نجوم۔ ہوا۔ سمندر۔ حیوانات۔ نباتات۔ معاون وغیرہ کو ایک عالم میں جمع کرنا یا ہڈی۔ رگوں۔ پٹھوں۔ گوشت اور خون کو ایک بدن میں قائم کرنا۔

(ج) متضادات کو جمع کرنا مثلاً حرارت۔ برودت۔ رطوبت۔ یبوست کو ایک جا جمع کرنا اور یہ صورت

بظاہر نہائت دشوار بلکہ انسانی طاقت سے خارج ہے یا متضاد خواہشات کے دلوں کو ایک غرض مشترکہ پہ لے آنا کما قال وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ بہرصورت مذکورہ بالا سب توجیہات صحیح ہیں اور سب کی سب اسم جامع کے مفہوم میں داخل ہیں۔

انسان کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ حاصل ہوتا ہے کہ ظواہر احکام شریعت کے ساتھ حقائق ومعارف طریقت کو بھی جمع کر لیتا ہے۔

حضرات مشائخ لکھتے ہیں کہ جامع وہ ذات مقدس ہے جو اپنے اولیاء کے قلوب کو شہود عظمت کے مقام پر پہنچا دیتا ہے اور ملاحظہ اغیار سے انہیں محفوظ رکھتا ہے۔

اَلْغَنِیُّ الْمُغْنِیُ قال اللہ تعالیٰ وربک الغنی ذو الرحمۃ جو موجود اپنی ذات یا کمال ذات میں کسی طور پر بھی غیر کی طرف محتاج ہو وہ ہرگز غنی نہیں ہو سکتا اور جب غنی نہیں تو اس کا مغنی ہونا ناممکن ہے چونکہ ذات باری واجب الوجود ہے اس لئے وہ کسی جہت سے اپنے سوا کا محتاج نہیں لہٰذا وہ غنی ہے اور چونکہ تمام موجودات اور کمالات کا فیضان اسکی طرف سے ہوتا ہے اسلئے وہ مغنی بھی ہے غیر اللہ کے حق میں یہ متصور نہیں کہ وہ بالکلیت احتیاج سے بری ہو جاوے ہاں عبد کامل کیلئے یہ ممکن ہے کہ اسکا تعلق حقیقی بجز ذات باری کے کوئی چیز نہ ہو اور اس لئے وہ ہر ایک چیز سے مستغنی ہو سکتا ہے مگر اللہ تعالیٰ سے کبھی کوئی مستغنی نہیں ہو سکتا ایسی حالت میں انسان کو غنی کہہ سکتے ہیں قال اللہ تعالیٰ واللہ الغنیُّ وانتم الفقراء اور عبد کامل کا بجز ذات باری کے ہر ایک چیز سے مستغنی ہونا ممکن ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے غنی ہونے کے کچھ معنے نہیں۔

اَلْمَانِعُ منع کے معنے لغت میں روکنے کے ہیں اور مانع وہ ذات ہے جو [illegible] مالک و نقصان پیدا کرنے والے اسباب کو دور کرے اور اسباب سے مراد وہ امور ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے سلسلہ حوادث میں نافع ضار امور کے لئے پیدا کر دیا ہے اسم مانع کی حقیقت اسم ما نع سے بہت قریب ہے کہ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ منع کا تعلق [illegible]

Marfat.com

کیطرف منسوب ہوتا ہے اور حفظ کا مفہوم محفوظ یا محروس کیطرف کیونکہ وہ مقصود بالمنع ہے اس لئے ہر ایک حفیظ دافع مانع ہوگا مگر ہر ایک مانع حافظ نہیں ہوسکتا۔

انسان کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت ایسے اسباب کا جو موجب نقصان دین یا ہلاک ایمان ہوں نگراں رہتا ہے۔

اَلضَّارُّ النَّافِعُ یہ ہر دو صفات ذات باری کے کمالات میں داخل ہیں اور ان کا نفی کرنا اس کی ذات کے لئے موجب عیب ہے اور ان ہر دو کو اکٹھا بیان کرنا ضروری ہے جس طرح اسماء مُذِلّ و معِزّ کو

امام غزالی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ضار و نافع وہ ذات ہے جس سے خیر و شر اور نفع و ضرر صادر ہو اور یہ امر بجز ذات باری کے کسی مخلوق کو حاصل نہیں تعالی اللہ تعالی هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ اَوْ يَنفَعُونَكُمْ اَوْ يَضُرُّونَ۔ مگر جو امر قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ نفع و ضرر کے اسباب عالم کائنات میں مختلف ہیں مثلاً ملک۔ انسان۔ شیطان اور جمادات فلک۔ نجوم وغیرہ اور یہ سب اسباب بالواسطہ یا بلاواسطہ ذات باری کی طرف منسوب ہیں اور کوئی چیز ان میں سے بالاستقلال موثر نہیں چنانچہ زہر کی نسبت کبھی یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ وہ بذاتہ مضر ہے اور طعام بنفسہ موجب سیری ہے بلکہ یہ تمام سلسلۂ اسباب زمینی و آسمانی ظاہری و باطنی اس مالک الملک قادر مطلق کی تسخیر و اطاعت میں مضبوط و مستحکم ہے اور یہ ضبط و استحکام اس کی قدرت ازلی کا نتیجہ ہے مگر عام لوگ اس سلسلۂ اسباب کو قدرت ازلی سے اسی طرح تعلق دیا کرتے ہیں جس طرح قلم کو کاتب سے یا اگر بادشاہ کسی کاتب کو کسی فرمان انعام یا عقوبت کے لکھنے کا حکم دے تو کوئی شخص یہ نہیں کہیگا کہ قلم اس انعام یا عقوبت کا حقیقی سبب ہے اور نہ کاتب کو بلکہ بادشاہ کی ذات پر پہنچکر عوام الناس رہ جائینگے مگر ایک صاحب بصیرت جو ارادۂ ازلی کو مظاہر کائنات میں مؤثر دیکھ رہا ہے وہ قلم اور کاتب اور بادشاہ کو ذات باری عز اسمہ کے ارادہ و قدرت کی تسخیر و اطاعت سے

Marfat.com

وابستہ دیکھتا ہے کیونکہ یہ درمیانی وسائط بطور قانون[1] طبعی کے سب اسی ذات کے مخلوق و مقہور ہیں

اس تقریر سے صاف معلوم ہوگیا کہ حقیقی طور پر ضار اور نافع وہی ذات حقیقی ہے۔

ذات باری کا ضار و نافع ہونا دینی و دنیوی حالات میں یکساں طور پر جاری ہے۔ مثلاً

ہدائت و ضلالت اور غنا و فقر اور صحت و مرض وغیرہ کے اسباب برابر مظاہر عالم میں عمل کر رہے

ہیں چنانچہ اہل بصیرت کو خوب معلوم ہے کہ یہ اسباب بتمامہا ارادہ ذات باری کے ماتحت جاری ہیں

پس صحیح الایمان آدمی ہمیشہ حوادث کو براہ راست ذات باری کیطرف منسوب کرتا ہے اور وسائط

کو نظر انداز کر دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ ایسا شخص کبھی نزول حوادث پر جزع و فزع نہیں کرتا برخلاف

جاہل اور بداعتقاد آدمی کے کہ وہ اسباب کو علت موثرہ سمجھ کر رجوع الی اللہ نہیں کرتا

انسان کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ اعداء اللہ کے حق میں

ضار اور اولیاء اللہ کے حق میں نافع ثابت ہوتا ہے قال اللہ تعالیٰ اذلّۃ علی المومنین

اعزۃ علی الکافرین اور پھر فرمایا اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ مگر ایسے عبد کامل کا شدت

بحق کفار اور رحمت بحق ابرار برتنا محض اللہ تعالےٰ کی رضا پر مبنی ہوتا ہے نا کسی خواہش نفس پر اور نیز

ایسا شخص نہ تو اللہ تعالےٰ کے سوا کسی غیر سے ڈرتا ہے اور نہ کسی سے امیدوار ہوتا ہے بلکہ ہر حالت

میں اسکا اعتماد صرف اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے بعض آثار میں وارد ہوا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالےٰ نے

لوح محفوظ میں یہ کلمات لکھے تھے انا اللہ الذی لا الٰہ الا انا من لم یستسلم لقضائی ولم

یصبر علی بلائی ولم یشکر لنعمائی فلیطلب ربا سوائی یعنی میں خدائے وحدہ لاشریک

ہوں جو شخص میرے حکم ازلی کی اطاعت نہیں کرنا چاہتا اور میری بھیجی ہوئی مصیبت پر صابر نہیں

ہوتا اور میری دی ہوئی نعمت کا شکر نہیں کرتا اسے چاہیئے کہ مجھے چھوڑ کر کسی اور کو اپنا پروردگار

بنالے۔

---

[1] لفظ قانون طبعی سے اس امر کیطرف اشارہ مقصود ہے کہ جب کاتب اور قدرت کتابت اور ارادہ کتابت اور عدم صادق مجتمع

ہو جائیں اور ارادہ ازلی درباره کتابت جاری ہو چکا ہو تو کچھ شک نہیں کہ فعل کتابت واقع ہو کر رہیگا ۱۲ منہ

Marfat.com

بعض آثار میں وارد ہوا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری میں دردِ دندان کی شکایت کی حکم ہوا کہ فلاں بوٹی کا استعمال کرو چنانچہ آپ نے اس بوٹی کو استعمال کیا اور دردِ دندان فی الفور بند ہو گیا پھر کچھ مدت کے بعد دوبارہ درد نے عود کیا اور آپ نے اس بوٹی کا استعمال کیا مگر درد نہ گیا آپ نے جناب رب العلمین میں عرض کیا کہ خدایا تو نے مجھے فلاں بوٹی کے استعمال کا حکم دیا تھا مگر درد بند نہیں ہوا جواب ملا کہ شفا عافیت اور ضرر و نفع ہمارے ہاتھ میں ہے کوئی چیز ہمارے حکم کے بغیر نہ ضرر دے سکتی ہے نہ نفع پہلی دفعہ تم نے ہماری طرف رجوع کیا تھا ہم نے تمہاری تکلیف کو دفع کر دیا دوسری دفعہ تم نے بوٹی کو ازالہ مرض کا سبب سمجھا اور ہمیں چھوڑ دیا

حضرات مشائخ کرام لکھتے ہیں کہ ضار وہ ذات ہے جو کفار ارادہ ازلی کے مطابق ضرر عائد کرے اور ابرار کو مشیت ازلی کے مطابق نفع پہنچائے بعض لکھتے ہیں کہ ضار وہ ذات ہے جو اہل عصیان کو محروم رکھے اور نافع وہ ذات ہے جو اہل طاعت کو مورد احسان بنائے۔ ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ تین امور منجانب اعمال رفعۃ الشان ہیں قبل جریان قضاء کے اختیار اور بعد جریان قضاء کے صبر کرامت اور نزول بلا پر ترقی محبت۔

النور قال اللہ تعالیٰ اللہ نور السموات والارض ہادی بالذات وہ نور اس کیفیت کو مراد ہے جو نفس ظلمت سے گراں تر ہے کیونکہ ذات باری پر اس اسم کا اطلاق نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ کیفیت حادث ہے جو موجود ہو کر زائل ہو جاتی ہے اور ذات باری حدوث سے بری ہے مزید یہ کیفیت قائم بالجسم ہوتی ہے اور قیام بالغیر منافی وجوب ہے اور ذات باری واجب الوجود ہے۔ نیز کیفیت بالنسبۃ الی الظلمۃ ایک امر اضافی ہے اور ذات باری اضافت سے یک ہے

مسطورہ بالا آیت کی تفسیر میں حضرات مفسرین نے مختلف اقوال قلمبند کئے ہیں مثلاً نور السموات والارض جس پر تمام اشیاء مخفیہ ظاہر ہوں اور خفاء فی الحقیقت عدم کا نام ہے اور ظہور وجود کو بولتے ہیں اور ذات باری موجود ہے جس پر عدم کا غالب ہونا محال ہے اور چونکہ ذات باری تمام موجودات کی خالق ہے اسلئے وہی ہر ایک ظلمت کو ظہور کا نور بلکہ نور الانوار ہے

(ب) نور سے مراد منور (روشن کنندہ) ہے؛

(ج) لفظ نور سے بعض اوقات ایسے سبب سے مراد لیا کرتے ہیں جو نظم مصالح اور اصلاح امور کا باعث ہو چنانچہ یوں کہہ سکتے ہیں فلاں نور البلدۃ یعنی اسکی ذات سے انتظام مصالح وابستہ ہے اسلئے اللہ نور السموات والارض کے یہ معنے ہوئے کہ اللہ تعالےٰ سلسلۂ انتظام کائنات کا قائم رکھنے والا ہے

لیکن اس اسم کی صحیح توجیہ یہ ہے کہ نور وجود کا مترادف ہے جو مستلزم ظہور ہے اور وجود تمام اشیاء کا ذات باری سے ظاہر ہوا جس طرح نور آفتاب کا ایک ذرہ وجود آفتاب پر دلیل ہے اسی طرح ایک ایک ذرہ کائنات کا اپنے موجد حقیقی کے وجود کا شاہد ہے

انسان کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ ہوتا ہے کہ اس کو معرفت الٰہی کا مقام حاصل ہو جاتا ہے اور یہ معرفت ایک نور ہے جو قلب مومن میں پیدا ہوتا ہے وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ

حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ نور وہ ذات ہے جو اہل صدق کے قلوب کو نور توحید سے اور اہل محبت کے باطن کو تائید ازلی سے بھر دیتا ہے اور بعض لکھتے ہیں کہ نور وہ ذات ہے جو قلوب عارفین کو نور معرفت سے اور نفوس عابدین کو نور عبادت سے زندہ کرتی ہے۔

اَلْهَادِیْ قال اللہ تعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اسم ہادی مشتق ہے مصدر ہدایت سے جس کے معنے رہنمائی کرنے کے ہیں اور ہدایت کی تفسیر دو طرح کی گئی ہے۔ (۱) کسی کو راستہ دکھلا دینا (ب) کسی کو مطلوب تک پہنچا دینا اور قرآن مجید میں ان میں ہر دو معنے میں ہدایت کا استعمال کیا گیا ہے

ذات باری کا ہادی ہونا مختلف طریق پر اعتبار کیا جا سکتا ہے مثلاً وہ اپنے بعض بندوں کو اپنی معرفت اور نور توحید سے خصوصیت بخشتا ہے کما قال وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ یا یَشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ نیز ہر ایک مخلوق کو ایک فطرت لائقہ پر پیدا کر کے اسکو جلب منفعت اور دفع مضرت کی ہدایت کرتا ہے کما قال رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی معنے اسکا ہادی ہونا ان چیزوں میں ہے

Marfat.com

کہ وہ اپنے کلام سے جو انبیاء پر نازل فرماتا ہے بندوں پر طریق حق واضح کرتا ہے اور دلائل حقہ پر آگاہ کرتا ہے۔

نوع انسانی میں سے وہ لوگ ہادی ہو سکتے ہیں جو عوام الناس کو سعادت اخروی کیطرف دعوت کریں اور انہیں صراط مستقیم پر چلائیں اور وہ بزرگ گروہ حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا ہے اور انکے بعد علمائے راسخون فی العلم کا جو ورثۃ الانبیاء کہلاتے ہیں اور درحقیقت اس صورت میں بھی ذات باری ہی ہادی ہے کیونکہ انبیاء و علماء بھی اللہ تعالےٰ کے حکم و ارادہ کے زیر تسخیر ہوتے ہیں۔

حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ ہادی وہ ذات ہے جو قلوب کو اپنی معرفت اور نفوس کو اپنی طاعت کی راہ دکھائے اور بعض لکھتے ہیں کہ ہادی وہ ذات ہے جو اہل معصیت کو توبہ اور اہل معرفت کو حقیقت قرب کی ہدائت کرتا ہے۔

اَلْبَدِیْعُ قال اللہ تعالیٰ، بدیع السّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اس اسم کی تفسیر دو طرح پر کی گئی ہے اول تو یہ کہ بدیع وہ ذات ہے جس کی نظیر یا مثل موجود نہ ہو چنانچہ کسی عدیم النظیر چیز کی نسبت بولدیا کرتے ہیں ھذا شیئٌ بدیع سو جب کسی ممکن چیز کی نسبت اسکا اطلاق کیا جا سکتا ہے تو ذات باری کی نسبت بدرجہ اولیٰ اسکا اطلاق ہو سکتا ہے کیونکہ ازل سے ابد تک اسکی نظیر یا شبیہ کا وجود ممتنع ہے دوم یہ کہ بدیع بمعنے مبدع ہے یعنی فعیل بمعنی مُفعِل مگر بَدَعَ فعل ثلاثی کی تصریف اہل زبان کے ہاں مستعمل نہیں ہوئی اسصورت میں بدیع وہ ذات ہوگی جو مخلوقات کو ابتداءً بلا سابقہ مثال کی تقلید کے پیدا کرے۔ کوئی توجیہ ہو یہ اسم مطلقاً بجز ذات باری کے کسی مخلوق پر اطلاق نہیں کیا جا سکتا ہاں عبد کامل جو صفات نبوت و ولائت یا علم میں کسی خصوصیت کے لحاظ سے بے نظیر ہو وہ مجازاً اس اسم کا مصداق ہو سکتا ہے خواہ اسکا بے نظیر ہونا جمیع ازمنہ ثلاثہ میں ہو یا صرف اسکے اپنے زمانہ میں۔ بعض محققین نے لکھا ہے کہ بدیع وہ ذات ہے جو عجائب صنعت اور غرائب حکمت کو ظاہر کر سکے۔

Marfat.com

اَلْبَاقِیْ قال اللہ تعالیٰ واللہ خیرٌ وابقیٰ ذات باری واجب الوجود ہے اسلئے اس کا وجود ازلی وابدی ہے جب اسکے وجود کو ازل کیطرف نسبت کرتے ہیں تو قدیم اور جب ابد کیطرف منسوب کریں تو اسے باقی کہتے ہیں اور واجب الوجود ہر دو جہت نسبت پر حاوی ہے اس نسبت ماضی و مستقبل سے یہ قیاس نہ کرنا چاہیئے کہ ذات باری پر زمانہ کا جریان ہوسکتا ہے کیونکہ زمانہ صرف حادث شے پر جاری ہوتا ہے جس پر تغیر و انقلاب کا عارض ہونا ممکن ہے اور ذات باری تغیر و انقلاب سے بری ہے بلکہ وہ قبل از زمان اور بعد از زمان یکساں حالت پر قائم ہے یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ بقاء ذات باری اسکی ذات سے کوئی زائد وصف نہیں ہے جو اسکی ذات کے ساتھ قائم ہو کیونکہ اس صورت میں دور و تسلسل لازم آتے ہیں جو باطل ہیں۔

بعض محققین نے لکھا ہے کہ باقی وہ ذات ہے جو اول بلا ابتدا اور آخر بلا انتہا ہو محقق نصر آبادی لکھتے ہیں کہ ذات حق اپنی ذاتی بقاء کے ساتھ اور جمیع مخلوقات اسکے فیض بقاء کیساتھ قائم ہے۔ انسان کامل جب لوازم بشریت سے علحدہ ہو کر منازل سلوک کو پورا کر لیتا ہے تو وہ بقائے دوام کا رتبہ پالیتا ہے اور حیوۃ طیبہ کا مالک ہو جاتا ہے اس صورت میں اسکے ہیکل عنصری کے ساتھ موجود رہنے اور اس کو ترک کر دینے میں کچھ فرق نہیں ہوتا۔ قال اللہ تعالیٰ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً

اَلْوَارِثُ قال اللہ تعالیٰ وھو خیر الوارثین اور یہ فرمایا و نحن الوارثون اہل بصیرت جو حقیقت توحید سے آگاہ ہیں وہ دیکھتے ہیں کہ ملک و ملکوت کا ایک ایک ذرہ اس وحدہ لاشریک کے قبضہ قدرت میں قائم ہے اور ایک لحظہ بھر کیلئے اسکے اقتدار و تصرف سے خارج نہیں ہوسکتا ہاں اس نے انتظام عالم کے قائم رکھنے کیلئے محض اپنے فضل و کرم سے مازعی طور پر اپنے بندوں کو بعض اشیاء کا مالک بنا رکھا ہے مگر جب وعدہ ازلی کے مطابق سلسلہ عالم کا خاتمہ ہو جائیگا اور عارضی مالک و مملوک کا سلسلہ منقطع ہو جائیگا تو حقیقت توحید کے اثبات و اظہار کیلئے وہی مالک حقیقی ندا کریگا لمن الملک الیوم چونکہ بجز اسکی ذات کے تمام نسبتیں

مالکیت و مملوکیت کی منقطع ہوجائیں گی خود ہی جواب دینگے للہ الواحد القہار امام غزالی لکھتے ہیں کہ ذات باری کے اس سوال وجواب کی حقیقت اہل توحید پر آج ہی منکشف ہے کیونکہ وہ عالم کو وصف فنا کے ساتھ متصف دیکھتے اور بقاء ذات باری اور اس کی حقیقتِ مالکیت کو اسی طرح مشاہدہ کر رہے ہیں جس طرح اہل ظاہر قیامت کے دن کھلم کھلا مشاہدہ کرینگے

حضرات مشائخ لکھتے ہیں کہ وارث وہ ذات ہے جو کسی دوسرے کیطرف سے صاحب وراثت نہ ہو بلکہ ذاتی طور پر صاحب تصرف واختیار ہو بعض لکھتے ہیں کہ وارث وہ ذات ہے۔ جسنے بے نیازی کا جامہ پہنا ہو اور اپنی حقیقی وحدت میں یگانہ ہو۔

انسان کامل جب اسرار معرفت پر حاوی ہوجاتا ہے تو وہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے علوم کا وارث بنجاتا ہے العلماء ورثۃ الانبیاء کے یہی صحیح معنے ہیں اور جب حضرات انبیاء علیہم السلام کے مدارج علوم پر ترقی کرتا ہے تو بحکم تخلّقوا باخلاق اللہ وہ اسم وارث کا مظہر کامل بن جاتا ہے۔

اَلرَّشِیْدُ یہ اسم قرآن مجید میں وارد نہیں ہوا۔ رشد مصدر سے مشتق ہے جو غی (ضلالت) کی ضد ہے اور جس کے معنے استقامت کے ہیں۔ اسکی توجیہ دو طرح پر ہوسکتی ہے اول تو یہ کہ رشید بمعنے راشد ہے جس کے معنے حکیم کے ہیں یعنی ایسی ذات جس کے افعال میں عبث و باطل کو دخل نہیں دوم فعیل بمعنی مُفْعِل یعنی رشید بمعنے مرشد اس صورت میں معنے یہ ہوں گے کہ رشید وہ ذات ہی جو ہر ایک مخلوق کو اس کی فطرت کے مطابق اس کی مصلحت کیطرف ہدایت کرے

امام غزالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ رشید وہ ذات ہے جس کی تدبیرات بلا کسی مشیر کے ہیں اور یہ امر بجز ذات باری کے کسی کو حاصل نہیں بعض لکھتے ہیں کہ رشید وہ ذات ہے جس کو پانے کے بعد سعید یا شقی بنادے اور بعض لکھتے ہیں کہ رشید وہ ذات ہے جس کی تدبیر میں سہو اور [illegible]

Marfat.com

انسان کامل کا رشید ہونا اسی قدر زیادہ صحیح ہوگا جس قدر وہ اپنے دینی ودنیوی مقاصد میں عین مدائت پر کاربند ہو۔

اَلصَّبُوْرُ یہ اسم بھی قرآن مجید میں وارد نہیں ہوا صبر مصدر سے مشتق ہے جس کے معنے روکنے کے ہیں اور اس کا مفہوم قریب قریب اسم حلیم کے ہے مگر حلیم میں امن از عقوبت کا مفہوم زیادہ قوی ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ صبور وہ ذات ہے جو قبل از وقت فعل کے بجالانے میں جلدی نہ کرے۔ بلکہ قانون ضروری کے مطابق ایسے وقت معلوم پر ملتوی رکھے۔ جو غفلت وکسل کی آمیزش سے بالکل پاک ہو۔ مگر یہ التوا ایسا نہ ہو۔ جس کے ساتھ مخالف جانب کی کشمش بھی لگی ہو۔ کیونکہ یہ صورت انسانی صبر کی ہے جس میں داعیۂ نفس انسان کو جلد بازی پر ابھارتا ہے اور وہ نفس کا مقابلہ کر کے جانب مخالف سے باز رہتا ہے اور انسان اسوقت وصف صبر سے متصف ہوتا ہے جبکہ داعیۂ نفس کو مغلوب ومقہور کر سکے۔ مگر یہ بات بجز مجاہدۂ نفس کے حاصل نہیں ہو سکتی صبر کے مختلف مراتب ہیں ابتدا میں مقابلہ نفس کرتے وقت سخت تکلیف ہوتی ہے مگر بتدریج یہ بات آسان ہو جاتی ہے۔

حضرات مشائخ لکھتے ہیں کہ صبور وہ ذات ہے جس کو بندہ کی کثرت معصیت کثرت عقوبت پر آمادہ نہ کرے اور بعض لکھتے ہیں کہ صبور وہ ذات ہے جو جفا کا مقابلہ عطا اور عصیان کا مقابلہ غفران کے ساتھ کرے۔

ابوبکر وراق رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اپنے اور بندوں کے درمیان صدق اور اپنے اور نفس کے درمیان صبر کیساتھ استقامت کرو اور اسی امر کو نجات اخروی کا مدار سمجھو فقط

ھذا اٰخر کلامنا فی مبحث الاسماء

خاتمۃ الکتاب

واضح ہو کہ بعض اکابر مشائخ رضی اللہ عنہم کی زبان پر خاص خاص حالات میں ایسے کلمات بھی جاری ہوئے ہیں۔ جو بظاہر نصوص آیات واحادیث کے مخالف معلوم ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر علمائے اسلام نے بلا تاویل ایسے کلمات کہنے والے کی تکفیر کردی ہے۔ مگر بعض محتاط حضرات نے توسع اور استعارہ پر نظر کر کے ایسے کلمات کا کوئی محمل صحیح قرار دیا ہے اور تکفیر سے اجتناب کیا ہے۔ اور یہی مسلک اصوب و اسلم بھی ہے کیونکہ جب ہمیں قطعًا علم ہے کہ قائل متبع کتاب وسنت اور صحیح العلم والعمل ہے۔ تو صرف ایک ایسے جملہ سے جس میں توسع واستعارہ کو بہت وسیع دخل ہے۔ ہم کیونکر تکفیر کر سکتے ہیں۔ جو اصحاب حضرات مشائخ کے کلام میں اشارات وتلویحات اور تشبیہات واستعارات اور تمثیلات وکنایات کی حقیقت سے واقف ہیں۔ وہ یقینا ایسے جملوں کو جو بظاہر مخالف شریعت معلوم ہوتے ہیں ہرگز موجب زندقہ والحاد قرار نہیں دیتے وجہ اس کی یہ ہے کہ سالک پر ہر ایک مقام ترقی میں ایسے معارف واسرار کا انکشاف ہوتا ہے۔ جو کسی پہلے نچلے مقام سے کہیں زیادہ دقیق وعمیق ہوتے ہیں اسلئے کوئی الفاظ ایسے نہیں جو ان حقائق کو اصلی صورت میں ظاہر کر سکیں لامحالہ ان کیفیات یا حقائق کے اظہار کے لئے مجازات وکنایات کی ضرورت پڑتی ہے اور بسا اوقات تشبیہ وتمثیل سے کام لیا جاتا ہے کوتاہ فہم اور ناقص الادراک لوگ ذوق معانی سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ حقیقت اصلیہ پر نہ آگاہ ہو کر حضرات مشائخ کے بارے میں زبان طعن کھولدیتے ہیں مگر ناکسار مولف عرض کرتا ہے کہ بمقتضائے ؎

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا است
سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجا است

Marfat.com

جب تک کوئی شخص خود صاحب مقام نہ ہوا سے نہ تو تصدیق کرنا چاہیئے اور نہ تکذیب نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم اپنی کتاب فتاوی دلیل الطالب کے ایک مقام پر لکھتے ہیں۔ کہ امام شوکانی نے اپنے ایک رسالہ میں حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ کی تکفیر کر کے چالیس سال کے بعد رجوع کیا اور یہ لکھا کہ میں نے فتوحات مکیہ میں غور کر کے شیخ اکبر کے کلام کا مجمل صحیح بطریق تاویل سمجھ لیا اور اب میں اپنی سابقہ تحریر سے توبہ کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ عبارت حسب ذیل ہے ؎ اور کچھ شک نہیں کہ معارف و حقائق کے لئے مدارج ہیں۔ جو ہر ایک نا اہل کی مجلس میں قابل بیان نہیں ہوتے یہی وجہ ہے۔ کہ سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ عنہ خاص خاص معارف و حقائق کے بیان کرتے وقت بجز مسترشدین اہل مقام کے دوسروں پر مکان کا دروازہ بند کر دیا کرتے کیونکہ نا اہل لوگ قصور فہم کی وجہ سے فی الفور تکذیب و تکفیر پر آمادہ ہو جایا کرتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ بعض آثار میں وارد ہوا ہے تکلموا الناس علی قدر عقولھم یعنی لوگوں سے ان کے مدارج عقول کو ملحوظ رکھ کے خطاب کیا کرو۔ جامع بخاری میں بروایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ مروی ہے حدثوا الناس بما یعرفون اتحبون ان یکذب اللہ و رسولہ یعنی لوگوں سے وہ کلام کرو جس کو وہ سمجھ سکیں کیا تم پسند کرو گے۔ کہ لوگ اللہ تعالے اور اس کے رسول کی تکذیب کر دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ توحید ذات باری اور مبدء و معاد عالم اور عالم ملکوت اور حقیقت روح وغیرہ مسائل دقیقہ کے متعلق عوام الناس میں ہرگز کوئی بحث نہیں کرنی چاہیئے ورنہ بجائے فائدہ کے لوگوں کے اعتقادات میں تزلزل اور فساد عائد ہوگا وجہ اس کی یہ ہے کہ لوگ مادیات اور لوازم مادیات سے بالاتر حقائق کا ادراک کرنے سے قاصر ہیں۔ چنانچہ تعلیم و تعلم میں یہی طریقہ کار سے کام لیا گیا ہے اگر تصریح ہوتی تو معیار عقائد کا قائم کرنا ناممکن تھا جاتا رہا

Marfat.com

متبری عن ابی ہریرہ راوی ہیں حفظت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعائین فاما احدھما فبثثتہ واما الآخر فلو بثثتہ قطع ھذا البلعوم یعنی میں نے جناب رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے دو قسم کے علم کو ضبط کیا ہے ایک قسم کا اظہار تو میں نے کر دیا ہے اور دوسری قسم کا اگر اظہار کروں تو میرا گلا کاٹ دیا جائے۔ اس کے متعلق بعض شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ دوسری قسم سے جو ناقابل اظہار ہے وہ احادیث مراد ہیں۔ جو ان اہل جور وستم کے حالات اور اظہار اسمائے اور مذمت پر مشتمل تھیں جو حضور علیہ السلام کے بعد دین میں فتنہ وفساد کا موجب ہوتے رہے۔ مگر خاکسار مولف عرض کرتا ہے کہ یہ حضرات شارحین کا اپنا قیاس ہے۔ ورنہ صحیح یہ ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایسے معارف وحقائق کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جن کے اخذ کرنے سے عامۂ ناس کے افہام قاصر ہیں اور خود امام بخاری کا اس حدیث کو کتاب العلم میں بیان کرنا مذکورہ بالا معارف وحقائق سے مراد لینے پر ایک نخیتہ قرینہ ہے ورنہ بلحاظ مناسبت مقام ضروری تھا کہ اس حدیث کو کتاب الفتن میں لکھتے۔ یہاں یہ خیال صحیح نہیں ہو سکتا کہ اگر ہم ظواہر احکام شریعت کے سوا معارف وحقائق باطن کا اقرار کریں۔ تو فرقۂ باطنیہ کے مذہب کی تائید ہو گی کیونکہ باطنیہ کے عقائد ایسے باطن پر مبنی ہیں جو ظواہر شریعت کو باطل کرتے ہیں مگر وہ حضرات مشائخ جو کتاب وسنت کے بدوں ایک قدم چلنا بھی حرام جانتے ہیں اور مخالف شریعت کو کفر خدا اور رسول سمجھتے ہیں باطنیہ ملاحدہ کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتے۔ چنانچہ ابن حجر فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں قال المنیر جعل الباطنیۃ ھذا الحدیث ذریعۃ الی تصحیح باطنھم حیث اعتقدوا ان للشریعۃ باطنا وظاھرا وذالک الباطن انما حاصلہ الانحلال من الدین یعنی باطنیہ فرقہ کے لوگوں نے اس حدیث سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ شریعت کا ایک ظاہر ہے

Marfat.com

اور ایک باطن۔ اور یہ باطن ایسا ہے جس سے شریعت کا تار و پود ہی اڑ جاتا ہے۔
اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایسا باطن جو منافیٔ ظاہر شریعت ہو کفر و الحاد ہے
مثلاً باطنیہ کا خیال ہے کہ نماز پنجگانہ سے ائمہ اہل بیت کے پانچ آدمی مراد ہیں اسی
طرح وہ تمام احکام کی حقیقت کو باطل کرتے ہیں سو معاذ اللہ کہ اکابر حضرات مشائخ
اس قسم کے الحاد کے قائل ہوں دیکھو ابن حجر کے لفظ وذلک الباطن سے وہی
باطن مراد ہے جو منافیٔ شریعت حقہ ہے نہ یہ کہ معارف و حقائق کا کوئی حصہ ایسا نہیں
ہو سکتا جو حضرات مشائخ کو مقام مکاشفہ و مشاہدہ میں حاصل ہوتا ہے غور کرنے سے معلوم
ہوگا کہ معارف و اسرار توحید کی اصلیت کا انکار کرنا منشاء شریعت کے منافی ہے
کیونکہ حقیقت توحید کے مختلف مقامات ہیں اور انہیں میں عارف کو سیر حاصل ہوتی
ہے بھلا باطنیہ ملاحدہ کو اس نعمت بیش بہاء سے کیا تعلق؟ صاحب کتاب نور الابصار
فی مناقب آل بیت النبی المختار شیخ عبد الجواد شربینی کی کتاب درر الاصداف فی
مناقب الاشراف سے نقل کرتے ہیں۔ کان علی بن الحسین عاملاً علی کتمان
اسرار اللہ تعالیٰ فی العالم کما اشار الی ذلک فی قولہ رضی اللہ عنہ ؎

یا ربَّ جوھرِ علمٍ لو ابوحُ بہٖ	لقیلَ لی انتَ ممّن یعبدُ الوثنا
ولاستحلَّ رجالٌ صالحونَ دمی	یرونَ اقبحَ ما یأتونہٗ حسنا

یعنی امام زین العابدین بن حسین رضی اللہ عنہما اسرار توحید کے اخفاء پر عامل رہے
چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ "ایسے بہت سے علوم ہیں کہ اگر میں ان کا اظہار کروں تو
لوگ مجھے مشرک (بت پرست) کہہ دیں اور حضرات علماء امت میرا خون جائز رکھیں
اور بدترین سلوک کو میرے حق میں اچھا سمجھیں اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی
نسبت مروی ہے کہ آپ نے کمیل بن زیاد نخعی کو ایک خطاب میں یوں فرمایا ھَا اِنَّ
ھٰھُنَا لَعِلْمًا جَمًّا (واشار الی صدرہ) لو اصبتُ لہ حملۃً یعنی سنو! کہ یہاں

(میرے سینہ) میں بے پایاں علم ہے کاش! میں کسی کو اس کا اہل پاتا۔ کیا اس علم سے احکام فقہ مراد ہیں؟ ہرگز نہیں کیونکہ حضرات صحابہ میں اس علم کے ماہر ہزاروں موجود تھے۔ اور کیا کوئی دوسرے علوم دینویہ مراد ہیں؟ ہرگز نہیں کیونکہ یہ علوم بھی آپ سے مخصوص نہ تھے اس سے معلوم ہوا کہ ان علوم سے اسرار توحید مراد ہیں نہ کچھ اور۔

دیکھو علم مترادف یقین ہے اور قرآن مجید میں یقین کے مدارج مذکور ہیں وہ مدارج بہ ترتیب علم الیقین عین الیقین حق الیقین کے الفاظ سے ظاہر کئے گئے ہیں ایسا کون بیوقوف ہے جو ان ہر سہ مراتب یقین میں امتیاز نہ کر کے علوم حقہ باطنیہ کا انکار کر دے اور یہ کہدے کہ بجز ان علوم شرعیہ کے جو ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں کوئی اور علوم دائرہ شریعت میں داخل نہیں۔ یقین ایک کیفیت باطنی کا نام ہے پس از روئے قرآن مجید ثابت ہو گیا کہ علوم شرعیہ کی دو صورتیں ہیں اول وہ جو ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں اور دوم جو باطن سے متعلق ہیں۔ اور ان ہر دو میں لازم و ملزوم کا تعلق ہے یعنی علوم شرعیہ جو ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں ملزوم ہیں اور علوم باطنیہ لازم۔ اگر ملزوم کا وجود نہ ہو تو لازم خود معدوم ہو گا۔ اس سے صاف ثابت ہو گیا کہ بروں یا بندی احکام شرعیہ کوئی شخص معارف و حقائق کا مالک نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ اکابر مشائخ رضی اللہ عنہم بالاتفاق اس امر کے قائل ہوئے ہیں کہ جو باطن منافی ظاہر شریعت ہے وہ زندقہ و الحاد ہے اور جو طریق سلوک کتاب و سنت سے وابستہ نہیں۔ وہ شیطان کا طریق ہے اور اس خیال کی تمام اکابر سلف نے امت مرحومہ تک تبلیغ کر دی ہے اس لئے اگر کوئی شخص علوم باطن کا انکار کرے تو وہ جاہل و مغرور ہے اور جو شخص ظاہر شریعت کا انکار کر کے باطن کا مدعی ہو وہ ملحد و زندیق ہے ہمیں اس موضوع پر بحث کرنے کی ضرورت داعی نہ تھی

اگر ہم اہل زمانہ میں ایسے لوگوں کو نہ دیکھتے جو یا تو سلسلۂ باطن کے منکر ہیں اور اسلئے حضرات مشائخ کی نسبت سوءظن رکھ کر حصول سعادت سے محروم رہتے ہیں یا ایسے لوگ ہیں۔ جو ظاہر شریعت کی پابندی سے دست بردار ہو کر مدعیانِ معرفت ہیں اور درحقیقت ہر دو گروہ باطل پرست ہیں۔ اور اہل حق صرف وہ ہیں جو پابندی کتاب و سنت مقام مکاشفہ و مشاہدہ تک ترقی کرتے ہیں جہاں تک ہمیں معلوم ہوا ہے وجہ انکار بجز جہالت کے اور کچھ نہیں غلط فہمی سے ان لوگوں کو جو علوم شرعیہ رسمیہ کو پڑھ کر مناظرہ و مجادلہ پر کمربستہ رہتے ہیں معارف و اسرار باطن کا مالک بھی تسلیم کر لیا جاتا ہے اور اہل باطن کو بخیال باطل مخالفان شریعت تصور کیا جاتا ہے اگرچہ وہ کتاب و سنت سے سرمو مخالفت کو بھی حرام جانتے ہوں۔ مگر چند ایک احادیث کی بناء پر جن کی توجیہ صحیح سے یہ منکرین بے بہرہ ہوتے ہیں۔ ایسے حضرات کے فیض صحبت سے استفیض نہیں ہوتے اور قولہ لکلِّ فنٍّ رجال پر غور نہیں کرتے خضر و موسیٰ کا واقعہ اثبات باطن کے لئے کافی ہے حضرات مشائخ کرام کے بعض اقوال پر بھی نکتہ چینی کی جاتی ہے اور کوئی زمانہ اکثر ایسا نہیں گذرا کہ اکابر ارباب معرفت اہل رسم اور الفاظ پرست لوگوں کے مطاعن سے محفوظ رہے ہوں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ چونکہ ولائت کبریٰ مستلزم جمیع کمالات حقہ ہے کیونکہ اس کے انوار مشکوۃ نبوت سے اقتباس کئے جاتے ہیں۔ اس لئے یہ حضرات محجوبانِ ظاہر بیں کے انکار و تشنیع کا مورد اسی اتباع نبوت میں بنا کرتے ہیں۔ اور متحمل بھی ہوتے ہیں لہٰذا صحیح طور پر یہی فرقہ عالیہ بارگاہ رب العزت میں عزت و کرامت کے تاج اور ظاہری و باطنی کمالات کے حلیہ سے مزین ہونے کی خلعت سے سرفراز ہوتا ہے۔ جو سعادتمندان کے دامان نسبت سے وابستہ ہو گئے منزل مقصود کو پہنچ گئے اور جو خود پرست الفاظ کے جور و تورّ میں غلطاں و پیچاں رہکر سوءظن کے مقام میں پڑے رہے محروم رہ گئے یہ الٰہی داد ہے کسی کے باوا کی برات

Marfat.com

نہیں۔ اور نہ تو وہ در تودہ کتب رسمیہ کے علم پر موقوف ہے اور نہ یہاں بحث وجدل کا کام ہے بلکہ اول قدم اس دشوار گذار راستہ میں وہی اٹھا سکتا ہے جو بحث وجدل کو بالائے طاق رکھ کر حسنِ ارادت کے مرکب راہوار پر سوار ہو ؎

این نعمتِ بیدلی بہر دل ندہند　　وین نزل بخفتگان منزل ندہند
در عالمِ عشق آنچہ بے عقلاں راست　　یک ذرہ بصد ہزار عاقل ندہند

ہاں یہ ضروری ہے کہ طالب ایسے لوگوں کے دام تزویر سے بچتا رہے۔ جو لباس سنت اور پیرایۂ شریعت سے عاری ہوں اور جن کے عقائد سلف صالحین کے عقائد کے ساتھ مطابق نہ ہوں۔ کیونکہ ہمارے زمانہ ناہنجار میں بہت سے ہوسناک ایسے نکل آئے ہیں۔ جو بڑے بڑے دعاوی کے ساتھ عوام الناس کو راہ راست سے گمراہ کر رہے ہیں۔ اور سلف صالحین کے طریق سے جن سے بڑھ کر کوئی شخص متبع سنت نہیں ہو سکتا۔ کوسوں دور جا پڑے ہیں اس لئے میں اس رسالہ کے ناظرین کو وصیت کرتا ہوں۔ کہ وہ رجوع الی اللہ کرنے سے پہلے اس ضروری امر کا فیصلہ کر لیں کہ وہ طریق شغل وذکر جس کے بغیر سلوک کے منازل طے نہیں ہو سکتے کس شخص سے حاصل کر سکیں گے؟ ظواہر احکام شرعیہ کی پابندی میں جو شخص حضرات ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم کے طریق اجتہاد سے باہر ہو۔ اور خود آیات واحادیث سے برخلاف آئمہ مجتہدین کے استنباط کرنے کا مدعی ہو اور قرآن وسنت کے بعد جان لینا چاہیئے کہ اس کی صحبت زہر ہلاہل سے کم مضر نہیں ہوگی کیونکہ مشیت ایزدی کے مطابق جب تک دین میں فتنہ وفساد کا دروازہ نہیں کھلا تھا لوگوں کو بوجہ غائت حق پسندی وسلامت روی کے کسی خاص معیار اجتہاد کی ضرورت نہ تھی۔ اس لئے طالب حق کو اکتساب احکام فقہیہ کے لئے کوئی دقت پیش نہیں آتی تھی۔ مگر جب اسلام میں فتنہ وفساد کو دخل ہونے لگا اور عقائد

واحکام کی صورت بدلنے لگی۔ تو احادیث نبویہ کی تدوین اور احکام فقہیہ کی ترتیب کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ حضرات اکابرین کی مساعی جمیلہ سے دور پیشاور فقہ کی تدوین و ترتیب مکمل ہوگئی۔ اور مسلک شریعت متعین ہوگیا۔ اور تمام مسائل شرعیہ اجتہادات حضرات ائمہ اربعہ کے دائرہ میں محدود ہو گئے اور طالبان حق کے لئے سہولت پیدا ہوگئی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آج تک فقہ اسلامی باین جامعیت و وسعت ہرگز محفوظ نہ رہ سکتی۔ زمانہ انقطاع اجتہاد کے بعد کوئی محدث کوئی فقیہ کوئی شیخ کامل کوئی محقق علوم دینیہ ایسا نہیں گذرا جس نے حضرات ائمہ اربعہ جزاہم اللہ جزاءً موفوراً کے طریق اجتہاد کا اتباع نہ کیا ہو اب اگر کوئی بوالہوس منہ بنا کر اس کا انکار کرنے لگے تو بجز اس کے کہ وہ اپنی شقاوت کا اظہار کرے اور کیا سمجھا جائے گا۔ ایسے لوگوں کی بات کو ایک آن کے لئے بھی نہیں سننا چاہئے۔

اب رہا مقامات سلوک کو ارباب سلوک سے حاصل کرنا سو اس کے متعلق یوں سمجھنا چاہئے کہ جب تک طریق ذکر مطابق کتاب و سنت کسی اہل تقوی سے حاصل نہ کیا جائے مقامات کا طے کرنا ممکن نہیں اور ایسے متقی بجز متبعین حضرات مشائخ کرام کے صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں۔ جو خود پایہ اجتہاد رکھتے ہوں۔ اس لئے ممکن ہے کہ کوئی صاحب سعادت ایسا بھی نکل آئے جو پایہ اجتہاد رکھنے کے علاوہ صاحب مقام بھی ہو اور اسے کسی صاحب مقام سے نسبت حاصل کرنے کی ضرورت نہ ہو اور ایسی نسبت کے ساتھ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دامانِ محبت سے وابستہ ہو مگر ایسے لوگوں کا جو وجود ہے سمجھا گیا ہے۔ اس لئے اسلم طریق یہ ہے کہ کسی ایسے عارف صاحب کمال کی تلاش کی جائے جس نے خود کسی طریق معروف اہل السنۃ والجماعۃ کے مطابق مقام استقامت حاصل کیا ہو۔ جس کی شناخت یوں ہو سکتی ہے کہ وہ ضروری علم

Marfat.com

[illegible] کتاب و سنت کا متبع ہو اور ائمہ فقہ مجتہدین کے قدم بقدم رکھے اور جو ع

خلاف شرع نہ ہو بلکہ اس سے تجاوز کرتا ہو اور لوگوں سے زرد سیم

نہ طلب کرے۔ اور اگر کوئی شخص بطریق سنت ہدایا و تحف پیش کرے تو

اسے بغیر تکلف قبول کرے اور مجالس اہل دنیا میں بجز کسی نیت شرعی

کے ہرگز داخل نہ ہو اور امراء و مساکین کا امتیاز اس کی مجلس میں ہرگز نہ کیا جائے

اور کسی بدعت اعتقادی یا عملی میں مبتلا نہ ہو اگر ایسا شخص مل جائے تو اسے

غنیمت سمجھنا چاہیئے مگر حق یہ ہے کہ ایسے اصحاب کبریت احمر کا حکم رکھتے ہیں۔

اور [illegible] مل سکے تو نوافل و اذکار مسنونہ کو لازم پکڑے

[illegible] تکلف تقشف نہ کرے۔ کیونکہ پابندی سنت سے دل کے نور معرفت

میں اور زیادتی ہوتی ہے۔ مگر اس صورت میں کچھ زیادہ مجاہدت و ریاضت کی ضرورت

نہیں ہوتی

واضح ہو کہ سالک کو مقامات توحید کے طے کرنے میں بعض اوقات

ایسے حالات پیش آجاتے ہیں جن میں وہ شعور خارجی سے بالکل بے خبر ہو جاتا

ہے بلکہ اس سے آگے ایک مقام ایسا بھی پیش آتا ہے جس میں اس کو اپنی ذات

کا شعور بھی نہیں رہتا حتیٰ کہ وہ عدم شعور کے شعور سے بھی بے بہرہ ہو جاتا ہے ایسے

حالات میں جبکہ انوار جلال و جبروت اس پر غالب آکر اس کے آثار بشریت کو مضمحل

اور ناپید کر دیتے ہیں اور مقام مشاہدہ حق میں جمعیت کلی سے متصف ہو جاتا ہے تو بسا

اوقات اس کی زبان پر ایسے کلمات جاری ہونے لگتے ہیں جو عوام الناس کے دلوں

میں طوفان مچا دیتے ہیں حالانکہ ایسے حضرات حلول و اتحاد سے

[illegible] اور ان کے قائل کی تکفیر کے قائل ہوتے ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ عبد

خواہ کسی مقام کمال تک ترقی کر جائے کبھی وہ عبد ہی رہتا ہے کیونکہ ذات ممکن

Marfat.com

کبھی واجب نہیں ہو سکتی۔ اور نہ واجب کبھی ممکن ہو سکتا ہے اور اس کی
مثال یوں سمجھو کہ لوہا آگ کے قرب میں آگ کے تمام صفات کو اپنے میں
کر لیتا ہے کہ اس میں آگ ہی کے خواص نور، احراق وغیرہ پیدا ہو جاتے
ہیں مگر وہ کبھی آگ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح عبد کا کل کے لئے عین صفات ذاتیہ
باری کا حصول محال عقلی ہے ہاں ان صفات کے مناسب حالات عبد کو حاصل
ہو سکتے ہیں جن پر صرف بطور اشتراک اسمی وہی الفاظ بولے جاتے ہیں کہ ہو صفات
ذات باری پر گمان ہر دو یعنی صفات ذات باری اور صفات عبد کی حقیقت ایک
نہیں ہوتی بلکہ ان میں ہر ایک بہت سے امتیاز کلی ہوتا ہے کیونکہ صفات باری قدیم
اور ذاتی اور کامل اور صفات عبد حادث اور معلول اور ناقص ہیں عبد ہر آن نعمت کا
مظہر ہو کر آثار صفات کا متحمل ہو سکتا ہے مگر وہ عین صفات باری کا حصول ناممکن
ہے کیونکہ واجب ہو ممکن کا ایک ہونا یا واجب کا ممکن میں حلول کرنا یا صفات
واجب کا منتقل ہو کر عبد کے صفات قرار پانا بروئے دلائل قطعیہ محال ہے
لئے معلوم ہوا کہ جو کلمات بعض اکابر کی زبان پر غلبہ شکر کی حالت میں جاری ہوئے
ہیں ان کی توجیہ صحیح یہ ہو سکتی ہے کہ وہ حضرات ان کلمات کو بحیثیت ذات باری
سے ناقل ہونے کے زبان پر لاتے ہیں۔ اور اس نقل سے بجز اس کے اور
کوئی بات متصور نہیں ہو سکتی کہ محبوب کے کلمات کو استلذاذ زبان پر لایا
ہے چنانچہ سبحانی ما اعظم شانی یا جملہ انا الحق وغیرہ کی صحیح توجیہ
یہی ہو سکتی ہے کیونکہ کسی متبع شریعت کی نسبت یہ گمان کبھی صحیح نہیں ہو سکتا
وہ بحالت صحت عقل و حواس اپنے متعلق خدائے خالق السموات والارض کہے
تک جائے چنانچہ ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ کی نسبت مروی ہے کہ آپ جب مطلع
ہوئے کہ بحالت شکر کوئی ایسے کلمات آپ کی زبان پر جاری ہو گئے ہیں

Marfat.com

اسپر منتشددین کو کہا کرتے کہ تم لوگوں نے کیوں مجھے نہیں روکا؟ اور بعض اکابر نے
اس کلمات کی یہ توجیہ بھی کی ہے کہ عارف کامل جب عین شہود کے ساتھ اپنا مقام
فنا فی التوحید سے بالاتر دیکھ پاتا ہے تو بحالت غلبۂ سکر اپنے قدس کا اظہار کرتا
ہے مگر وہ یہ جانتا ہے کہ قدس ذات باری کہیں اس سے بھی بالاتر ہے جس کے ساتھ
اسے کچھ نسبت نہیں ہو سکتی بہرصورت ایسے کلمات مجاز کیطرف لائے جا سکتے ہیں۔
ورنہ ان کا حقیقت پر محمول کرنا کفر صریح ہے کیونکہ بصورت خفیقت اس عقیدہ اور
نصاریٰ کے عقیدۂ الوہیت مسیح میں کچھ فرق نہیں رہتا۔

پہلا قول صحیح ہے کہ قلب عارف جب ہر ایک غیر اللہ سے فارغ ہو جاتا ہے تو
وہ انوار توحید سے منور ہو کر انوار کا حکم حاصل کر لیتا ہے جیسے آگ اور لوہے کی
مثال میں اوپر بیان ہوا۔ مگر وہ ہر دو ایک نہیں ہو سکتے۔ دیکھو ایک شاعر اس کو
کس عمدہ استعارہ میں کیونکر ادا کرتا ہے؟ ؎

نَشَابَهَا فَتَشَاكَلَ الْأَمْرُ	رَقَّ الزُّجَاجُ وَرَقَّتِ الْخَمْرُ
وَكَأَنَّمَا قَدَحٌ وَلَا خَمْرٌ	فَكَأَنَّمَا خَمْرٌ وَلَا قَدَحٌ

جب ان دونوں میں یہ تشابہ مروج ہے تو روحانیات جن میں نہایت تناسب ہے
ان میں بدرجہ اولیٰ اس تشابہ کے مستحق ہیں۔ مگر اس تشابہ سے ہر دو کا متحد ہونا
لازم نہیں آ سکتا۔

پس جب حضرات اکابر کے کلام میں اس قسم کا کوئی جملہ پایا جائے
تو اس کو اس قسم کے مجاز و استعارہ پر محمول کر کے توجیہ صحیح پیدا کرنی
چاہئے اور ظن فاسد سے برکنار رہنا اصوب و اسلم ہے۔ اس بحث کو

ف۱ طور کا پیالہ اور شراب ہر دو ایسے لطیف و نازک ہیں کہ ہر دو میں بوجہ نہایت مشابہت امتیاز جاتا رہا ہے
اکثر کہتے ہیں کہ شراب ہے اور پیالہ کوئی چیز نہیں، یا پیالہ ہے شراب کوئی چیز نہیں ۱۲ منہ

Marfat.com

امام غزالی رحمہ اللہ نے مقصد اسنیٰ میں اور شیخ ابن تیمیہ نے الجواب الصحیح کی دوسری جلد میں قلمبند کیا ہے۔ شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ اس قسم کی مجازات بعض آیات قرآنیہ و کلام انبیاء میں بھی واقع ہوئے ہیں۔ مثلاً انّ الذین یبایعونك انما یبایعون اللہ یا مسیح علیہ السلام کا قول من رأنی فقد رای الی یا حدیث من رأنی فقد رای الحقّ وغیر ذلك۔ بعض اہل معرفت کے کلام میں بھی یہ طریق بیان پایا جاتا ہے مثلاً ؎

لہ ساکن فی القلب یعمرہ ۵ لست انساہ فاذکرہ

ایک اور عارف کا کلام ہے ؎

اذا سکن الغدیر علی صفاء	وحُبّب آن یحرّکه النّسیم
بدت فیه السّماء بلا امتراء	کذاك الشمس تبدو والنجوم
کذاك قلوب ارباب التجلّی ؎	یُریٰ فی صفوها اللہ العظیم

کسی اور کا کلام ہے ع

انا من اهوی ومن اهوی انا

جس کا فارسی ترجمہ یہ ہے ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی
تا کس نگوئد بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

لہ یعنی محبوب میرے قلب میں ساکن ہو کر اس کو آباد کرتا ہے۔ میں اسے بھولتا ہی نہیں کہ مجھے یاد کی ضرورت پڑے ۱۲ منہ

؎ یعنی جب تالاب کا پانی صاف ہو اور ہوا کی موجیں بھی اسے حرکت نہ دیتی ہوں تو اس میں آسمان اور ستارے [illegible] اسی طرح ہر عارف کا قلب جب ماسوی اللہ کے غبار تعلق سے پاک ہو جاتا ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ نظر آتا ہے ۱۲

Marfat.com

بہر صورت مذکورہ بالا مسئلہ اور ان کی طرح اور اشعار یا جملے
بھی کسی حقیقت پر محمول نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ حقیقت پر حمل کرنے کی
صورت میں کفر صریح لازم آتا ہے اس لئے جمیع اہل تحقیق کے
نزدیک ان کی صحیح توجیہ یہی ہو سکتی ہے کہ غلبۂ انوار توحید کی وجہ
سے جب آثار بشریت مضمحل ہو کر عارف کی نظر سے ناپید ہو جاتے
ہیں۔ اور مقام مشاہدہ میں ماسوے اللہ سے بالکل تجرد حاصل ہو جاتا ہے
تو بر طریق غائت استلذاذ اپنے اس تعلق کو ظاہر کرتے ہیں جو انہیں محبوب
حقیقی کے ساتھ ہوتا ہے کیونکہ جس طرح مادیات میں دو متناسب چیزیں
باہمی اتصال سے مثل واحد کے ہو جاتی ہیں۔ تو حقائق مجردہ میں ہر دو کا
مثل واحد ہونا کہیں زیادہ متصور ہو سکتا ہے مگر یہ محال ہے کہ ہر دو
ایک ہو جائیں۔ یا ایک دوسری میں حلول کر جائے لیکن غیر مادی (حقائق
مجردہ) کی نوعیت تعلق کو ہم لفظوں میں ہرگز نہیں سمجھ سکتے۔ اس لئے اس
عقیدہ صحیحہ کو کہ واجب اور ممکن دو علیحدہ علیحدہ حقیقتوں کا نام ہے ہر حال میں اپنا
شعار سمجھنا چاہیئے اور جہال متصوفہ کے خیالات باطلہ سے کوسوں دور
بھاگنا چاہیئے۔ کیونکہ اسلام کو رانہ حسن ظن کی سخت مذمت کرتا ہے۔ بعض
مدعیان مقامات اہل علم پر یوں طعن و تشنیع کیا کرتے ہیں۔ کہ علماء ظاہر کو
یہ پایہ نصیب نہیں کہ وہ مقربانِ بارگاہ صمدیت کے مقامات کو سمجھ سکیں اس
لئے اولیاء کرام کا یہ لوگ انکار کیا کرتے ہیں۔ سو ایسے جہال مرفوع القلم
ہیں اور عوام الناس کے لئے موجب فتنہ۔ کیونکہ مقربان بارگاہ میں کوئی ایسا
شخص نہیں ملتا جس نے خلاف شریعت کسی عقیدہ کی اشاعت کی ہو کتاب و
سنت و شاہد عدل ہیں سو جو بات ان کے معیار شہادت پر صحیح نہیں اس میں

خیر و عافیت نہیں۔ ..... بالآخر میں اپنے مسلمان بھائیوں سے استدعا کرتا ہوں کہ طریق راستی یہ ہے کہ انسان کو کسی امر میں غلو اور اصرار نہیں کرنا چاہئے۔ اگر کسی امر کی نسبت معلوم ہو کہ وہ شریعت حقہ کے نصوص کے برخلاف ہے۔ تو اس کی تکذیب و ابطال ہر ایک مسلمان کا فرض ہونا چاہئے اور اگر کوئی امر مجتہد فیہ ہو۔ تو اس میں دوسرے فریق کی تکذیب کرنا موجب خطر ہے ایسے امور میں صحیح طریق یہ ہے کہ اگر خود بروئے دلائل صحیحہ فیصلہ نہ ہو سکے تو علمائے راسخون فی العلم کے طریق کو اختیار کرنا چاہئے اور بزرگان دین کی جو صاحب مقام ہوں مخالفت کرنے سے بچنا چاہئے کیونکہ بسا اوقات انسان اپنی کم علمی کی وجہ سے کسی حقیقت کی تکذیب کرنے لگ جاتا ہے کما قیل ؎

وکم من عائب قولاً صحیحاً وآفتہ من الفہم السقیم

ایسے حالات میں اگر تصدیق نہ کر سکے تو تکذیب بھی نہیں چاہئے بلکہ سکوت احیاناً کرنا اسلم ہے لعل اللہ یحدث بعد ذلک امراً فقط

خاکسار اس موضوع میں کچھ زیادہ بحث کرتا اور بعض دیگر مسائل ضروریہ کو بھی قلمبند کرتا مگر اہل زمانہ سے قبول حق کی توقع نہیں کیونکہ وہ اپنے مسلمات سے علیحدہ ہو کر استماع حق نہیں کر سکتے لہذا اسی قدر پر اکتفا مناسب سمجھا کیا ؎

من گنگ خواب دیدہ و عالم تمام کر
من عاجزم زگفتن و خلق از شنیدنش

وکفی باللہ شہیداً۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ اجمعین فقط

ربیع الاول ۱۳۵۳ ہجری المقدس

Marfat.com

وَمِمَّا قلت مرتجلاً فی وصف الکتاب العزیز

رُوَيْدَ عَوَاذِلِي بَعْضَ الْمَلَامِ
اومیری ملامت کرنے والیوں! اپنی ملامت کو کچھ چھوڑ دو

اَطَعْتُ هَوَاكُنَّ لَدَيْنَ الْعَيْشِ دَهْرًا
میں ایک زمانہ پھر خوش زندگی کے پیچھے مارا مارا پھرا

وَكَيْفَ يَطِيبُ عَيْشُ الْمَرْءِ يَوْمًا
انسان کو بھلا خوش زندگی کیونکر حاصل ہو سکتی ہے

وَذُقْتُ حَلَاوَةَ الْأَشْيَاءِ طُرًّا
میں نے تمام اشیاء کی شیرینی کو چکھا

فَمَا اسْتَحْلَيْتُ مِنْ دُنْيَايَ شَيْئًا
سو میں نے اپنی دنیا سے کسی چیز کو شیریں نہیں پایا

اَلَمْ لِكُلِّ مَنْ يَبْغِي فَلَاحًا
ہر ایک طالب نجات

هُدًى لِلنَّاسِ لَيْسَ بِهِ خَفَاءٌ
یہ ایسا مجموعۂ ہدایت ہے جس میں کوئی شک نہیں

لَهُ مَعْنًى يَحَارُ الْفِكْرُ فِيهِ
اس کے معانی میں فکر انسانی حیران ہے

إِذَا مَا لَمْ يُطِقْ أَحَدٌ يُبَارِي
جب کوئی شخص اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا

كَلَامُ الرَّبِّ أَنْزَلَهُ بِحَقٍّ
یہ پروردگار عالم کا کلام ہے جس کو اس نے غرض حق کے ساتھ

إِمَامُ الْأَنْبِيَاءِ بِلَا امْتِرَاءٍ
حضور علیہ السلام بلا شک جمیع انبیا علیہم السلام کے حق میں

وَلَوْ لَمْ يَهْدِنَا مَا قَدْ هَدَانَا
اگر حضور علیہ السلام کی وہ عالیشان ہدایت نہ ہوتی جو آپ نے ارشاد فرمائی

يَرُوحُ حَيَا بِلَدَتِهِ ضَمَّتْهُ نَشْرًا
اس شہر پر میری جان فدا ہو جو بو خوش کو اندر لئے ہے

فَمَا فِي لَيْسَ يَبْرَحُ بِالْحِمَامِ
کیونکہ میں جس حالت عشق میں مبتلا ہوں وہ موت سے بھی نہیں ہوتی

فَمَا عَاشَرْتُ إِلَّا لِلسَّقَامِ
سو میں نے جو زندگی بسر کی اس کا نتیجہ سوائے بیماری کے کچھ نہ نکلا

إِذَا مَا لَمْ يَكُنْ غَيْظَ اللِّئَامِ
جبکہ وہ فرومایہ (اہل دنیا) کے حق میں موجب غیظ نہ ہو

فَأَحْلَى حُلْوِهَا مُرُّ الْفِطَامِ
سو سب سے شیریں کو ایسا کڑوا پایا جیسے دودھ چھوڑنا

سِوَى تَرْتِيلِ آيَاتِ الْإِمَامِ
بجز امام یعنی کتاب اللہ کی ترتیل آیات کے

وَيَرْجُو الْخَيْرَ فِي دَارِ السَّلَامِ
اور امیدوار جنت کے لئے سب سے زیادہ لذیذ

وَنُورٌ قَدْ جَلَا سَجْفَ الظَّلَامِ
اور ایسا نور ہے جو پردۂ ظلمت کو اٹھا دیتا ہے

وَلَفْظٌ فَاقَ حُسْنُ الِانْتِظَامِ
اور اس کے الفاظ حسن انتظام کی حد سے بڑھ گئے ہیں

فَذَلِكَ صَاحِ إِعْجَازُ الْكَلَامِ
تو میرے دوست سمجھ لو کہ اعجاز کلام اسی کو کہتے ہیں

عَلَى خَيْرِ الْبَرِيَّةِ لِلْأَنَامِ
بہترین خلائق یعنی جناب رسول اکرم صلعم پر اہل عالم کیلئے

إِلَى مَا يَبْتَغُونَ مِنَ الْمَقَامِ
مدارج عالیہ کے حاصل کرنے کیلئے امام ہیں

لَكُنَّا فِي الْبَرَارِي كَالنَّعَامِ
تو ہم لوگ جنگلوں میں شتر مرغوں کی طرح ہوتے

يَفُوحُ شَذَاهُ كَالْمِسْكِ الْخِتَامِ
جسکی تیزی بو چار دانگ عالم میں مثل مشک کیطرح مہک رہی ہے

Marfat.com

Marfat.com

بسم الله الرحمن الرحيم

قصۂ اصحاب الکہف والرقیم

المؤلفہ

سوویت الی اللہ الصمد سید احمد

حسب فرمائش

منشی فضل الدین تاجر کتب قومی مالک اخبار رعیت بازار کشمیری لاہور

طبع دوم مصطفائی پریس لاہور

Marfat.com

سرسید احمد خاں صاحب مرحوم و مغفور کی بعض تصنیفات کی فہرست

مجموعہ مضامین سرسید احمد خاں صاحب مرحوم و مغفور

اس مجموعہ میں سرسید مرحوم و مغفور کے کل لکچرز اور اسپیچیں نمبر کے زمانہ سے ابتدا سے لیکر آج تک یعنی سرسید کی رحلت تک جتنے ہیں سب جمع کئے گئے ہیں۔ اس مجموعہ کے شروع میں سرسید مرحوم کی وہ مقبول و دلوں کو بیدار کرنے والی دعائیں جو سرسید صاحب نے وقتاً فوقتاً خداوند تعالیٰ کی جناب میں التجا کی ہیں اس مجموعہ کے شروع میں درج کر دی گئی ہیں۔ دعائیں بہت ہی پُر اثر اور مقبول ہیں۔ ان دعاؤں کے پڑھنے سے بیشک خدا اپنے ایک حقیقی واحد مطلق کی طرف نہایت انکساری سے رجوع ہو جاتی ہے۔ قیمت

مرحوم سرسید کے ہفت سالہ اخلاقی و تمدنی و مذہبی مضامین متعلقہ تہذیب الاخلاق

یہ مرحوم سرسید کے ہفت سالہ تہذیب الاخلاق کی مضامین جنکی قوم کو از حد ضرورت تھی یعنی از ابتدائے سنہ ۱۲۸۷ ہجری لغایت سنہ ۱۳۱۴ ہجری چھپ کر تیار ہو گئے ہیں۔ اس میں سرسید نے وہ پر زور اور دلچسپ مضامین لکھے ہیں جنکے پڑھنے سے ایک قسم کی روشنی پیدا ہوتی ہے۔ تعداد میں یہ مضامین ایک کم سو ہیں۔ اخلاقی اور تمدنی مضامین کا مخزن ہیں۔ اسلامی مسائل سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے ایک کورس۔ مضامین نگاری کے لئے اتالیق۔ اردو لٹریچر کی جان۔ یہ وہی مضامین ہیں جنہوں نے سرسید کا بول بالا کیا۔ مسلمانوں کو سوتے سے جگایا۔ اسلام اور اسلامی ہمدردی کا سبق پڑھایا۔ ان مضامین کے مطالعہ سے آپ کو سرسید مرحوم کی مخلصانہ خدمات کا اندازہ ہو جائیگا۔ کہ اس مرحوم نے قوم کی بہبودی کے لئے کیا کیا کوشش کی ہے اور کس قدر تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ جو مسلمان ان مضامین کو پڑھے۔ یہ نہ پڑھے۔ سے روشن ہو جائیگا کہ قوم کو اس کتاب کی کہاں تک ضرورت ہے۔ قیمت

تفسیر القرآن جلد اول

یعنی اردو تفسیر سورۃ الفاتحہ و سورۃ البقرہ مصنفہ مرسید مرحوم و مغفور۔ سرسید مرحوم تو ہم سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے۔ لیکن یہ زندہ یادگار ہمیشہ کے لئے چھوڑ گئے۔ جس سے قوم ہمیشہ مستفیض ہوتی رہیگی۔

احکام طعام اہل کتاب

مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کے ساتھ کھانا کھانے کیوں اسطے اسلام کے احکام ہیں۔ اس میں سرسید مرحوم نے نہایت مستند حدیثیں اور قرآن کریم کی پاک آیتیں جمع کر کے اس پر بحث کی ہے اور نہایت خوبی کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن پاک اور نبی عرب صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذی وافق کلامه بصنعه - وطابق صنعه بکلامه
فکلامه مظهر لجلاله وصنایعه مثبته لکماله - لا تبدیل لکلمات
الله کما لا تبدیل لصنایع الله والصلوٰة والسلام علی رسوله
محمد ن المصطفٰی خاتم النبیین الذي قال کما یوحی الیه انما بشر مثلکم
یوحی الی انما الهکم اله واحد وعلی اله الذین هم ثقل من الثقلین
کما قال علیه الصلوٰة والسلام انی تارك فیکم الثقلین
کتاب الله وعترتی وعلی اصحابه اجمعین ؛

منجملہ اُن قصوں کے جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے ایک قصہ اصحاب الکہف
والرقیم کا ہے یہ قصہ آنحضرت صلعم کی بعثت کے قبل ایشیا میں اور روم کے
عیسائیوں میں اور عرب جاہلیت میں مشہور تھا اور جیسا کہ اس قسم کے قصوں کا

سرسید احمد خاں صاحب مرحوم و مغفور کی بعض تصنیفات کی فہرست

مجموعہ مضامین سرسید احمد خاں صاحب مرحوم و مغفور

اس مجموعہ میں سرسید مرحوم و مغفور کے کل لکچرز اور اسپیچیں جو انھوں نے اپنے زمانہ سے ابتدا سے لیکر آج تک یعنی سرسید کی رحلت تک جتنے ہیں سب جمع کئے گئے ہیں۔ اس مجموعہ کے شروع میں سرسید مرحوم کی وہ مقبول اور دلولہ انگیز دعائیں جو سید صاحب نے وقتاً فوقتاً خداوند تعالیٰ کی جناب میں کی ہیں اس مجموعہ میں درج کر دی گئی ہیں۔ دعائیں بہت ہی پر اثر اور مقبول ہیں۔ ان دعاؤں کے پڑھنے سے حقیقت

مرحوم سرسید کے مفت سالہ اخلاقی و تمدنی و مذہبی مضامین متعلقہ تہذیب الاخلاق

مرحوم کے مفت سالہ تہذیب الاخلاق کی مضامین جنکو قوم کا ازحد ضرورت تھی یعنی ابتدا سے سنہ ۱۳۱۷ ہجری کی غایت سنہ ۱۳۱۲ ہجری چھپ کر تیار ہو گئے ہیں۔ اس میں سرسید کے وہ پرزور اور دلچسپ مضامین ہیں جن کے پڑھنے سے ایک قوم کی رگوں میں نئی زندگی پیدا ہوتی ہے۔ تعداد میں یہ مضامین ایک سو ہیں۔ اخلاقی اور تمدنی مضامین کا مخزن ہیں۔ اسلامی مسائل سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے ایک کورس۔ مضامین نگاری کے لیے انمول۔ اردو لٹریچر کی جان۔ یہ وہی مضامین ہیں جنھوں نے سرسید کا بول بالا کیا۔ مسلمانوں کو ترقی کے راستہ پر لگایا۔ اسلام اور اسلامی ہمدردی کا سبق پڑھایا۔ ان مضامین کے مطالعہ سے آپکو سرسید مرحوم کی عظمت شان کا اندازہ لگیگا۔ کہ اس مرحوم نے قوم کی اصلاح کے لئے کیا کیا کوشش کی اور کس طرح قوم کو ساتھ لیکر چلے۔ یہ تو پڑھنے سے روشن ہو جائیگا کہ قوم کو اس کتاب کی کہاں تک ضرورت ہے ہم کہتے ہیں

قیمت

تفسیر القرآن جلد اول

یعنی اردو تفسیر سورۃ الفاتحہ و سورۃ البقر مصنفہ سرسید مرحوم و مغفور۔ سرسید مرحوم قوم سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے۔ لیکن یہ زندہ یادگار ہمیشہ کے لئے چھوڑ گئے جس سے قوم ہمیشہ مستفیض ہوتی رہیگی

احکام طعام اہل کتاب

مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کے ساتھ کھانا کھانے کیوا سطے اسلام کے احکام۔ اس میں سرسید مرحوم نے نہایت مستند حدیثیں اور قرآن کریم کی پاک آیتیں جمع کر کے بیان کی ہے اور بتایا ہے کہ کونسا کھانا کیسے کے قرآن پاک اور نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال

Marfat.com

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذی وافق کلامه بصنعه - وطابق صنعه بکلامه
فکلامه مظهر لجلاله وصنایعه مثبته لکماله لا تبدیل لکلمات
الله کما لا تبدیل لصنایع الله والصلوٰة والسلام علی رسوله
محمد ن المصطفٰی خاتم النبیین الذی قال کما یوحی الیه انا بشر مثلکم
یوحی الی انما الهکم اله واحد وعلی اله الذین هم ثقل من الثقلین
کما قال علیه الصلوٰة والسلام انی تارک فیکم الثقلین
کتاب الله وعترتی وعلی اصحابه اجمعین ؛

منجملہ اُن قصّوں کے جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے ایک قصہ اصحاب الکہف
والرقیم کا ہے یہ قصہ آنحضرت صلعم کی بعثت کے قبل ایشیا میں اور روم کے
عیسائیوں میں اور عرب جاہلیت میں مشہور تھا اور جیسا کہ اس قسم کے قصوں کا

دستور ہے بہت سی بے اصل اور عجیب وغریب باتیں اُس میں شامل ہوگئی ہیں
تمہیں خداوند تعالیٰ نے اُس قصّہ کا ذکر قرآن مجید میں فرمایا اور بتایا کہ اصلی وصحیح قصہ
کیا ہے مگر مفسرین ومورخین نے بعوض اس کے کہ اُن بے اصل کہانیوں کو
جو مشہور تھیں اُس قصہ سے علیٰحدہ کرتے قرآن مجید کی تفسیروں اور اُن
تاریخوں میں جو زمانۂ اسلام میں لکھی گئیں اِس طرح شامل کر دیا کہ گویا وہ کہانیاں اسلام
ہی کی ہیں حالانکہ اسلام اِس قسم کی بیہودہ کہانیوں سے بری ہے ؛

اِس امر پر خیال کر کے میں نے چاہا کہ قصۂ اصحاب الکہف والرقیم کو صاف
طور پر جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے بیان کروں اور بے اصل کہانیاں جو
اُس میں شامل ہوگئی ہیں اُن کو اصل قصہ سے علیٰحدہ کر دوں۔ فللّٰہ الحمد کہ یہ کام
پورا ہوا اور اِس رسالہ کا نام **ترقیم فی قصّہ اصحاب الکہف والرقیم**
رکھا ؛

میں نے اس قصہ کو اول صاف اور سیدھے طور پر بغیر تعرض آیات
قرآن مجید کے بیان کیا ہے اور جن کتابوں سے اُس کو اخذ کیا ہے بعینہٖ
اُن کی اصلی عبارت حاشیہ پر لکھدی ہے اُس کے بعد قرآن مجید کی اُن
آیات کی تفسیر بیان کی ہے جو قصۂ اصحاب کہف سے متعلق ہیں اور دکھایا
ہے کہ بے اصل کہانیاں جو مشہور ہیں اُنھیں کی تردید قرآن مجید سے ہوتی
ہے جو کہ مسلمانوں کو بہت کم معلوم ہے کہ عیسائی مورخ اِس قصہ کی نسبت
کیا خیال کرتے ہیں اور کیا رائے رکھتے ہیں اِس لیئے اِس کے اخیر میں
ایک انگریزی کتاب سے اس قصہ کا ترجمہ اُس کے مضامین سے بلا کسی
قسم کی تعرض کے شامل کر دیا ہے اُس کے شامل کرنے سے صرف
مقصد یہ ہے کہ عیسائی مورخوں کے خیالات جو اِس قصہ کی نسبت ہیں معلوم

Marfat.com

ہو جاویں اور کھل جاوے کہ جو روایتیں ہمارے علماء نے اپنی کتابوں اور تفسیروں میں لکھی ہیں وہ سب عیسائیوں کی روایتیں ہیں اسلام کی ؛

اس رسالہ کے لکھنے کے وقت مندرجۂ ذیل کتابیں میرے مطالعہ میں تھیں جن سے اس قصہ کو اخذ کیا ہے اور صحیح روایتوں کو غلط روایتوں سے تمیز کیا ہے ؛

تفصیل کتب مذکورہ یہ ہے :-

(۱) تفسیر مدارک (۲) تفسیر معالم التنزیل (۳) تفسیر کبیر (۴) تفسیر بیضاوی (۵) تفسیر کشاف (۶) صحیح بخاری (۷) تاریخ طبری کبیر (۸) مختصر الدول ابوالفرج ملطیہ ای (۹) آثار الباقیہ عن قرون الخالیہ بیرونی، بیان بیرونی (۱۰) ترجمہ فارسی سیرت محمد بن اسحٰق (۱۱) آثار البلاد و اخبار العباد للامام زکریا قزوینی (۱۲) تاریخ کامل لابن اثیر (۱۳) معجم البلدان یاقوت حموی (۱۴) تاریخ اسمٰعیل ابوالفدا (۱۵) مرزج الذہب مسعودی (۱۶) عجائب المخلوقات عربی (۱۷) کیورس متھس آف دی میڈل ایجز مؤلفہ ایس بارنگ گولڈ بزبان انگریزی ؛

Marfat.com

اصحاب الکہف والرقیم

اصحاب کہف اور اصحاب رقیم ایک ہی گروہ کا لقب ہے۔ اصحاب کہف کو اس لیئے کہتے ہیں کہ وہ ایک ظالم بت پرست بادشاہ کے ڈر سے ایک پہاڑ کی کھوہ میں جا چھپے تھے عربی زبان میں پہاڑ کی کھوہ کو کہف کہتے ہیں اس لیئے اُن کا لقب اصحاب کہف ہو گیا ہے ؛

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ رقیم اُس شہر کا نام ہے جس میں اصحاب کہف رہتے تھے بعضوں کا قول ہے کہ پہاڑ کی کھوہ کا نام ہے جس میں اصحاب کہف چھپے تھے بعضے کہتے ہیں کہ اُن کے کتے کا نام ہے جو اُن کے ساتھ تھا اس لیئے اُن کو اصحاب الرقیم کہتے لگے مگر ان میں سے کوئی بات اعتبار کے قابل نہیں ہے۔ عربی کتابوں میں اُن کے کتے کا نام قطمیر لکھا ہے اور انگریزی کتابوں میں کراٹیمر یا کراٹیمیر اور یہ نام ملتے جلتے ہیں صرف ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل ہونے میں جو فرق لہجہ اور تلفظ میں ہو جاتا ہے وہی کراٹیمر اور قطمیر میں ہو گیا ہے ؛

صحیح بات جیسے کہ محمد اسمٰعیل بخاری نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں ابن عباس کی روایت سے لکھی ہے یہ معلوم ہوتی ہے کہ اُن کا حال اور نام ایک زمانہ میں جست کے پتر سے پر کندہ کر کر اور بعض روایتوں کے مطابق پتھر پر کھود کر رکھا گیا تھا۔ رقیم کے معنی عربی زبان میں لکھے ہوئے کے ہیں اور اس سبب سے اُنھیں لوگوں کا لقب اصحاب الرقیم بھی ہو گیا ہے ؛

Marfat.com

اس بات میں نہایت اختلاف ہے اور آج تک تحقیق نہیں ہوا کہ یہ لوگ تعداد میں کتنے تھے
غالب قول یہ ہے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں اُن کا کتا تھا جو اُنکے ساتھ تھا
اُن کے ناموں میں بھی بہت اختلاف ہے مگر وہ اختلاف زیادہ تر ایک زبان سے
دوسری زبان میں منتقل ہونے اور الفاظ کے تلفظ کے اختلاف سے علاقہ رکھتا ہے
اور کاتبوں نے زیادہ تر تحریف کر دیا ہے بہرحال ہم اس مقام پر اُن کے ناموں کو
جس طرح کہ مختلف کتابوں میں لکھے ہیں لکھتے ہیں ؛

تفسیر جلالین اور اُس میں اُن کی تعداد ۹ لکھی ہے

مکسلمینا تملیخا مرطونس کشطونس دیرونس
یطنونس ریموس فلاوس کلبہم قطمیر ؛

تفسیر بیضاوی و کشاف و تفسیر کبیر و تفسیر مدارک

مکسلمینا تملیخا مشلمینا مرطونس دیرنوش شاذنوش
والراعی کلبہم قطمیر

تاریخ کامل لابن اثیر

مکسلمینا تملیخا مرطوس نیروس کشطوس دیموس
رومانوس فلاوس کسلمینا کلبہم قطمیر

معجم البلدان یاقوت حموی

یملیخا مکسلمینا مشلمینا مرطونس دیرنوش

سَتَرَاپِدُوْنَ اِفْسَتِیْطِیُوْسُ کَلْبُهُمْ قِطْمِیر ۔

تاریخ طبری

مَکْسَلِمِیْنَا مَحْسَلِمِیْنَا یَمْلِیْخَا یَامْلِیْخَا مَرْطُوْسُ کَسُوْطُوْنُسُ
بَیْرُوْنُسُ وَسْمُوْنُسُ بَطُوْنُسُ قَالُوْسُ ۔

تاریخ احمد بن ابی یعقوب المعروف بالیعقوبی

مَکْسَلِمِیْنَا مَرَاطُوْسُ شَاہُوْنِیُوْشُ بَطْرُوْشُ
ذُوْلْمَسُ یُوَانِسُ کَیْنَفْرَطُوْ نِیُوْطُوْ مَلِیْخَا الرَّاعِی
کَلْبُهُمْ قِطْمِیر

کیورس میتھس مؤلفہ بارنگ گولڈ

مَیْلِنِیْ مَیْنُ مَالْکُسُ مَارْشِیْنُ ڈَاسْیُوْنِیْ سَسْ جان
سِیْرَاپِیْنُ کَانْسِٹِیْنُ ٹَایْنُ کَلْبُهُمْ کَرَاٹِیْم یَاکَرَاٹِیْم ۔

شہر جس میں اصحاب کہف رہتے تھے

اکثر مورخین و مفسرین کا قول ہے جو ہر طرح پر صحیح معلوم ہوتا ہے کہ جس شہر میں اصحاب کہف رہتے تھے اُس کا نام اُفسُوس تھا یاقوت حموی نے اپنی کتاب معجم البلدان میں اُس کے اعراب کو بھی ضبط کیا ہے ۔

مسٹر بارنگ گولڈ نے اپنی کتاب کیورس میتھس میں اُس شہر کا نام ایفی سس لکھا ہے اور یقین ہوتا ہے کہ عربی تاریخوں میں یہی نام متغیر ہو کر اُفسُوس ہو گیا ہے

Marfat.com

لانگ مین گرین کمپنی نے ۱۸۷۷ء میں بمقام لندن قدیم رومیوں کے زمانہ کا نقشہ جغرافیہ چھاپا ہے جس میں شہروں کے وہی قدیم نام ہیں جو اُس زمانہ میں تھے اُس میں جو نقشہ ایشیا مینیر کا ہے اُس میں ایفی سِسس شہر کا نام ۳۷ درجہ ۵۷ دقیقہ عرض شمالی اور ۲۷ درجہ ۲۱ دقیقہ طول شرقی پر عین دریائے ایجئین کے کنارہ پر ثبت ہے اُس کے قریب پہاڑ بھی واقع ہیں اور کچھ شُبہ نہیں ہو سکتا کہ اُسی جگہ **ایفی سِسس** شہر تھا جس میں اصحاب کہف رہتے تھے ؛

بعضوں[۵۱] نے کہا ہے کہ اصحاب کہف کے شہر کا نام رقیم تھا اور بعضوں نے کہا کہ اُس پہاڑ کی کھوہ کا نام[۵۲] تھا جس میں اصحاب کہف جا کر رہے تھے مگر یہ صحیح نہیں یاقوت حموی نے بھی لکھا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ اہل روم کی سلطنت میں جو شہر اُفسوس تھا وُہی شہر اصحاب کہف کا تھا محمد بن محمود القزوینی نے اپنی کتاب آثار البلاد و اخبار العباد میں اُفسوس ہی کو اصحاب کہف کا شہر قرار دیا ہے۔ شاید لوگوں نے اِس خیال سے کہ اصحاب کہف کے نام جست کی تختی پر کھود کر شہر میں رکھے گئے تھے اُس شہر کو اور بعضوں نے اس خیال سے کہ اُس پہاڑ پر جس میں وہ کھوہ تھی اُن کے نام کندہ ہوئے تھے اُس پہاڑ کو یا اُس کھوہ کو رقیم کے نام سے موسوم کر دیا ہو ؛

اصحاب کہف کس زمانہ اور کس بادشاہ کے عہد میں تھے

ابو الفرج ملطیائی[۵۴] عیسائی مؤرخ نے جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ آخر کو مسلمان ہو گیا تھا اپنی کتاب مختصر الدول میں لکھا ہے کہ اصحاب کہف ڈوقیوس قیصر کے عہد میں تھے

Marfat.com

جو عیسائیوں کا نہایت دشمن تھا اور اُن کو قتل کرتا تھا۔ تاریخ طبری[1] میں
اُس بادشاہ کا نام دقینوس لکھا ہے ؛
تاریخ کامل ابن[2] اثیر میں اُس کا نام دقیوس لکھا ہے اور یہ بھی لکھا
ہے کہ بعض آدمی اُس کا نام دقیانوس کہتے ہیں ؛
ابو الفدا اسمٰعیل[3] نے اپنی تاریخ میں بھی یہی نام بیان کیئے ہیں اور
لکھا ہے کہ وہ سنہ ۵۳۹ اسکندری میں بادشاہ ہوا تھا اور سنہ ۵۴۰ میں مر گیا
ابو ریحان[4] بیرونی نے اپنی کتاب آثار الباقیہ عن قرون الخالیہ میں اُس
بادشاہ کا نام داقیاوس لکھا ہے اور مسٹر بارنگ گولڈ نے اپنی کتاب
کیورس متھس میں اُس بادشاہ کا نام دی سس لکھا ہے ؛
اِسی مصنف نے لکھا ہے کہ روم میں ویکٹورم کے عجائب خانہ
میں گچ سے اصحاب کہف کی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ اُن تصویروں سے
بعضوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ وہ سنہ ۲۵۰ء میں ڈی سس بادشاہ
کے عہد میں مارے گئے تھے ؛
عموماً مسلمان مورخ اور مفسر اُس بادشاہ کا نام جس کے عہد میں
اصحاب کہف تھے دقیانوس لکھتے ہیں اور ظاہر اسمیں اختلاف ہوا ہے
تمام اختلافات ایک زبان کے ناموں کو دوسری زبان میں منتقل کرنے
سے پیدا ہوئے ہیں اور سب کے ملانے سے یقین ہوتا ہے کہ وہ
رومی بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا ؛
جو زمانہ کہ اصحاب کہف کا ابو الفدا نے بیان کیا ہے وہ قریباً
صحیح و درست معلوم ہوتا ہے۔ اسکندر تین سو چھتیس برس
قبل حضرت مسیح علیہ السلام کے تخت پر بیٹھا تھا اور اصحاب کہف

[1] تاریخ طبری
[2] تاریخ کامل (ابن اثیر)
[3] تاریخ ابو الفدا
[4] ابو ریحان بیرونی (آثار الباقیہ عن القرون الخالیہ)

پانسو چالیس سنہ سکندری میں تھے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ۲۰۴ سنہ ۲۰۵ عیسوی میں تھے۔ مسٹر بارنگ گولڈ نے اُن کا تخمینا اندازہ سنہ ۲۵۰ عیسوی قرار دیا ہے معہذا جو بادشاہ کہ زمانۂ سکندر سے دقیوس تک گذرے اُنکے زمانہ سلطنت میں بھی کسی قدر اختلاف ہے اور یہ بھی ایک سبب ہے کہ اصحاب کہف کے زمانہ میں کسی قدر اختلاف پیدا ہوتا ہے مگر عام طور پر خیال کرنے سے جو زمانہ قرار دیا گیا ہے قریباً صحیح معلوم ہوتا ہے ؛

بعض روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ اصحاب کہف حضرت عیسیٰ کے زمانہ سے بہت پیشتر تھے اور حضرت عیسیٰ نے اُن کی خبر دی تھی اور بعد حضرت عیسیٰ کے زمانۂ فترت میں یعنی جبکہ کوئی پیغمبر نہ تھا وہ زندہ ہوئے تھے یا اپنی نیند سے جو اخ الموت تھی اُٹھے تھے مگر اُس کی صحت کا انجیلوں یا حواریوں کے ناموں یا کسی معتبر یا مظنون طریقہ سے کوئی ثبوت نہیں پایا جاتا ؛

اصحاب کہف کا مذہب

کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ اصحاب کہف عیسائی اور حضرت عیسیٰ کی اُمت میں سے تھے تمام کتابوں اور مختلف روایتوں سے یہی امر ثابت ہوتا ہے اور خود اُن کا واقعہ کہ ایک ظالم اور بُت پرست بادشاہ کے خوف سے جو عیسائیوں کو قتل کرتا تھا جان اور ایمان بچا کر بھاگے تھے اُن کے عیسائی ہونے کا کافی ثبوت ہے ؛

البتہ جیسا اُن کا تقدس اور خدا پرستی تاریخوں اور تفسیروں میں لکھی ہے اور جس کی نسبت قرآن مجید سے بھی اشارہ پایا جاتا ہے اُسکی نسبت شبہ

ہوسکتا ہے کہ اگر وہ صلیب کو اور حضرت عیسیٰ کی تصویر کو پوجتے تھے اور کم سے کم یہ کہ تثلیث کے قائل تھے تو کیونکر اُن کو خدا پرست اور موحد مسلمان یا مومن خیال کیا جاسکتا ہے مگر ان میں سے کسی بات کا ثبوت نہیں ہے۔ اُس زمانہ کے عیسائیوں میں عقاید مذہبی بہت کم قرار پائے تھے اور مجھ کو عیسائی مذہب کی اکلزیاسٹیکل ہسٹری پر غور کرنے سے نہایت شبہ ہے کہ جو عقاید بعد عیسائی ہوجانے قسطنطین کے رومی اور یونانی چرچ میں قایم ہوگئے وہی عقاید عام طور پر اُس زمانہ کے تمام عیسائیوں کے تھے ؛

دقیوس ہی کے زمانہ کے قریب جس زمانہ میں اصحاب کہف کا ہونا تسلیم کیا گیا ہے ایک فرقہ تھا جس کا ابوالفرج[1] عیسائی مالطیا نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ وہ اقانیم ثلاثہ باپ اور بیٹے اور روح قدس کو نہیں تسلیم کرتا تھا بلکہ وجود اور کلمہ اور حیات کو اقانیم ثلاثہ جانتا تھا اور کہتا تھا کہ ان اقانیم سے کوئی زیادتی ذات باری پر نہیں ہوتی بلکہ یہ صفات اعتباری ہیں کوئی شے اُن کا مسمی موجود فی الخارج نہیں ہے اور کہتا تھا کہ ذات باری موجود ہے لابوجود اور حکیم ہے لابحکمۃ اور حی ہے لابحیوۃ انبیذ و قلیس کا بھی یہی مذہب تھا اس کے بعد مصنف مذکور لکھتا ہے کہ اسی مذہب کو ایک گروہ مسلمانوں نے جو صفات کے نفی کرنے والے ہیں (یعنی صفات باری سے کچھ زیادتی ذات باری پر نہیں سمجھتے) اختیار کیا ہے ؛

اسی[2] زمانہ کے قریب ایک فرقہ فولی الشمیساطی کا پیرو تھا جو کہتا تھا کہ تمام معلومات باری تعالیٰ کے ارادے ہیں اور اُس کا کوئی معلول ذاتی نہیں ہے اور اسی لیئے

[1] (مختصر الدول لابی الفرج)
[2] "

وہ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ہے اور اس لیئے مسیح نہ کلمۃ اللہ ہے اور نہ جس طرح کہ ظاہر مذہب عیسائی میں ہے وہ کنواری سے پیدا ہوا ہے ؛

پس جبکہ اُس زمانہ کے عقائد و مذہب کا یہ حال تھا تو ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ اصحاب کہف تثلیث کے قائل تھے بلکہ مسلمانوں کو جو قرآن مجید کو برحق سمجھتے ہیں اس بات کے یقین کرنے کے لیئے کہ اصحاب کہف عیسائی اور موحد خدا کو واحد اور حضرت عیسیٰؑ کو پیغمبر برحق مانتے تھے ثبوت کافی ہے ۔ فَهُمْ كَانُوا مُؤْمِنِينَ مسلمین موحدین قائلین بان لا الہ الا اللہ عیسیٰ رسول اللہ ۔

اصحاب کہف کا قصہ یعنی وہ واقعات جو اُن پر گذرے

مذکورہ بالا حالات سے ظاہر ہے کہ اصحاب کہف تاریخی اشخاص بیشک فرضی قرار دیئے ہوئے نہیں ہیں ۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جو سیدھے سادے واقعی حالات اُن پر گذرے تھے اُن میں بہت لغو اور بیہودہ اور خلاف قیاس باتیں اور عجائبات شامل کر لیئے گئے ہیں اور یہ ایک معمولی بات ہے کہ نیک اور بزرگ لوگوں پر جو ظلم اور سختی ظالموں کے ہاتھ سے گذر جاتی ہے بعد کو اُن کی نسبت بہت سی زاید اور عجیب باتیں بڑھا دی جاتی ہیں اسی طرح اصحاب کہف پر جو حالات اور واقعات گذرے اُن کو بطور تعجب انگیز کہانی کے بنا لیا ہے اور بے سروپا اور محض بیہودہ روایتیں مشہور ہو گئی ہیں ہمارا کام یہ ہے کہ اُن روایتوں میں سے جو قابل اطمینان ہیں اُن پر لحاظ کر کے صحیح قصہ اصحاب کہف کا اول بیان کریں اور پھر قرآن مجید کی آیتوں سے تطبیق دیکر دکھلاویں

کہ کس قدر قصہ اس میں کا قرآن مجید میں بیان ہوا ہے اور مفسرین کو جو
اُس قصہ کے بیان میں اور آیتوں کی تفسیر میں دھوکا ہوا ہے حتی المقدور
اُسکو ظاہر کریں ؛

ابو الفرج مسیحی نے اپنی تاریخ مختصر دول میں اور اسمٰعیل ابو الفدا نے
اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ غور ذیانوس رومی قیصر عیسائی ہو گیا تھا اور
عیسائیوں پر مہربانی کرتا تھا اُسپر وثیوس نے جس کو دقیانوس بھی کہتے
ہیں اور بت پرست اور عیسائیوں کا دشمن تھا چڑھائی کی اور ۵۳۹ء
سکندریہ میں اُس کو مار ڈالا اور خود بادشاہ ہوا اور عیسائیوں کو قتل کرنا
بت پرستی پر مجبور کرنا شروع کیا ؛

اُسی کے عہد میں اصحاب کہف عیسوی مذہب پر تھے اُنکے عیسائی ہونیکی
مختلف کہانیاں مشہور ہیں جنکی نسبت ہمکو بحث کرنا محض فضول معلوم ہوتا
ہے ۔ وہ کسی طرح عیسائی ہوئے ہوں اس امر کا مسلم ہونا کہ وہ عیسائی
تھے اِن کے اصلی واقعات کے بتانے کو کافی ہے ؛

تمام روایتیں اور تاریخیں اِس بات پر متفق ہیں کہ اُس ظالم بادشاہ نے
اُن لوگوں کو جو تعداد میں اُسوقت چھ تھے بلایا اور مذہب عیسوی چھوڑنے
اور بت پرستی کرنے کو کہا مگر اُن سب نے انکار کیا اُسپر بادشاہ نے اُنکو مہلت
دی اور اُس مہلت میں وہ شہر سے بھاگے اور ایک چرواہا مع کتے کے اُنکے

Marfat.com

ساتھ ہولیا اور وہ سب ایک پہاڑ کی کھوہ میں جو شہر افسوس سے کچھ فاصلہ پر تھے جاکر چھپ رہے ؛

یہاں تک روایتوں میں چنداں اختلاف نہیں ہے لیکن اس کے بعد کے واقعات میں اختلاف شروع ہوتا ہے یعنی پہاڑ کی کھوہ میں چھپنے کے بعد انھوں نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک شخص کو شہر بھیجا کہ چپکے سے کھانا خرید لاوے اکثر مورخین اور اہل تفاسیر نے لکھا ہے کہ وہ لوگ پہاڑ کی کھوہ میں جاکر سو رہے اور زمانہ دراز تین سو یا تین سو نو برس سونے کے بعد جب اٹھے تو انھوں نے ایک شخص کو کھانا خریدنے کو شہر میں بھیجا۔ بعض مورخین نے پہلی دفعہ اسی دن جب وہ کھوہ میں گئے ایک شخص کو کھانا خریدنے کو بھیجنا اور پھر دوسری دفعہ کئی سو برس سو کر اٹھنے کے بعد ایک شخص کا بھیجنا لکھا ہے جو بعض غلط ہے اور صرف بنایا ہوا قصہ ہے ان پر پہاڑ کی کھوہ میں سوتے ہوئے کے خیال سے یہ قصہ گڑھ لیا گیا ہے مگر اصلیت اس کی جیسے کہ محققانہ نظر سے پائی جاتی ہے صرف اس قدر ہے :-

کہ وہ لوگ رات کے وقت شہر سے بھاگے تھے جیسے کہ قزوینی نے لکھا ہے کہ "انھوں نے رات کو بھاگنے کا قصد کیا جب رات کا اندھیرا ہو گیا تو ہر ایک شخص اپنے گھر سے کچھ مال لیکر چل کھڑا ہوا"

صبح ہوتے وقت وہ لوگ پہاڑ کی کھوہ پر پہنچے جیسا کہ قزوینی نے بھی لکھا ہے پس وہ کھوہ میں گئے رات کے جاگے رستہ چلے تھکے ہوئے تھے کھوہ میں جہاں

Marfat.com

بالکل اس میرا قصہ سورہے۔ کچھ شبہ نہیں ہوسکتا کہ دو تین پہر سونے کے بعد
وہ اٹھے اور آپس میں پوچھنے لگے کہ ہم کتنی دیر سوئے کسی نے کہا
دن بھر کسی نے کہا کچھ کم کیونکہ کوے کے اڑنے میں دو دن کا اندازہ
ٹھیک ٹھیک نہیں کرسکتے تھے۔

جب وہ آپس کے تو اٹھوں میں سے اپنے ساتھیوں میں سے ایک شخص
کو کھانا لانے کو بھیجا۔ قزوینی نے صاف لکھا ہے کہ جس دن وہ کھوہ
میں گئے اسی دن انھوں نے کھانا لینے کو بھیجا۔ تفسیر عالم التنزیل
میں بھی محمد بن اسحاق کی روایت سے لکھا ہے کہ جب وہ کھوہ میں گئے
تو ہشام ان کے لئے شہر سے کھانا خرید لایا کرتا تھا اور چند روز تک
جس کی تعداد نہیں بیان کی مگر معلوم ہوتا ہے کہ دس بیس روز تک جتنی
دفعہ ان کے دشمن شہر میں آنے تک اسی طرح خرید کر لاتا رہا۔

جب وہ بادشاہ جو ان کو تلاش کرتا ہوا شہر سے باہر نکل گیا تھا شہر
میں آیا جیسا کہ قزوینی نے بالتصریح بیان کیا ہے تو اس کو معلوم ہوا
کہ وہ لوگ شہر سے بھاگ گئے ہیں اس لئے ان کی تلاش شروع کی اور
پہاڑ کی کھوہ میں ان کا پتہ لگا اور اس نے پہاڑ کی کھوہ کا موقوف بند کروا دیا
تاکہ اسی میں بھوکے پیاسے مر رہیں۔

تفسیر عالم التنزیل میں محمد بن اسحاق کی روایت میں بھی بالتصریح یہ
مذکور ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ پہاڑ کی کھوہ کا موقوف بند ہونے کے بعد وہ
وہیں بند ہو گئے اور وہیں مر کر رہ گئے اگرچہ بعض مورخوں اور مفسروں نے
لکھا ہے کہ کچھ دن پڑے سڑتے ہی رہے نہیں ہیں (معالم التنزیل)

لکھا ہے کہ خدا نے اُن کی روحوں کو وفات دی جس طرح سونے میں روحوں کو وفات دیتا ہے مگر اکثر بیان سے اور اُن روایتوں سے جو بیان ہوں گی صاف ثابت ہوگا کہ درحقیقت وہ مر گئے تھے ۔

اکثر مورخین اور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ اس واقعہ کو بہت زمانہ گزرنے کے بعد اس کھوہ کا منہ کھولا گیا اور اصحاب کہف کا اس کھوہ میں مرنا معلوم ہوا اور یہ شہر میں اس طرح پھیل گیا اور بادشاہ اور شہر کے تمام لوگ اُس کھوہ پر آئے اور اُن کو دیکھا کہ وہ مر گئے تھے ۔

ابوالفرج مسیحی کی تاریخ سے بموجب یہ زمانہ سلوقس نیکاطور کی سلطنت کا تھا اور اصحاب کہف کے ظہور کا جو تقریباً دو سو چالیس برس بعد وہ ظاہر ہوئے تھے ۔

ابوالفداء اسمٰعیل بھی اسی بادشاہ کے زمانہ میں اصحاب کہف کا متنبہ ہونا لکھتا ہے ۔ یہ بادشاہ ۴۳۸ھ سکندری میں بادشاہ ہوا تھا اور ۴۸۸ھ سکندری میں فوت ہوا ۔ اس سبب سے کہ بموجب ابوالفداء کے وفیوس جس کے زمانہ میں اصحاب کہف تھے ۴۸۰ھ سکندری میں تھے زمانہ ظاہر ہونے اصحاب کہف کا دو سو برس کے قریب و تقریباً دو سو پچاس برس جیسا کہ ابوالفرج نے بیان کیا ہے ۔

تاریخ شیعوں میں اس بادشاہ کا نام وسیوس لکھا ہے اور صاحب لکھتا ہے کہ اس کے زمانہ میں اصحاب کہف سو برس سے زائد طویل کے بعد ظاہر ہوئے ۔ اس میں مطابقت بالکل اشارہ نہیں ہے کہ وہ سوتے تھے اور اس کے زمانہ تک

Marfat.com

یا مرے ہوئے تھے اور زندہ ہوئے بلکہ صاف لکھا ہے کہ ظاہر ہوئے یعنی اُس کھوہ میں اُن کا ہونا معلوم ہوا ؛

علاوہ اِس کے جتنی روایتیں ہیں سب سے یہی امر ماخوذ ہوتا ہے کہ درحقیقت اصحاب کہف جب معلوم ہوئے تو وہ مرے ہوئے تھے اور مرے ہوئے رہے ؛

بعض[1] تفسیر کی کتابوں میں جیسے تفسیر کبیر و مدارک و بیضاوی ہیں یہ تو لکھا ہے کہ جب بادشاہ اور لوگ اُن کو دیکھنے اور اُن سے ملنے کو گئے تو وہ زندہ ملے بادشاہ کو دعا بھی دی پھر فی الفور مر گئے ؛

اِس بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کا زندہ ملنا اور بادشاہ کو دعا دینا سب ایک کہانی ہے ورنہ درحقیقت وہ مرے ہوئے تھے

اور طبری اور کامل ابن اثیر اگرچہ اس بات کے قائل ہیں کہ وہ زندہ ہوئے مگر جو روایتیں بیان کی ہیں اُن سے صاف پایا جاتا ہے کہ کسی شخص نے جو اُن کے دیکھنے کو گئے تھے اُن کو زندہ نہیں دیکھا ؛

طبری[2] کی ایک روایت میں ہے کہ وہ زندہ ہو گئے تھے مگر جب لوگ اُن کے دیکھنے کو کہف کے قریب پہنچے تو خدا نے اُن کو پھر مُردہ کر دیا یا پھر سُلا دیا اور لوگ اندر جانے سے ڈر گئے اور اندر نہ جا سکے ؛

دوسری[3] روایت میں طبری نے لکھا ہے کہ بادشاہ اور لوگ کھوہ میں گئے تو دیکھا کہ صرف اُن کے جسم میں جو کسی طرح بگڑے نہ تھے مگر اُن میں ارواح نہ تھی ؛

کامل[4] ابن اثیر میں ایک اور بات زیادہ لکھی ہے کہ وہ زندہ تو ہو گئے تھے مگر اُنھوں نے

[1] تفسیر کبیر (الکھف) [2] طبری (الکھف) [3] طبری (الکھف) [4] کامل ابن اثیر (الکھف)

Marfat.com

[illegible]

سنہ ۱۸۱۲ء کی یا اس سے کچھ پیشتر کی ہے۔ دہلی میں اسی قسم کا ایک واقعہ گزرا تھا۔ وہاں حضرت نظام الدین کی درگاہ ہے وہاں بہت بڑا قبرستان ہے۔ ایک اونچی جگہ پر ایک چبوترہ تھا اور اس کے اوپر تین قبروں کے نشان تھے۔ اتفاق سے اس چبوترہ کی ایک طرف کی دیوار میں سے کچھ پتھر گر پڑے اور چھید ہو گیا کہ اندر سے قبر دکھائی دینے لگی لوگوں نے اس چھید میں سے جھانکا تو ان کو معلوم ہوا کہ قبر بہت بڑی مثل ایک مربع کوٹھڑی کے ہے اور تین لاشیں بالکل سفید کفن پہنے ہوئے مجسم بلا کسی نقصان کے اس میں رکھی ہوئی ہیں۔ اس کا چرچا ہوا اور بہت آدمی ان کے دیکھنے کو گئے اور سب نے یہی بات بیان کی۔ میرے مخدوم دوست مولوی امام بخش صاحب صہبائی مرحوم کو اس قصہ کی باتوں سے نہایت شوق تھا۔ جو دو لاشوں کے

Marfat.com

دیکھنے کو گئے اول اُنھوں نے جھانک کر دیکھا تو اُن کو بھی ایسا
مجسّم اور مسلّم لاشیں معلوم ہوئیں۔ اُن کا تعجب ہوا۔ اُنھوں نے
دیوار کے دو ایک پتھر اور نکال ڈالے اور اندر گئے۔ پھر
تعجب پر تعجب تو یہ دیکھا کہ ہر ایک مرد کا کفن
ہڈیوں اور راکھ کے سوا اور کچھ نہیں
دیکھا جاتا تھا تو وہ تمام نقش جو اُن میں قائم تھے بالکل مجسّم اور مسلّم لاشیں معلوم
ہوتی تھیں۔ تم خیال کرو کہ اگر ہم ایک تصویر کو ایک صندوق میں رکھدیں
اور ایسی حکمت کریں کہ کسی قدر شعاع آفتاب کی اُس میں پہونچے اور
اُس کے پہلو میں ایک چھید کر کے اُسکو دیکھیں تو وہ تصویر بالکل مجسّم
معلوم ہوگی۔ پس اس طرح سے اِس قسم کی پُرانی لاشیں جو کسی پہاڑ کے
بل میں سے دیکھی جاتی ہیں تو وہ مسلّم معلوم ہوتی ہیں۔ اسی طرح اصحاب کہف کی
لاشوں کے دیکھنے والوں کو وہ لاشیں مجسّم معلوم ہوئی ہونگی۔ کیونکہ متھس کے
مصنّف نے لکھا ہے کہ اصحاب کہف کی ہڈیاں ایک بڑے پتھر کے بکس میں بند

Marfat.com

کر سکتے ہیں سیاس کو بھی گنیں جو اسی طرح کے مائنے ویکٹر سے گرجا
میں دکھائی جاتی ہیں۔ اسکی تصدیق تاریخ طبری سے بھی ہوتی
ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ قتادہ نے روایت کی ہے کہ جب
بادشاہ اصحاب کہف کا مقبرہ کھلوانے کے ساتھ ہمارے گئے تو وہ کہف پر گذرے
اور کچھ دیر وہاں ٹھہرے۔ ایک شخص نے کہا کہ یہ اصحاب کہف
ہیں۔ ابن عباس نے کہا کہ ان کی ہڈیاں تو تین سو برس سے
ہو چکیں کہ یہاں نہیں رہیں۔

بہرحال جب اصحاب کہف کا بادشاہ نے اس کھوہ کا منہ بند کروا دیا تو یہ
لوگ اس میں بند ہو گئے اور مر گئے ایک زمانہ دراز کے بعد خواہ وہ
زمانہ دو سو برس کا ہو یا دو ہزار سو برس کا یا تین سو برس یا تین سو نو برس
کسی شخص نے اس کھوہ کے منہ کو کھولا جیسا کہ اکثر روایتوں میں
بیان ہوا ہے۔ اس میں بھی کچھ شک نہیں ہو سکتا کہ ان لوگوں کے
جب وہ کھوہ میں گئے تھے اس زمانہ کے سکہ کے روپے موجود تھے
جس شخص نے اس کا منہ کھولا تھا اس نے وہ روپے پائے ہونگے
اور جب بازار میں لیگیا لوگوں نے چرچا کیا ہوگا کہ اس نے خزانہ پایا ہے
حاکم تک اسکو پکڑ کر لیگئے ہوں گے اور اس نے تمام قصہ پہاڑ کی کھوہ
میں لاشوں کے ہونے کا اور وہاں سے روپیہ ملنے کا بیان کیا ہوگا
پھر وہاں کے حاکم اور شہر کے لوگ ان کے دیکھنے کو آئے اور جانا
کہ ان لوگوں کی لاشیں ہیں جو دقیوس قیصر کے ظلم سے بھاگے تھے۔

راویوں اور لوگوں نے اس اصلی واقعہ کو اس طرح پر بنا لیا کہ اصحاب کہف
سو برس بعد سونے سے اٹھے یا مردہ سے زندہ ہو گئے اور انہیں میں کا ایک شخص

Marfat.com

روپیہ لیکر بازار میں آیا اور چریا ہوا اور مسلمانوں میں پھر کسی نے کہا وہ زندہ ہے آیا ہے اور کہا کہ مسلم بغیر کسی نقصان کے الا شیر نہیں کھاتا اور ایسے واقعات میں اس قسم کی افواہیں اڑا کرتی ہیں اور رفتہ رفتہ روایتیں بن جاتی ہیں اور کتابوں میں لکھی جاتی ہیں اور مذہبی لگاؤ سے لوگ اس کو مقدس سمجھتے ہیں اور معجزہ اور کرامات قرار دیتے ہیں ۔

قرآن مجید میں جس قدر اس قصہ کا بیان آیا ہے وہ بالکل سیدھا اور صاف ہے بلکہ خدا نے اس قصہ کو اسی مقصد سے بیان کیا ہے کہ جو غلط باتیں اور عجائبات اس قصہ کے ساتھ شہرت پا گئی ہیں اُن کی غلطی ظاہر ہو یا اُن کی تکذیب کیجاوے اور بتایا جاوے کہ اصل واقعہ کیا ہے ۔

مگر افسوس ہے کہ مفسرین نے جن کے کان انہی پرانی افواہی روایتوں سے بھرے ہوئے تھے اور عیسائی بھی اور ان کے سوا عرب اور ایشیا کے لوگ بھی اس قصہ کو عجائبات یا کرامت اور معجزات کے طور پر بیان کرتے تھے قرآن مجید کی آیتوں کی بھی وہی تفسیر کی جس سے خود خدا انکار کرتا تھا۔ فمثلهم كمثل الذى فسر القول بما لا يرضى قائله ۔

تمام مفسرین کی سوائے معتزلہ کے یہ عادت ہے کہ اپنی تفسیروں میں محض بے سند اور افواہی روایتوں کو بلا تحقیق لکھتے چلے جاتے ہیں اور ذرا بھی تحقیق کی طرف متوجہ نہیں ہوتے ۔ علاوہ اس کے انھوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ جہاں تک ہو سکے

Marfat.com

Marfat.com

تفسیر الآیات من القرآن العظیم

فی قصة

اصحاب الکہف الرقیم

سب سے اول اس امر کا تصفیہ کرنا چاہیئے کہ اصحاب کہف و رقیم کا ایک ہی گروہ پر اطلاق ہوا ہے یا دو مختلف گروہوں پر یعنی جن لوگوں پر اصحاب کہف کا اطلاق ہوا ہے اُنھیں پر رقیم یعنی اصحاب رقیم کا اطلاق ہوا ہے یا اصحاب کہف ایک جداگروہ تھا اور اصحاب رقیم جداگروہ۔ جو کچھ بحث ہوسکتی ہے وہ رقیم کے لفظ پر ہوسکتی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے جیسا کہ تفسیر بیضاوی اور اور کتابوں میں بھی لکھا ہے کہ اصحاب الرقیم ایک جداگروہ تھے اور وہ تین شخص تھے کہیں جاتے تھے راستہ میں مینہہ آیا ایک پہاڑ کے غار میں جا بیٹھے اوپر سے پہاڑ گرا اور غار کا مونھ بند ہوگیا۔ ان لوگوں نے خدا کے سامنے عاجزی کی اور اس مصیبت سے نکلنے کی دعا مانگی کچھ عرصہ کے بعد جو پتھر پہاڑ کا اوپر سے پھسل گرا تھا اور جس نے غار کا مونھ بند کردیا تھا اور وہ نیچے کو پھسل گیا اور غار کا مونھ کھل گیا۔

Marfat.com

یہ قصہ امام محمد اسمٰعیل بخاری نے بھی اپنی کتاب صحیح بخاری میں بیان کیا ہے۔ مگر کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ اس مقام پر لفظ رقیم سے اُن لوگوں کے قصہ کی طرف اشارہ نہیں ہے ؛

اوّل تو اِس لیئے کہ اُس گروہ پر اصحاب الرقیم کا اطلاق نہیں ہوا۔ دوسرے یہ کہ خدا تعالیٰ نے اس مقام پر دو گروہ کے قصّے نہیں بیان کیئے بلکہ صرف ایک گروہ کا قصّہ بیان کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اصحاب کہف و رقیم ایک ہی گروہ کا لقب تھا ؛

ظاہرا معلوم ہوتا ہے کہ جہاں خدا نے اصحاب کہف کی تعداد میں لوگوں کا اختلاف بیان کیا ہے کہ کوئی تو کہتا ہے کہ وہ تین شخص تھے کوئی کہتا ہے کہ پانچ تھے کوئی کہتا ہے سات تھے پس بعض لوگوں نے تین کی تعداد پر خیال کر کے رقیم کے لفظ سے اُس گروہ کا اشارہ سمجھا جن کی تعداد تین تھی اور وہ بھی پہاڑ کے غار میں اوپر سے پتھر گرنے کے سبب بند ہو گئے تھے۔ مگر جیسا کہ ہم نے بیان کیا نہ کوئی وجہ پائی جاتی ہے اور نہ اس بات کا کوئی ثبوت ہے۔ کہ اِن لوگوں پر اصحاب الرقیم کا اطلاق ہوا ہو البتہ قسطلانی شرح صحیح بخاری میں شہاب الدین احمد بن محمد الخطیب نے اصحاب الغار کا اُن پر اطلاق کیا ہے مگر اصحاب الرقیم کا کسی نے اطلاق نہیں کیا ؛

بیضاوی اور نیز اور مورخوں اور مفسروں نے رقیم کے معنوں میں اختلاف کیا ہے بعضوں نے کہا کہ جس پہاڑ میں اصحاب کہف

Marfat.com

Marfat.com

تمام مفسرین قصۂ اصحاب کہف کی شان نزول میں لکھتے ہیں
کہ نضر بن الحارث اور عتبہ بن ابی معیط مدینہ کے یہودیوں کے
احبار یعنی علماء کے پاس گئے اور آں حضرت صلعم کے حالات
اُن سے کہے اُن لوگوں نے کہا کہ تم اُن سے تین سوال کرو اگر وہ
جواب دیں تو نبی ہیں اور نہیں تو نہیں ؛
ایک یہ کہ چند جوان جو اگلے زمانہ میں گذرے اُن کا کیا حال ہے۔
ایک یہ کہ اُس شخص کی جو بڑا پھرنے والا تھا اور زمین کے مشرق
اور مغرب تک پہونچا تھا اُس کے حالات کیا ہیں ؛
ایک یہ کہ روح کیا ہے ؛
پہلے سوال کے جواب میں اصحاب کہف کا قصہ نازل ہوا۔
مگر ہمارے نزدیک نہ اس تمہید کی جو سوالات کرنے کے باب میں
بیان ہوئی کوئی سند ہے اور نہ اس بات کی طرف کہ اصحاب کہف
کے قصہ کی نسبت کسی نے سوال کیا تھا کوئی اشارہ ہے ذوالقرنین
کا حال اور روح کی ماہیت بلاشبہ لوگوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
سے پوچھی تھی اور قرآن مجید میں اُس کی طرف اشارہ ہے جہاں
فرمایا ہے۔ یسئلونک عن ذی القرنین۔ یسئلونک
عن الروح ؛
مگر اصحاب کہف کے قصہ میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے
پایا جاوے کہ وہ قصہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کسی نے
پوچھا تھا۔ معہذا نبی ہونے کی شناخت ان سوالوں کے جواب پر منحصر
کرنا کیسی ایک لغو اور بیہودہ بات ہے ؛

Marfat.com

اس روایت میں ایک صریح غلطی یہ ہے کہ اصحاب کہف کا قصّہ یہودیوں کا یا یہودی مذہب کا قصہ نہیں ہے بلکہ عیسائی مذہب کے لوگوں کا قصہ ہے پس اُس کی نسبت علماء یہود سے پوچھنا یا علماء یہود کا اُس کی نسبت سوال بتانا اور اُس کے جواب پر اُن حضرت کا نبی ہونا منحصر کرنا کیسا غلط ہے ؛

علاوہ اس کے یہ قصہ کچھ بہت پُرانا قصہ نہیں آنحضرت صلعم کے زمانہ سے تھوڑے زمانہ پہلے کا ہے جیسے کہ آیندہ معلوم ہوگا۔ معہذا یہ قصہ عرب جاہلیت کو بھی معلوم تھا جیسے کہ اُمیہ بن ابی الصلت جاہلی کے شعر سے پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے :-

ولیس بما لا الرقیم مجاورا ؛ وصیدھم والقوم فی الکھف ھمّدُ

پس ایسے قصّہ کو پوچھنا اور اُس پر نبی ہونے کو منحصر کرنا کسی طرح سمجھنے کے قابل نہیں ہے -

علاوہ اِسکے خود قرآن مجید سے پایا جاتا ہے کہ قبل اس کے کہ خدا تعالےٰ اس قصّہ کی حقیقت بتلادے آں حضرت صلعم اِس قصہ کو مع اُن عجائبات کے جو لوگوں نے اُسمیں شامل کر دیئے تھے سُن چکے تھے اور متعجب ہوئے تھے خدا نے کہا اے محمدؐ کیا تو نے سمجھا ہے کہ اصحاب کہف و رقیم میری عجیب نشانیوں میں تھے۔ اور جبتک کہ آنحضرتؐ نے وہ قصّہ معہ اُن عجائبات کے جو لوگوں نے اُس میں شامل کر لیئے تھے نہ سُن لیا تو خدا کا یہ فرمانا کہ کیا تو نے اُس کو عجیب سمجھا ہے صحیح نہیں ہوسکتا بے جانی ہوئی چیز پر نہیں کہا جاسکتا کہ کیا تو نے اُسکو عجیب جانا ہے ؛

یہ کہانی کہ قریش نے احبار یہود کے کہنے سے آنحضرت صلعم سے تین سوال

Marfat.com

کہے تھے اور آپ نے فرمایا کہ میں کل اس کا جواب دوں گا مگر انشاء اللہ تعالےٰ نہ کہا اور پندرہ روز تک نہ جبریل آئے نہ وحی لائے اور قریش ایسی ویسی باتیں بنانے لگے اور آنحضرت صلعم ملول و متفکر ہوئے محض غلط اور ساختہ کہانی ہے اور حدیث کی کسی معتبر کتاب میں یہ روایت نہیں ہے ۔

لوگوں کی عادت ہے کہ جہاں قرآن مجید کی کسی آیت میں اس قسم کا کوئی لفظ دیکھا جس پر کوئی قصہ مبنی ہو سکتا ہے اُسکی مناسبت سے ایک قصہ روایت کرنے لگے اور ہمارے مفسرین نے اُن روایتوں کو اپنی تفسیروں میں نقل کرنا شروع کیا۔ اسی سورہ میں یہ آیت ہے کہ "اور کبھی نہ کہنا کسی چیز کے لئے کہ میں اُس کو کل کروں گا بغیر انشاء اللہ کہے اور یاد کر اپنے پروردگار کو جب تو بھول جاوے" ۔

اس آیت سے لوگوں نے یہ قصہ بنایا کہ قریش نے یہ قصہ پوچھا تھا اور آپ نے وعدہ کیا تھا کہ میں کل جواب دوں گا مگر انشاء اللہ نہیں کہا تھا اُس پر خدا روٹھ گیا اور دو ہفتہ تک وحی نہیں بھیجی نعوذ باللہ من ھذہ الشطیحات ۔

اوّل تو غدًا کے معنی کل کے یعنی دوسرے دن کے قرار دینا صحیح نہیں ہے غد اور غدا کا استعمال زمانہ مستقبل غیر معین و غیر محدود پر ہوتا ہے خدا نے سورۂ لقمان میں فرمایا ہے کہ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا یہاں غدا کے لفظ ہے جس کا ترجمہ کل اور (فردا) ہے دوسرا دن مراد نہیں ہے بلکہ اُس سے زمانہ مستقبل یعنی آنے والا زمانہ مراد ہے مطلب یہ ہے کہ کوئی نہیں جانتا کہ آئندہ وہ کیا کرے گا ۔

Marfat.com

زمانہ جاہلیت میں بھی غد کے لفظ کا اس معنی میں استعمال ہوتا تھا جیسے کہ زیاد ابن معاویہ المعروف بالنابغہ الذبیانی جاہلی شاعر نے کہا ہے :-

لا مرحبًا بغدٍ ولا اهلا به ٭ ان كان تفريق الاحبة في غد

پس اس آیت میں جو لفظ غداً کا ہے اُس کے معنی دوسرے دن کے نہیں ہیں خدا نے فرمایا کہ جب تم آیندہ زمانہ میں کسی کام کے کرنے کو کہو تو اُس کے ساتھ انشاء اللہ کہہ لیا کرو۔ لوگوں نے اس خیال سے کہ یہ آیت سورۂ کہف کی آیتوں میں شامل ہے اور غدا کا لفظ اُس میں آیا ہے اور لوگوں کا ذی القرنین کی نسبت اور روح کی نسبت بھی سوال کرنا قرآن میں مذکور ہے ایک روایت جسکی کوئی سند نہیں ہے بنا کھڑی کی اور ہمارے مفسروں نے اپنی تفسیروں میں نقل کرنا شروع کر دیا ؛

خدا تعالیٰ نے اس مقام پر اصحاب کہف کے قصہ کو آخیر تک بیان نہیں کیا بلکہ صرف اُسیقدر بیان کیا ہے جہاں تک اُس بات سے علاقہ رکھتا ہے جس سے اس قصہ کا عجیب و غریب اور مافوق الطبیعت ہونا لوگوں نے بیان کیا ہے باقی قصہ کو چھوڑ دیا ہے کیونکہ اُس کے بیان کی ضرورت نہ تھی اس لیئے جس مقام پر اُس قصہ کو چھوڑا اپنے پیغمبر کو نصیحت کی ہے کہ جو کام آیندہ کو کرنا ہو بغیر انشاء اللہ کہے مت کہو کہ میں کروں گا اور اگر انشاء اللہ کہنا بھول جاوے تو اُسکو یاد کر لے یعنی یاد آنے پر کہہ لے۔ یہ جملہ اس مقام پر اس لیئے فرمایا کہ خدا نے قصہ کو ناتمام چھوڑ کر اپنے پیغمبر سے فرمایا کہ یہ کہدے کہ امید ہے کہ ہدایت کرے مجھ کو میرا پروردگار اس سے بھی قریب زیادہ ٹھیک بات کی یعنی جو قصہ باقی

Marfat.com

...دگیا ہے اُس کو بھی تحقیق طلب پر مبنا دینے کی اور اسی کے بعد
فرمایا کہ خدا کرے معلوم ہو کہ وہ کونسا ہے کتنی مدت رہے۔ غرضکہ جو
شان نزول مفسرین نے بتائی ہے وہ صحیح نہیں ہے تفسیر کبیر میں
لکھا ہے کہ قاضی عبدالجبار معتزلی نے بھی اس شان نزول پر اعتراض
کیا ہے کہ یہ شان نزول صحیح نہیں۔ وہو الحق۔ اب اس قصہ کی شان
نزول جو خود قرآن مجید سے بدلالۃ النص پائی جاتی ہے ہم بیان کرتے
ہیں کہ آنحضرت صلعم نے کافروں سے یہ شنیدہ جس طرح اُن میں
مشہور تھا سُنا اور اسپر نہایت متعجب ہوئے تھے۔ خدا تعالیٰ نے
اس تعجب کرنے کو فرمایا کہ تم نے کیا تعجب کیا تو نے سمجھا ہے کہ تمام
علم اور تمام حکمتیں جو تجھ کو اختیار کرنی ہیں اختیار کر لیں۔ مگر ابھی
بہت سے نکتے ہیں کہ اس کا عجیب ہونا نہیں رکھتے ہیں
کہتے ہیں کہ اس لیے عجیب نہیں ہے کہ خدا کی تمام شانیں
ہیں یا یہ کہ خدا کی مخلوقات مثلاً آسمان اور زمین وغیرہ اس سے
بھی اعجب یعنی عجیب تر ہیں ؛

مگر ان دونوں دلیلوں میں غلطی ہے بیشک خدا کی تمام مخلوقات
اور اُس کے تمام کام فی نفسہ عجیب ہیں مگر جو روز مرہ دیکھنے و برتنے
میں آتے ہیں اُن کا عجیب ہونا نہیں سمجھا جاتا یا کم اسی کا عجیب ہونا
سمجھا جاتا ہے جو معمولی باتوں سے بڑھکر ہو پس یہ کہنا کہ قصہ اصحاب
کہف عجیب تو ہے مگر جو کام و فعل کہ عجیب ہے بتایا ہے اس سے
کیا تعجب عجیب تر ہیں جو بالکل غلط اور خلاف مقصود آیت کا ہے

Marfat.com

آیت میں اُس کے عجیب ہونے کی نفی سے یہ مراد ہے کہ وہ ایک معمولی واقعہ ہے جو انسانوں پر گذرا ہے اُس میں تعجب کرنے کی کوئی بات نہیں ؛

دوسرا استدلال کہ اور کام خدا کے اُس سے بھی زیادہ تر عجیب ہیں اس لیئے گو کہ وہ قصہ عجیب ہے مگر اُس کو عجیب نہ سمجھو اور بھی زیادہ مہمل اور بے معنی ہے آیت میں اُس کے عجیب ہونے کی نفی کیگئی ہے اُس میں لفظ عجبا ہے اگر اعجبا کا لفظ ہوتا تو ممکن تھا کہ وہ نفی زیادہ تر عجیب ہونے سے متعلق ہوتی اور قصہ کا فی نفسہ عجیب ہونا باقی رہتا مگر جبکہ عجیب ہونے کی ہی نفی ہے تو بجز اس کے کہ وہ ایک عام واقعہ ہو جو دنیا میں ہوتے ہیں اور کوئی صفت تعجب اُس میں باقی نہیں رہتی - بلاشبہ خدا تعالیٰ کی تمام نشانیاں اور اُس کی تمام مخلوقات آسمان و زمین انسان و حیوان چیونٹیاں اور پھنگے سب عجیب ہیں لیکن باعتبار نفس خلقت کے فی نفسہ عجیب ہونا دوسری چیز ہے جو امور کہ موافق عادت کے ہوتے ہیں گو وہ فی نفسہ عجیب ہوں مگر عادت کے موافق ہونے پر اُن سے کوئی تعجب نہیں ہوتا - تعجب جب ہی ہوتا ہے جب کوئی چیز خلاف عادت وقوع میں آوے - پس یہ آیت جو تعجب کی نفی پر دلالت کرتی ہے وہ اُسی تعجب کی نفی کرتی ہے جو کسی امر کے خلاف عادت ظہور میں آنے سے ہوتا ہے حاصل یہ ہے کہ اصحاب کہف میں کوئی بات تعجب کرنے کے لایق نہیں ہے اُن پر کوئی واقعہ خلاف عادت جس سے تعجب ہو جیسا کہ لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے نہیں گذرا وہ مثل اور انسانوں کے انسان تھے

اور جیسے واقعات انسانوں پہ گزرتے ہیں ویسے ہی اُن پر بھی گزرے تھے کوئی امر خلاف عادت جو تعجب انگیز ہو نہیں ہوا ؛

اب یہ امر قابل غور ہے کہ قرآن مجید میں اس قصہ کو دو ٹکڑے کرکے بیان کیا ہے پہلی دفعہ بہت ہی مختصر طور پر اُس کو کہدیا ہے اور صرف وہی خاص مقام بیان کیا ہے جس کے سبب وہ قصہ عجیب ہو جاتا ہے اور پہلی آیت میں اُس کے عجیب ہونے کی نفی کی تھی اور اُس کے ساتھ کوئی ایسا لفظ بھی نہیں ہے جو اُس قصّہ کے واقعی ہونے پر اشارہ کرتا ہو ؛

برخلاف اس کے جہاں پر قصہ شروع کیا ہے اُسکی ابتدا میں فرمایا ہے کہ ہم بیان کرتے ہیں تجھپر اُن کا ٹھیک واقعی قصہ۔ پس پہلے بیان کی نسبت جو خدا تعالیٰ نے اُس کا بیان کرنا اپنی طرف نسبت نہیں کیا اور دوسرے بیان کو حق بتایا اور اپنی طرف نسبت کیا اسکے لیئے کوئی وجہ ہونی چاہیئے ؛

تفسیر کبیر[۲] میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے اُنکے قصّے کا ایک ٹکڑا بیان کیا پھر کہا کہ ہم بیان کرتے ہیں تجھپر اُن کا ٹھیک یعنی سچا قصہ مگر صاحب تفسیر کبیر نے بھی کوئی وجہ نہیں بیان کی کہ ان دونوں بیانوں میں کیوں اسطرح تفریق کی ہے مگر یہ لفظ صاف اِس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ پہلے جس قدر بیان ہوا وہ قصّہ وہ نہیں ہے جس کے بتانے کا خدا نے ارادہ کیا تھا بلکہ پہلے وہ بیان کیا ہے جو لوگوں میں مشہور تھا اور جس سے وہ قصّہ عجیب ہو گیا تھا اور پھر واقعی قصّہ بیان کیا ہے جس میں وہ تعجب انگیز نہیں ہے اور دونوں کے مقابلہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے

کہ جس امر کو لوگوں نے باعث تعجب اس قصہ میں قرار دے رکھا تھا وہ
واقعی نہیں ہے ۔

لوگوں نے جس طرح اس قصہ کو تعجب انگیز بنا لیا تھا خدا نے اس کا
اس طرح بیان کیا ہے کہ "جب وہ چند جوان کہف میں آ گئے تو
انہوں نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار ہمکو اپنے پاس سے رحمت دے
اور طیار کر دے ہمارے لیئے ہمارے کاموں میں بھلائی پھر ہم نے
مارا ان کے کانوں پر کہف میں گنے ہوئے برسوں تک پھر ہم نے
ان کو اٹھایا تاکہ ہر جان لیں کہ ان دو گروہوں میں سے کونسا گروہ خوب
یاد رکھنے والا ہے ان کے رہنے کی مدت کو ۔

لوگوں نے جو اس قصہ میں تعجب انگیز بات بنا لی تھی وہ یہ تھی کہ جب
وہ کہف میں گئے تو بعض علماء یہود (جیسے کہ وہ سورہ ہے اجنس
میں ہے کہ ان پر غشی چھا گئی ۔ محمد بن اسحاق کا قول تفسیر معالم التنزیل
میں نقل کیا ہے کہ خدا نے ان کی روحوں کو وفات دی جیسے سونے
میں روحوں کو وفات دیتا ہے جس سے بعض روایتوں میں ہے کہ وہ گئے
پس خدا کو ایسا منظور تھا جو لوگ ۔ کہ ان سب خیالات پر حاوی
ہو اس لیئے فرمایا فضربنا علی اذانھم "یعنی ان کے کانوں کو ایسا
کر دیا جس سے وہ نہ سنیں اور کانوں کی ایسی حالت ہو جاتی ہے
غش آ جانے سے یا سونے سے ۔ جو حالت میں ہو جاتی ہے پس ان
لوگوں کے کانوں کو اس طرح سے بند کر دیا ۔ جس سے کوئی لفظ نہ سنا جائے
پھر فرمایا "ثم بعثناھم لنعلم ای الحزبین احصی لما لبثوا امدا"
تب ہم نے ان کو اٹھایا تاکہ ہم جان لیں کہ ان دو گروہوں میں سے کونسا گروہ
ٹھیک ہے ان کے رہنے کی مدت کو ۔

Marfat.com

ان اختلافات مدت کے لیئے کوئی لفظ ان دونوں سے زیادہ جامع نہیں ہو سکتا تھا ۔

پھر لفظ بعثنا بھی ایسا ہی جامع ہے کہ جو لوگ اُن کو سوتا ہوا سمجھتے تھے تو سونے سے اٹھنے پر بھی بعث کے لفظ کا اطلاق ہو سکتا تھا غش سے افاقہ ہونے پر بھی اطلاق ہو سکتا تھا اور مُردہ ہو کر زندہ ہونے پر بھی اس کا اطلاق ہو سکتا تھا اور یہ لفظ لوگوں کے تمام خیالات کے جامع تھے ۔

ضربنا علی الاذان اور بعثت کو خدا نے اس مقام پر اپنی طرف منسوب کیا ہے اور کہا ہے فضربنا علی اذانھم ۔ ثم بعثناھم اس کا سبب یہ ہے کہ وہ لوگ جن جنوں سے اس قصہ کو عجیب بنایا تھا اور وہی روایتیں چلی آتی تھیں وہ بھی اُن کا سُلانا یا غش میں ڈالنا یا مُردہ کر دینا اور پھر اُٹھانا یا جلانا خدا ہی کی طرف منسوب کرتے تھے اس لیئے اس مقام پر بھی خدا نے اسکو اپنی طرف منسوب شدہ بتایا ہو

پس جو عجیب چیز اس قصہ میں بنائی گئی تھی وہ اصحاب کہف کا اس قدر مدت دراز تک سوتے رہنا یا غش میں پڑے رہنا یا مرے ہوئے ہو کر پھر زندہ ہونا تھا ۔ جبکہ خدا تعالیٰ نے پہلی آیت میں اس قصہ کے عجیب ہونے کی نفی کی تھی تو اس سے اُن کے اس قدر مدت تک سوتے رہنے یا غش میں پڑے رہنے یا مردہ ہو کر زندہ ہونے کی نفی لازم آتی ہے +

اس کی تائید خود قرآن مجید کی اگلی آیتوں سے ہوتی ہے جہاں سے خدا تعالیٰ نے خود اُن کا واقعی اور سچا قصہ بیان کرنا شروع کیا ہے اور جس میں اُن کے

Marfat.com

اِس قدر زمانہ دراز تک سوتے رہنے یا غش میں پڑے رہنے یا مُردہ رہنے کا مطلق ذکر نہیں ہے۔ نتیجہ اِس بحث کا یہ ہے کہ یہ جو لوگوں میں مشہور تھا کہ اصحاب کہف اس قدر مدت دراز تک سو کر یا غش میں پڑے رہکر یا مُردہ رہکر زندہ ہوئے صحیح نہیں تھا ؛

اب خدا تعالیٰ صحیح قصہ اصحاب کہف کا بتاتا ہے اور فرماتا ہے کہ "ہم بیان کرتے ہیں تجھ پر اُن کا سچا قصہ ہاں وہ چند جوان تھے جنہوں نے اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے اور ہم نے اُن کو زیادہ ہدایت کی تھی اور مضبوط کر دیا تھا اُن کے دلوں کو جبکہ وہ کھڑے ہوئے (یعنی جا بجا اور بُت پرست بادشاہ کے سامنے جو بت پرستی پر اُن کو مجبور کرتا تھا) اُنھوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے ہم اُس کے سوا کسی اور کو خدا نہیں پکارتے اور جب ہم نے ایسا کہا (یعنی کسی دوسرے کو خدا کہا) تو ہم نے بیہودہ بات کہی۔ اِس کے بعد اُنہوں نے آپس میں کہا کہ "ہماری اِس قوم نے اللہ کے سوا خدا ٹھہرائے ہیں کیوں نہیں لاتے اُن کے خدا ہونے پر صاف دلیل پھر کون شخص زیادہ ظالم ہے اُس سے جس نے بہتان باندھا خدا پر جھوٹ اور جب تم اُن سے الگ ہو جاؤ اور اُس سے جس کی وہ عبادت کرتے ہیں اللہ کے سوا تو چل رہو کہف میں تاکہ وسیع کر دیوے تمہارے لیئے تمہارا پروردگار اپنی رحمت کو اور طیار کرے تمہارے لیئے تمہارے کاموں میں آرام کا ذریعہ"؛

اب خدا تعالیٰ اُس کہف کا حال بتاتا ہے جس میں اصحاب کہف جا کر رہے تھے کہ "تو دیکھے آفتاب کو جب وہ طلوع کرے تو وہ اُن کے کہف سے

Marfat.com

دائیں جانب کو مائل ہوگا اور جب غروب کرے تو ان کو کاٹتا ہوا بائیں طرف کو جاویگا اور وہ کھف کی کشادگی میں ہیں ؛

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے کھف کا موقعہ جانب شمال تھا اور لوگوں نے بھی اس کے موقعہ کو جانب بنات النعش کہا ہے جو آسمان پر جانب شمال چند کواکب ہیں ہیں اب تم اپنا موقعہ جانب شمال کرو تو مشرق تمہارے دائیں ہاتھ کو ہوگی اور مغرب بائیں ہاتھ کو اور سورج جو مشرق سے نکلے گا تمہارے پر ہوتا ہوا یعنی تمکو یا تمہارے مقام سکونت کو کاٹتا ہوا تمہارے بائیں ہاتھ کی طرف غروب کو چلا جاویگا ۔

یہ حال خدا نے اس لیئے بیان کیا تاکہ سمجھ میں آوے کہ اس کھف یعنی پہاڑ کی کھوہ میں بالکل اندھیرا تھا اور سورج کی روشنی کسی طرح نہیں جا سکتی تھی ؛

پہاڑیں جو اس قسم کی کھوہ ہوتی ہے وہ دور تک لمبی اور تنگ چلی جاتی ہے اور کسی مقام پر چوڑی ہو جاتی ہے اسی چوڑی جگہ پر خدا نے فرمایا ہے کہ "وھم فی فجوۃ منہ" یعنی اصحاب کھف اس کھوہ کی چوڑی جگہ میں تھے ؛

اس کے بعد خدا فرماتا ہے کہ یہ ہے اللہ کی نشانیوں میں سے جسکو خدا ہدایت کرے وہی ہدایت پانے والا ہے اور جسکو گمراہ کرے پھر تو اس کا کوئی دوست راہ بتانے والا نہیں پاوے گا ؛

اگر کوئی یہ سمجھے کہ خدا تعالیٰ نے اصحاب کھف کو یا اس پہاڑ کی کھوہ کو یا اصحاب کھف کے وہاں جا کر رہنے کو اللہ کی نشانیوں میں سے قرار دیا ہے تو یہ محض غلطی ہوگی کیونکہ اس کے آگے جو الفاظ ہیں کہ من یھد اللہ فھو المھتد ومن یضلل فلن تجد لہ سبیلا

Marfat.com

وہ صفت بتاتے ہیں کہ اصحاب کہف جو اپنے ایمان پر اور خدا پرستی پر مستحکم تھے اور خدا نے ہدایت بخشی اور جبر میں بھی جو بت پرست بادشاہ کیطرف سے بتوں کے پوجنے پر ہوتے تھے اُن کے دلوں کو مضبوط رکھا اُس کی نسبت خدا نے فرمایا ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۔

اب خدا تعالیٰ اصحاب کہف کی حالت بیان کرتا ہے کہ تو انکو (اگر دیکھے تو) گمان کرے کہ وہ جاگتے ہیں حالانکہ وہ سوتے ہیں اور ہم اُن کو دائیں کروٹ اور بائیں کروٹ پر بدل دیتے ہیں اور اُن کا کتا کھوہ کے دہانہ پر ہاتھ پھیلائے ہوئے بیٹھا ہے ۔

خدا تعالیٰ نے اس سے پہلے اصحاب کہف کا پہاڑ کی کھوہ میں جانا بیان کیا ہے اُس کے بعد اُس کھوہ کی حالت بیان کی ہے اور اب اصحاب کہف کی حالت بیان فرمائی ہے ۔ پس یہ حالت اُس وقت کی ہے جبکہ اصحاب کہف کھوہ میں گئے تھے نہ زمانہ موجود کی یا اُسکے کسی زمانہ متقدم کے بعد کی ۔ مختصر ہم الفاظ کی نسبت مفسروں نے جو کچھ کہا ہے اصل باتیں لکھی ہیں الا قرآن مجید سے جو اُسکی وجہ پائی جاتی ہے وہ صرف خدا کا یہ فرمانا ہے کہ نقلبھم ذات الیمین وذات الشمال اور یہی بات سچ ہے وہ پتھریلی کھوہ میں جاکر سوئے تھے اور اُسکے سبب سے گھڑی گھڑی کروٹیں بدلتے ہوں گے اور اُن کی اس تکلیف کو خدا نے اس طرح پر ظاہر فرمایا ہے ۔

اُسکے بعد خدا تعالیٰ اُس وحشت اور خوفناک حالت کو جس میں اصحاب کہف پہاڑ کی کھوہ میں جاکر چھپنے سے مبتلا ہوئے تھے بتاتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر تو اُن کو دیکھتا تو اُن سے اُلٹا بھاگتا اور تجھ پر اُن سے رعب چھا جاتا مفسرین نے اس آیت

کی نسبت بھی بہت سی افواہیں اور بے سند روایتیں لکھی ہیں اور انکی اس حالت کو زمانہ مستقبل کی حالت قرار دیا ہے حالانکہ جس طرح خدا تعالیٰ نے اصحاب کہف کی اُس وقت کی حالت کو جب وہ پہاڑ کی کھوہ میں گئے تھے بیان کیا ہے اسی طرح اُسی وقت کی اُن کی وحشت انگیز حالت کو ظاہر فرمایا ہے ؛

قرآن مجید کا سیاق کلام بھی یہی ہے کہ جب کسی گذشتہ واقعہ کو بیان کرنا چاہتا ہے تو گذشتہ واقعہ کو موجودہ قرار دیکر ایسے لفظوں سے خطاب کرتا ہے جیسے کہ الم تر کیف فعل ربک باصحب الفیل ؛

پہاڑ کی کھوہ نفسہ ایک وحشتناک جگہ ہوتی ہے ۱۸۷۰ء میں جبکہ میں انبالہ میں تھا تو ایک دوست سے ملنے پرٹل میں گیا جو ایک خوبصورت پہاڑ پر ہے اُسکے قریب سمندر کی کھاڑی کے کنارے پر ایک چھوٹا سا پہاڑ کا ٹیلہ ہے اُس میں ایک کھوہ ہے جس میں کسی اگلے زمانہ میں کوئی ہرمٹ یعنی عیسائی درویش رہتا تھا میں اُس کھوہ کو دیکھنے گیا غالباً وہ کچھ بہت بڑی تھی کئی سو فیٹ کی لمبی ہوگی مگر ایسی تنگ و تاریک تھی کہ کوئی چیز یہاں تک کہ پاس کا آدمی بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ جو شخص اُس کے دکھانے کو ہمارے ساتھ تھا مہربانی سے روشنی لایا کہ ہم روشنی کے ذریعہ سے اُس میں جاویں۔ قریباً نصف راستہ جانے کے بعد کیا ہوگا کہ اس زور سے اور عجیب نفرت انگیز آواز سے ہوا آنی شروع ہوئی جس نے ہمکو پریشان کر دیا اور جو روشنی ہمارے ساتھ تھی وہ گل ہوگئی ہم آگے نہ گئے اور واپس چلے آئے معلوم ہوا کہ

اُس کھوہ میں سمندر کی جانب کوئی سوراخ یا موکھا ہے اُس میں سے یہ شدید ہوا آتی ہے۔ جو شخص ہمارے ساتھ تھا اُس نے بیان کیا کہ تھوڑی دور آگے قریباً دو ڈھائی گز چوڑی ایک جگہ ہے اُس میں ہر مٹ رہتا تھا۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اِسی قسم کی جگہ پر سورۂ کہف میں خدا تعالےٰ نے وھم فی فجوۃ منہ کا اطلاق کیا ہے ؛

یہانتک صرف اِفادات قرآن مجید سے پائی گئی کہ اصحاب کہف اُس بُت پرست بادشاہ کے خوف سے بھاگے اور پریشانی کی حالت میں ایک وحشت انگیز جگہ میں جو پہاڑ کی تنگ و تاریک کھوہ تھی جا کر چھپے اور وہاں سو رہے پھر خدا نے اُن کو جگایا یعنی وہ جاگے چنانچہ خداوند تعالےٰ فرماتا ہے "اور اِسی طرح ہم نے اُن کو اُٹھایا تاکہ وہ آپس میں پوچھیں اُن میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ تم کتنا سوئے اُنھوں نے کہا ایک دن سوئے یا ایک دن سے کچھ کم وہ بولے کہ تمہارا پروردگار جانتا ہے کہ تم کتنا سوئے ؛

پہاڑ کی کھوہ جس میں وہ جا کر چھپے تھے [illegible] کی وقتی اُس میں نہیں پہنچتی تھی یہ ایک معمولی بات تھی کہ جب وہ جاگے تو پوچھا کہ کس قدر مدت اُس اندھیری کھوہ میں کسی نے کہا دن بھر یا کچھ کم سوئے ہو گے وہ اپنی سببی اندھیرے کے ٹھیک اندازہ نہیں کر سکتے تھے اُنھوں نے کہا خدا معلوم کتنا سوئے ؛

یہ اُن کا سونا اور جاگنا پہاڑ کی کھوہ میں جانے کے بعد ایک معمولی زمانہ تک سونا جاگنا تھا اور کوئی عجیب بات اُس میں نہ تھی اور نہ قرآن میں اِس مقام پر یعنی اِس قصہ

Marfat.com

میں جس کی نسبت خدا نے کہا نحن نقص علیک نبأھم بالحق کوئی اشارہ اس بات کا ہے کہ اُن کا سوتے رہنا زمانہ طویل غیر عادی اور غیر قیاسی اور غیر طبعی تک ہوا تھا بلکہ تمام سیاق سے پایا جاتا ہے کہ وہ کھوہ میں چھپے وہاں سو رہے اور معمول قاعدہ پر اُٹھے آپس میں پوچھنے لگے کہ کتنا سوئے ؛

بعض مفسرین نے استدلال کیا ہے کہ ہرگاہ اُن کے اُٹھنے کی علت یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ آپس میں سوال کریں کہ کتنا سوئے تو زمانہ نوم میں ضرور کوئی ندرت ہوگی اور اُس ندرت کو نوم زمانہ طویل قرار دیا ہے۔ مگر یہ اُن کی محض غلطی ہے ایک امر کے بعد دوسرے امر کو جو اُس کے متصل واقع ہوا ہو لام کے ساتھ بیان کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرا امر اُس کی علت ہو قرآن مجید کا سیاق کلام ایسا ہی ہے کہ ایک واقعہ کے بعد جو دوسرا واقعہ ہوتا ہے اُس کو لام کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے جس سے محض تعقیب مراد ہے نہ علت چنانچہ قرآن مجید میں بہت جگہ جہاں لام آیا ہے وہ ہرگز اپنے ماقبل کی علت نہیں ہے اسی سورہ میں خدا نے فرمایا ہے ثم بعثناھم لنعلم ای الحزبین احصی لما لبثوا۔ پس خدا کا علم اُن کے زمانۂ نوم کی نسبت اُن کے اُٹھنے کا معلول نہ تھا۔ اسکے سوا اور بہت سے مقام قرآن مجید میں اس سے زیادہ صاف طور پر آئے ہیں جہاں خدا نے فرمایا ہے وما جعلنا القبلۃ التی کنت علیھا الا لنعلم من یتبع الرسول اور جہاں فرمایا ہے وما کان لہ علیھم من سلطان الا لنعلم من یؤمن بالاخرۃ اور جہاں فرمایا ہے فالتقطہ آل فرعون لیکون لھم عدوا وحزنا

پس جبکہ ان کے جگا لینے کی مدت اُن کا باہم سوال کرنا تھا جو دلیل
ہو رہا تھا قوم کی اُن غفلت پر جو مجھی ہوئی گو وہ کیسی ہی لغو اور
باطل تھی مگر وہ باطل ہو چکی ہے یہ امر بھی الزاموں میں بہت واقع ہوتا
ہے کہ ملزم کے مخالف کے بعد پوچھتے ہیں کہ کتنا سویا اور کوئی نہیں
سمجھ سکتا کہ اُن کے جاگنے کی مدت سونے کی مدت کا سوال کرنا بھی
ہمارے محاورہ میں اور روایت گڑھنے والوں کو اس شبہ
سے غلطی ہوئی ہے کہ اتنے دن اس مقام پر رہے لوگوں کی زبان
اور غلط فہمی کا ذکر کرنے کے وقت اُن کا قول نقل کیا تھا کہ نحن
نقص علیک نبأھم بالحق انھم فتیۃ اٰمنوا بربھم اور یہ بیان
جو زمانہ ممتد منظور تھا اُسی پر اُنھوں نے سمجھ لیا کہ کئی سو برس
سے لیٹنے کے بعد اُٹھے ہونگے حالانکہ اس واقعی اور صحیح قصہ کی
خلاف اُن کا سونا اور پھر جاگنا سلسلہ طویل پر کہ بیان کیا
ہے بیان کیا ہے ؛

شروع قصہ میں خود خدا تعالیٰ نے قصہ کے عجیب ہونے کی اطلاع
کر دی تھی اور اسکا عجیب ہونا صرف مدت دراز تک سونے سے تھا
اس صحیح اور واقعی قصہ میں خدا تعالیٰ نے اُن کا زمانہ دراز تک سونے
کا ذکر نہیں فرمایا پس اس مقام پر بھی اُس غلط شہرت کو داخل کرنا
صریح غلطی ہے ؛

جب ۱۰۹ اُٹھے تو انھوں نے کہا کہ بھیجو اپنے میں سے ایک کو اپنے پاس یہ چاندی کا
سکہ دیکر شہر کو تاکہ دیکھے کہ کونسا اچھا کھانا ملتا ہے اور اُسمیں سے تمہارے لیے کھانا
لاوے اور چاہیے کہ آہستہ رہے اور کسی کو تمہاری خبر نہ کرے بیشک اگر وہ تمپر غلبہ پائینگے

Marfat.com

تو تم پار کر مار ڈالیں سگے یا تمکو اپنے مذہب میں پھیر لیں گے اور
اُس وقت تم کبھی فلاح نہیں پانے کے ؛

اسکی تصریح قرآن مجید میں نہیں کہ وہ صرف ایک ہی دفعہ کھانا لیتے
کیا یا اسی طرح متعدد دنوں تک کھانا لایا کرتا تھا۔ مگر تفسیر معالم التنزیل میں
محمد بن اسحٰق کی روایت لکھی ہے کہ "فلبثوا بذلك ما لبثوا"
یعنی وہ اسی طرح کرتے رہے جب تک کہ وہ کرتے رہے اور اس سے
معلوم ہوتا ہے کہ ایک عرصہ تک وہ اسی طرح اپنا کھانا شہر سے منگاتے رہے ؛

اس کے بعد خدا فرماتا ہے کہ اسطرح ہم نے لوگوں کو انکی خبر کردی مگر
اس کے بعد خدا نے یہ نہ بتایا کہ ان لوگوں نے ان کی خبر پاکر ان کے
ساتھ کیا کیا مگر یہ فرمایا کہ وہ جان لیں کہ بے شک وعدہ اللہ کا سچا ہے
اور بیشک قیامت آنیوالی ہے اس میں کچھ شک نہیں ؛

اس مقام پر بحث یہ ہے کہ یعلموا میں جو ضمیر ہے اسکا
مرجع کون ہے عموماً مفسرین عام لوگوں کی طرف جن کو ان کی خبر ہو گئی تھی
اس کا مرجع بیان کرتے ہیں مگر لوگوں کو ان کی خبر ہو جانے سے کہ وہ پہاڑ کی
کھوہ میں پہنچ گئے ہیں اور "ان وعد اللہ حق وان الساعۃ
لا ریب فیھا" سے کیا تعلق ہے ؛

اگر کہا جائے کہ ان کی خبر ملنے کا واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ وہ
ایک مدت دراز تک سوکر اٹھے تھے تو اوّل تو ان کے مدت دراز
تک سوتے رہنے کی نفی ہو چکی اور اگر بالفرض تسلیم کیا جائے تو بھی ایک
مدت تک گو کہ وہ کتنی ہی دراز ہو سوکر اٹھنے سے اس بات کا کہ وعد اللہ
حق وان الساعۃ لا ریب فیھا کیا ثبوت ہو سکتا ہے ؛

Marfat.com

اور لگے ہاتھوں اس کلمہ گو قوم کی بھی [illegible] کہ جس کا عقیدہ [illegible]
[illegible] لوگوں کو خبر ہوئی ہو تو بھی ان کا [illegible]
تو پھر کیونکر ان لوگوں کو جنہوں نے [illegible] کی خبر نہیں پائی [illegible]
حشر اجساد پر یقین ہو سکتا تھا ؟

کچھ شبہ نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ کی خدا معاذ اللہ کوئی نافرمانی نہ تھی کہ جب ان کو معلوم ہوا کہ لوگوں نے آپ کی نسبت کیا کہا تو ان کو تعجب ہوا کہ ایسے کیونکر ہو گئے ہیں سکے بیشک خدا کا یہ فرمانا کہ لیعلموا ان وعد اللہ حق وان الساعۃ لا ریب فیھا اشارہ اس طرف ہے کہ وہ مانے گئے کیونکہ اس وقت تک کا فرمانا کہ وعد اللہ حق جبکہ کوئی ہونے والا امر ہو سچا ہے اور جھوٹ پر نہیں ہو سکتا قال اللہ تعالیٰ فالذین امنوا وعملوا الصلحت سندخلھم جنات تجری من تحتھا الانھار خلدین فیھا ابدا وعد اللہ حقا ومن اصدق من اللہ قیلا ۔

پس جن مورخین کا یہ قول ہے کہ جب آپ بیت پرست بادشاہ کو ان کے پہاڑ کے کھوہ میں پہنچنے کی خبر ہوئی تو اس نے اس کھوہ کا موہنہ بند کرا دیا تاکہ وہ بھوکا پیاسا اسی میں مر جاوے اور وہ کھوہ ان کے لئے بمنزلہ قبر کے ہو جاوے چنانچہ وہیں مر گئے بہت صحیح و درست معلوم ہوتا ہے اور قرآن مجید سے اسی کی تائید ہوتی ہے مذکورہ بالا واقعہ کے کئی سو برس بعد پہاڑ کی کھوہ کا موہنہ جو بند کر دیا گیا تھا کھل گیا اور اس کھوہ میں ان کی ہڈیاں جو صرف ہڈیاں باقی تھیں معلوم

Marfat.com

Marfat.com

ولبثوا فی کھفھم ثلثمائۃ سنین وازدادوا تسعا قل اللہ اعلم بما لبثوا لہ غیب السموات والارض ابصر بہ واسمع مالھم من دونہ من ولی ولا یشرک فی حکمہ احدا (سورہ کہف)

اِس کے بعد کی آیت میں جو لفظ ولبثو کا ہے اُس کا عطف یقولون پر ہے جو اس کی پہلی آیت میں ہے یعنی کہیں گے کہ وہ رہے پہاڑ کی کھوہ میں تین سو برس اور اُنہوں نے زیادہ کیے (یعنی اُوپر) نو برس تو کہدے کہ خدا خوب جانتا ہے کہ کتنی مدت وہ رہے اُسی کے لیئے ہے آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی باتوں کا جاننا خوب دیکھنے والا ہے اُس کا یعنی غیب کا اور خوب سننے والا اُس کے سوا اُن کے لیئے کوئی دوست نہیں ہے اور وہ شریک نہیں کرتا اپنے حکم میں کسی کو ٭

اس آیت سے ظاہر ہے کہ اصحاب کہف کسی مدت تک پہاڑ کی کھوہ میں رہے اور اس کہنے سے لازم آتا ہے کہ وہ کسی مدت کے بعد پہاڑ کی کھوہ میں سے نکلے مگر کوئی مورخ اس بات کو نہیں کہتا کہ وہ کسی زمانہ میں پہاڑ کی کھوہ میں سے زندہ نکل کر آئے ہوں اور نہ کسی روایت میں ایسا بیان ہوا ہے پس اس آیت میں ذکر ہے اُس سے بھی مدت مراد ہے جو اُن نے پہاڑ کی کھوہ میں جانے اور اُن کی ہڈیوں کو اُس میں سے نکلنے میں گذری بیشک اس زمانہ کی مدت ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں ہے لیکن ہمارے بیان کیے ہوئے تاریخ سے معلوم ہو سکتا تھا اُسکو ہم بیان کر چکے ہیں ٭

یہ ہے صحیح قصہ اصحاب کہف کا بعض لوگوں کو جو اس کہیں پرانی لاشیں برآمد ہوئی ہیں شبہ پڑا ہے کہ یہ لاشیں اصحاب کہف کی ہیں معجم البلدان میں یاقوت حموی نے ایک قصہ لکھا ہے کہ واثق باللہ نے محمد بن موسی نجومی کو روم میں بھیجا کہ وہ اصحاب کہف کو دیکھے اور وہ روم کے ایک شہر میں گیا وہاں ایک چھوٹا سا پہاڑ تھا کہ اُس کا

Marfat.com

قریب قسطنطنیہ کے اُس نے ایک سنگ نگار کا بنا دیکھا اور سوال کیا
اُس نے کہا کہ اُس میں اصحاب ۔۔۔ کے مقبرے ہیں۔ اُس نے کہا اگر ہم
لوگوں نے ایک سنگ بنانا چاہا تو نہیں بنا سکتے۔ اور وہاں ایک گنبد
اور وہاں ایک سوراخ ہے کہ ہر روز دن کا ہوا آتا ہے۔ پھر
سکان نے ہمیں آن کا حال بہت لکھا ہے کہ ہم
سوتے ہیں اُن کا منہ کھول کر بیچ اُن کے انگلیاں
زندہ آدمیوں کا۔ ایک شخص سے
کہا ہم نے سنا ہے کہ اُن
تک ہیں اُس نے کہا کہ ہم اپنی کتابوں میں
سب ایک وقت میں انبیا و مبعوث ہوئے تھے اس کے سوا
اور کچھ ہم نہیں جانتے ۔

۱۸۹۶ء میں جب ایک انگریزی کمپنی افغانی اور روسی سرحد مقرر
کرنے کو ترکمانوں کے ملک میں گئی تو اُس وقت ایک شخص نے
ایک پہاڑ کا جس کا نام اُس نے کوہ رقیم لیا ہے اس طرح پر حال
لکھا ہے :-

کوہ رقیم جس میں سات شخص خوابیدہ ہیں یہ زیارت مسلمانوں کی
ہے اور ہمارے کیمپ سے چار میل جنوب و غرب کو وادی حراق
میں ہے کیمپ کے مسلمان اُس کی طرف چلے اور میں بھی گھوڑے
پر سوار معہ صوبہ دار محمد حسین خاں صاحب دوسری پلٹن سکھ سے گیا۔
اہل اسلام اس مقام کو اس لیئے متبرک مانتے ہیں کہ اصحاب کہف کا ذکر قرآن مجید

Marfat.com

میں آباد ہے اس پہاڑ کو جس میں یہ غار ہے واقع ہے یہاں سے کوئی
چار فرسنگ ہوتے ہیں اور اس کے نواح میں پہلے کسی زمانہ میں ایک
آبادی قصلان نام کی تھی جس میں اسی ہزار باشندے بستے تھے۔ بنا بر
کسی مقام پر شہر فسوس بھی ہوگا جس کا ذکر قصۃ اصحاب کہف میں کیا جاتا
ہے کہ ایک شخص منجانب ان سات شخصوں کے شہر فسوس میں گیا تاکہ
کچھ خرید لاوے۔ لیکن اس کا صحیح پتہ نہیں چلا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ
مقام (التیمور) میں تھا جو جنوبی جانب پہاڑوں میں ہے اور جہاں
اب تک ایک قطعہ موجود ہے فی الحال اس قطعہ کی سیر ممکن نہیں کیونکہ برف
بہت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ مقام مجکو میں تھا جو چہار شنبہ سے
مشرق کی طرف سات میل کے فاصلہ پر ہے واقعی مجکو ایک آباد جگہ
تھی اور بڑا موضع تھا جس کو ترکمانوں نے غارت کر کے اجاڑ دیا
ہے۔ یہ مقام درمیان مرو چک اور اتاتوق کے ہے۔ کوہ رقیم پر
اس وقت بیس خاندان سیدوں کے آباد ہیں اور ایک موضع ان
سادات کا غار کے منہ پر واقع ہے آگے بڑھا ایک اور موضع دھانی
خاندان کی آبادی کا ہے۔ یہ پہاڑ ایک تنگ وادی میں ہے اور میں
مجاورین تردد کرتے ہیں وہ ان کو معاف ہے۔ علاوہ اس کے جو
لوگ زائرین یہاں آتے ہیں وہ مجاورین کی خدمت کرتے ہیں یہاں
ایک چھوٹی سی مسجد ہے اور غار کے منہ پر ایک دیوار بنا ہوا ہے
بیچ میں پھاٹک بنا ہوا ہے اور اوپر ایک چوبی بطور نشانی بنا ہوا
ہوگا ایک پگڈنڈی اس میں لگا ہوا ہے۔ اس غار کے چہار طرف
ایک وسیع میدان ہے جو شخص داخل ہوتا ہے بیس لاکھ فرشتے

Marfat.com

Marfat.com

ایشیا میں بھی قدیم زمانہ میں ممی بنانے کا کسی قدر رواج ہوا تھا اور اس سبب سے بعض ایشیا کے مقاموں سے ایسی لاشیں برآمد ہوئی ہیں۔ علاوہ اس کے بعض ملکوں اور پہاڑوں میں برسبیل تذکرہ برف کے اسی طرح کی افتادہ لاشیں بھی نکل آتی ہیں اور لوگ ان کو اصحاب کہف کی لاشیں سمجھ جاتے ہیں۔

علاوہ اس کے ان مقاموں کے خادم روپیہ کمانے کے لیئے بہت کچھ فریب کیا کرتے ہیں اور جھوٹی روایتیں بیان کرتے ہیں۔ جیسے زمانہ میں کہ سید احمد صاحب سکھوں سے لڑکر شہید ہوئے ان کی لاش میدان جنگ میں دستیاب نہیں ہوئی غالباً اس وجہ سے کہ مخالفین تو کافی طرح پر تلاش نہ کر سکے اور جو غالب ہوئے تھے وہ یقیناً پہچان نہیں سکتے تھے پس ان کے مریدوں کو موقع ملا اور انھوں نے کہا کہ وہ زندہ ہیں اور پہاڑ کی کھوہ میں خدا کی عبادت اور نماز میں مشغول ہیں اور انھوں نے کھوہ میں ایک لکڑی پر عمامہ رکھکر اور جبہ کرتا پہنا دیا تھا اور دور سے لوگوں کو دکھا دیتے۔ تھے کہ وہ بیٹھے نماز میں مشغول ہیں۔ ہزاروں لوگ اب بھی بعض بزرگوں کی نسبت یقین رکھتے ہیں کہ وہ سینکڑوں برس سے پوشیدہ زندہ ہیں اور وقت مقرر پر تشریف لاوینگے۔ یہودی چند بزرگوں کو زندہ جانتے ہیں مسلمان عیسائی حضرت عیسیٰؑ کے زندہ ہونیکے اور پھر دنیا میں آنے کا یقین کرتے ہیں شیعہ حضرت امام مہدیؑ کے پوشیدہ ہو جانے اور ابتک بلکہ وقت ظہور تک جو قیامت کے قریب ہوگا زندہ ہونے کے قائل ہیں۔ اس قسم کے خیالات و اعتقادات ایسی باتوں پر جو لوگ بنا لیتے ہیں زیادہ یقین کر لیتے۔ کیونکہ عاشق ہوتے ہیں فقط

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سات سونیوالے یعنی اصحاب کہف

۵۰

ترجمۂ کتاب کیورس متھس آف دی میدل ایجز

مؤلفہ ایس بارنگ گولڈ ایم اے

یہ قصہ جسپر ہم اس مضمون میں بحث کرتے ہیں پچھلے زمانہ کے عجیب اور حیرت انگیز قصوں میں سے ہے **جیکس دی وارین** نے اسکو اپنی کتاب میں جس کا نام **لیجنڈ اریا** ہے اس طرح بیان کیا ہے ؎

یہ سات سونیوالے **افی سس** کے باشندے تھے بادشاہ **ڈی سیس** جس نے نصاری پر بہت ظلم کیا تھا جب وہاں پہونچا تو اس نے یہ حکم دیا کہ ایک معبد اصنام کی پرستش کے لیئے بنایا جاوے اور سب لوگ اُس کے سامنے بتوں پر قربانی

کریں نصاریٰ تلاش کروا کر بلائے گئے اور حکم سُنایا گیا کہ وہ موت یا پرستش اصنام اِن میں سے جسے چاہیں اختیار کریں۔ اِس حکم سے شہر میں ایک آفت برپا تھی نہ دوست دوست کا ساتھی رہا نہ باپ بیٹے کا نہ بیٹا باپ کا ؛

اِس زمانہ میں افی سس میں سات عیسائی تھے جن کے نام یہ ہیں۔ مکسی مین۔ مالکس۔ مارسین۔ ڈایونی سس۔ جان۔ سرا پین۔ کانسٹن ٹین تھے اُنھوں نے بتوں پر قربانی کرنے سے انکار کیا اور اپنے مکان میں نماز روزہ کرتے رہے ڈی سیس کے سامنے ان پر یہ الزام لگایا گیا اور انھوں نے اپنے عیسائی ہونے کا اقرار کیا۔ بادشاہ نے کچھ مہلت دی تاکہ وہ جو طریقہ آیندہ اختیار کریں اُسپر بخوبی غور کرلیں۔ اس مہلت کو انھوں نے غنیمت سمجھکر اپنا تمام مال و اسباب غربا کو دیدیا اور خود یہ ارادہ کرکے گئے کہ سیلین پہاڑ کے غار میں جاکر چھپ رہیں ؛

ان میں سے ایک شخص مالکس نامی طبیب کا بھیس بدل کر شہر میں کھانا خریدنے کو گیا دی سیس نے جو کچھ عرصہ کے لیئے افی سس سے چلا گیا تھا واپس آکر یہ حکم دیا کہ وہ ساتوں شخص تلاش کیئے جاویں مالکس ڈرتا ہوا شہر سے بھاگا اور اپنے اصحاب سے بادشاہ کے غصہ کا سب حال بیان کیا۔ سب بہت ڈرے مالکس نے اُن سے روٹی کھانیکو کہا تاکہ اُن میں کچھ طاقت آوے اور مصیبت میں ہراساں نہوں کھانے سے فارغ ہوکر وہ رو رو کر باتیں کرتے رہے تھے۔ کہ خدا کے حکم سے اُن پر خواب طاری ہوئے ؛

(معالم التنزیل) ؛

شہر میں کفار نے اُن کو جا بجا تلاش کیا مگر کہیں پتا نہ ملا ڈی سیس
اس سے اور بھی زیادہ برافروختہ ہوا اور اُن کے والدین کو بلا کر یہ کہا کہ وہ اُن کا
پتا اور نشان نہ بتائیں گے تو سب مار ڈالے جائیں گے۔ انھوں نے
جواب دیا کہ وہ ساتوں جوان اپنا مال و اسباب غربا کو تقسیم کر کے چلے
گئے ہمکو یہ معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہیں ڈی سیس نے اس خیال سے
کہ ممکن ہے کہ وہ غار میں چھپ رہے ہوں اُس کا مونہہ پتھروں سے
بند کرا دیا تاکہ وہ بھوکے مر جاویں ؛

تین سو ساٹھ برس اسی طرح گذر گئے تھیوڈوسیس کے
تیسویں سال میں بعض ملحدوں نے مسئلہ انبعاث موتی کا انکار کیا
ایک شخص سیلیئن کے پہاڑ کے پاس اصطبل بنوا رہا تھا پتھروں کے
مونہہ پر پتھروں کا ڈھیر دیکھکر سب پتھر تعمیر کے لیئے اُٹھوا لیئے
اُس وقت اُن ساتوں کی آنکھ کھلی یہ سمجھکر کہ ایک ہی شب خواب میں
گذری ہے مالکس سے پوچھا کہ ڈی سیس نے اُنکی نسبت
آخر حکم کیا دیا ہے اُس نے کہا کہ وہ ہمکو یہاں تک تنگ کرے گا
کہ ہم مجبور ہو کر بستیوں کو پوجیں میکسی مین نے کہا خدا جانتا ہے
ہم کبھی نہیں کریں گے۔ پھر اپنے ساتھیوں کی طرف مخاطب ہوا
اور مالکس سے کہا کہ جس طرح ہو وہ شہر جا کر اس امر کی خبر لاؤ اور کچھ
کھانے کے واسطے بھی لاوے۔ مالکس پانچ سکہ لیکر غار میں سے
نکلا یہ پتھر دیکھکر حیران ہوا۔ پھر شہر کی طرف چلا شہر کے قریب
پہونچکر دروازہ پر صلیب لگی ہوئی دیکھی اور بھی زیادہ متحیر ہوا دوسرے
دروازہ پر گیا۔ وہاں بھی یہ متبرک نشان موجود تھا۔ اسی طرح

Marfat.com

شہر کے ہر دروازہ پر یہی دیکھا اُس کو یقین ہوا کہ شاید خواب کا کچھ اثر
ابتک باقی ہے آنکھیں ملتا ہوا شہر میں داخل ہوا اور ایک نان بائی
کی دوکان کی طرف بڑھا لوگوں کی زبان سے خدا کا نام سُن کر اور بھی
حیران ہوا کہا کہ کل اس نام کے لینے کی ایک کو بھی جرأت نہ تھی آج
عیسیٰ کا نام ورد زبان ہے - یہ کیا ماجرا ہے - شبہ ہوا کہ شاید یہ اور
کوئی شہر ہو - ایک راہ چلتے سے شہر کا نام پوچھا - سُن کر کہ یہ شہر
افی سس ہے سخت حیران ہوا - نان بائی کی دوکان پر جا کر روپیہ
رکھا - سکہ کو دیکھکر طباخ نے پوچھا کہ تجھ کو کہیں سے خزانہ مل گیا
ہے - نان بائی آپس میں باتیں کرنے لگے یہ سمجھا کہ انھوں نے
مجھ کو پہچان لیا ہے اور بادشاہ کے سامنے لے جانے کو میں لایا کہ
خدا کے واسطے مجھے چھوڑ دیں روٹی اور روپیہ سے باز آیا کسی طرح
نہ بچے لیکن دوکاندار نے اُس کو پکڑ کر یہ کہا کہ تم کون ہو اس سے
کچھ غرض نہیں جو تمکو خزانہ ملا ہے وہ ہمکو بھی بتاؤ کہ ہم تمہارے شریک ہیں
اُس وقت ہم تمکو چھپا دینگے مالکس خوف کے مارے کچھ جواب نہ دیسکا
اس کے گلے میں رسّی ڈال کر بازار میں سڑک پر کھینچتے پھرے شہر میں
بھی یہ خبر مشہور ہوئی ہر طرف سے لوگ جمع ہوئے کسی نے اُسکو نہ پہچانا وہ
اپنی لاعلمی بیان کرتا رہا سب کے چہروں پر نظر دوڑائی مگر کوئی ایسا نظر
نہ پڑا کہ جس سے کچھ بھی پہلا تعارف ہو سینٹ مارٹن بشپ اور
مینیٹی پیٹر حاکم شہر نے یہ حال سُن کر جوان اور طباخ کو بلایا اور جوان سے
پوچھا کہ یہ خزانہ کہاں سے ملا ہے اُس نے کہا کہ خزانہ تو کہیں
سے نہیں ملا یہ چند سکہ میری تھیلی میں تھے پھر اُس سے دریافت

Marfat.com

کیا کہ کہاں سے آئے اُس نے کہا کہ میں افی سس کا باشندہ تھا اگر
یہ شہر افی سس ہی ہے گورنر نے کہا کہ تمہارے ماں باپ اور اقارب اگر
یہاں رہتے ہوں تو بلاؤ جوان نے اُن کے نام بتائے اور کہا کہ یقیناً وہ
یہاں رہتے ہیں مگر شہر میں ان ناموں کا کوئی نہیں تھا۔ گورنر نے چلا کر
کہا کہ تم یہ کیونکر کہہ سکتے ہو کہ یہ تمہارے ماں باپ کا روپیہ ہے۔ یہ بادشاہ
ڈی سیس کے عہد کا سکہ ہے جسکو تین سو چھتیس برس گذرے اور
سکہ حالی کے بالکل مشابہ نہیں کیا تم افی سس کے حکمار اور بوڑھے
لوگوں کو بتاتے ہو یہ خوب سمجھ لو کہ اگر تم اُس کا پتہ نہ بتاؤ گے تو تمکو
تمام قانونی سختیاں برداشت کرنی پڑینگی مالکس نے عرض کیا کہ
خدا کے واسطے آپ پہلے مجھ کو ان چند سوالوں کے جواب دیں اُس
وقت میں کچھ کہہ سکوں گا۔ بادشاہ ڈی سیس کہاں چلا گیا ہے۔
بشپ نے جواب دیا کہ میرے بچے اس نام کا اب کوئی بادشاہ
نہیں جس کا یہ نام تھا اُس کو مرے ہوئے ایک عرصہ گذرا مالکس
نے کہا کہ جو بات سُنتا ہوں اُس سے اور شش و پنج میں ہو جاتا ہوں
سیلئس پہاڑ تک میرے ہمراہ چلو تاکہ میں اپنے ساتھیوں
کو دکھاؤں کل ہی ڈی سیس کے ظلم سے بھاگ کر ہمنے اُس
پہاڑ میں پناہ لی تھی بشپ نے گورنر سے کہا کہ "یہاں خدا کا ہاتھ
ہے۔ ایک انبوہ کثیر اُس کے ساتھ چلا۔ اول مالکس غار میں
اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور پھر بشپ۔ وہاں اُنھوں نے
اُن بزرگوں کو غار میں بیٹھا ہوا دیکھا۔ بشاش چہرہ مثل گلاب کے
تر و تازہ دیکھکر سب گر پڑے اور خدا کو سجدہ کیا۔ گورنر نے اُسی وقت یہ خبر

Marfat.com

تھیوڈوسیس کو بھی وہ فوراً فی سس کو روانہ ہوا۔ تمام اکابر شہر اُس سے ملے اور اُسے غار کی طرف لے گئے۔ بادشاہ کو دیکھکر ان مقدسین کے چہرے مثل آفتاب کے روشن ہوئے بادشاہ نے خدا کا شکر کیا اور اُن سے بغلگیر ہو کر کہا کہ میں نے تمکو کیا دیکھا گویا مسیح کو لزار اس کو شفا بخشتے ہوئے دیکھا میک سی مین نے جواب دیا کہ ہم ایمانا یہ بات کہتے ہیں اور آپ یقین کیجئے کہ خدا نے ہمکو محشر سے پہلے اس واسطے اُٹھایا ہے تاکہ تم اس امر کو برحق سمجھو کہ قیامت کو مُردے ضرور اٹھائے جائیں گے کیونکہ بیسا بچہ ماں کے رحم میں رہتا ہے اور کچھ ایذا نہیں پاتا اسی طرح ہم بھی خواب میں رہے اور کوئی تکلیف نہ اُٹھائی یہ کہکر اُنھوں نے سر جھکایا اور جان بحق تسلیم کی۔ بادشاہ اُٹھکر اُن پر جھکا اور بغلگیر ہو کر رویا۔ حکم دیا کہ سُنہری صندوق بنوا کر اُن میں یہ لاشیں بطور یادگار زمانہ رکھی جاویں مگر اُسی شب کو اُن بزرگوں کو خواب میں دیکھا کہ کہتے ہیں "ہم ابتک زمین میں سوتے تھے اب بھی زمین ہی میں سونے دو جب تک کہ خدا دوبارہ نہ اُٹھاوے"۔

یہ دلچسپ قصہ اس طرح پر بیان کیا گیا ہے۔ ہم تک شاید یہ مشرق سے پہونچا ہے جیکوبس سروجین سس میسوپوٹیمیا کی پانچویں یا چھٹی صدی کے بشپ نے اُسکو سب سے پہلے قلمبند کیا ہے گریگری آف ٹورس شاید سب سے اوّل اُسکو یورپ میں لایا ہے ڈایونی سیس آف انیٹاک نے نویں صدی میں یہ قصہ شامی زبان میں کہا ہے فوتیس باشندۂ قسطنطنیہ نے بھی اُسکو لکھا ہے

Marfat.com

وہ لکھتا ہے کہ یہ قصہ قرآن شریف میں بھی ہے ؛
مٹیافرلس ٹٹس بھی اس کا حوالہ دیتا ہے دسویں صدی میں
یوٹی کیس نے اس کو اپنے عربی قصوں میں درج کیا ہے کاپتک
اور میرونایٹ کی کتابوں میں بھی اس کا پتہ ملتا ہے بعض پرانے
مورخین نے بھی اس کو اپنی تصانیف میں درج کیا ہے جیسے کہ
پالس ڈیاکونس اور ناسی فورس وغیرہ ؛
ان سونیوالوں کی نسبت ولیم آف مامس بری ایک عجیب
قصہ بیان کرتا ہے اُس کا بیان ہے کہ بادشاہ ایڈورڈ ملقب
بمقدس ایسٹر کے جلسہ کے دن ویسٹ منسٹر کے محل میں
تاج شاہی پہنے ہوئے بیٹھا تھا پادری اور رؤساء شہر سب جمع تھے
اثناء دعوت میں بادشاہ گوشت اور شراب چھوڑ کر خدائی باتوں کا
دھیان کرنے لگا اور اسی میں دیر تک محو رہا یکایک اس زور سے
ہنسا کہ سب حیران رہ گئے کھانے کے بعد کپڑے اُتارنے کے
لئے جب خوابگاہ میں گیا تو چند رئیس بھی پیچھے پیچھے گئے ارل ہیرلڈ
جو اُس کا جانشین ہوا اور ایک ایبٹ اور ایک بشپ جو اُسکے
ساتھ تھے انھوں نے اس سے اُس ہنسی کا سبب پوچھا بادشاہ
نے جواب دیا کہ میں نے ایک عجیب بات دیکھی ہے میری ہنسی
بے وجہ نہ تھی انہوں نے عرض کیا کہ ہمکو بتائیے ۔ تھوڑی دیر سوچکر
کہا کہ میں نے دیکھا ہے کہ افی سس کے سات سونیوالوں
نے (جو دہنی کروٹ پر دو سو برس سے سیلئن پہاڑ کی غار میں سو رہے
ہیں) آج دفعتاً بائیں کروٹ بدلی ہے ۔ یہ خدا کی مہربانی ہے کہ میں نے اُن کو

Marfat.com

کرونٹ بدلتے ہوئے دیکھا اس سبب سے ہنس پڑا ارل میرلٹ
نے غصہ ہو کر اس کو تھپڑ مارا بادشاہ نے اس سے پورا حال بیان کیا
اور ہر ایک کا حصہ اور مدت اور وجہ بھی بتایا اس کا کسی سے ایک
کچھ حال نہیں کہا تھا بلکہ بادشاہ نے یہ قصہ اس طور پر بیان کیا گویا
کہ وہ ہمیشہ ان میں رہا ہے ارل میرلٹ نے یہ بات سن کر تین شخصوں
کو (ایک ناٹ ایک منشی ایک پادری) بادشاہ ایڈورڈ کی
طرف سے تحایف اور خط دیکر قسطنطنیہ کے بادشاہ کے پاس بھیجا
بادشاہ قسطنطنیہ نے ان تینوں صاحبوں کو خلعت پوشاک اور معہ کے اپنے
کشتی میں بھیجا کہ وہ ان تینوں انگریزوں کو جس جگہ میں ملے لے
آئیں جب ایسا ہی معلوم ہوا بھیجا کہ بادشاہ نے دیکھ خلعت
اپنی معہ کشتی والوں سمیت روانہ کیا کہ افسوس ہے اپنے
ملک میں سکونت کرنا ہوتے ہوئے ہمیں کیا کہ افسوس ہے اپنے
وطن سے جدا کیا جاتا ہے لیکن جو قسمت میں لکھا ہے ہو کر رہے گا
ان کو ہمیں کشتی پر سوار ہوتے پایا اس کو ٹ بدلنے سے پیشتر
ان مصائب سے آگاہ کرنا چاہا جو ان مسلمان ترکوں اور
تاتاریوں کے حملہ کرنے سے نازل ہونگی کیونکہ جب کوئی مصیبت
نازل ہونے کو ہوتی ہے اس وقت یہ ہونے والے کروٹ بدلتے ہیں ۔
سات سونے والوں پر ایک نظم کاٹوری نے بھی لکھی ہے
جسکو ایم الیف ایرمچل نے اپنی رپورٹ آف منسٹرلی
لی انسٹرکشن بیلگ میں بیان کیا ہے ۔ ایک
جرمن کی نظم اس مضمون پر ہے جس میں ۹۳۵ شعر ہیں

ایم کیراجان نے ۱۳ صدی میں چھاپی ہے اور اسپین کے ایک شاعر نامی اگسٹن مورینو نے ایک ڈریما اسی پر لکھا ہے جس کا لاس سیٹی ڈریمن ٹیز نام ہے بس کا کہ کامیدیس نیودس اسکوجی ڈاس دی لاس مجوریس ان جینی اوس کی اُنیسویں جلد میں حوالہ ہے اور ڈاکٹر نیل نے بھی اسی مضمون پر ایک نظم لکھی ہے - قرآن میں یہ قصہ کسی قدر زیادہ ہے اُس میں یہ لکھا ہے کہ ان سونے والوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی پیشین گوئی کی ہے اُن کے ساتھ ایک کتا بھی ہے جس کا نام کراٹیمر کراٹیمر ہے جو اُن کے پاس سوتا ہے اور یہ کتا بھی پیشین گوئی کر سکتا ہے اور اس کتے پر خاص خدا تعالےٰ کا یہ بھی احسان ہے کہ یہ بھی اُن دس جانوروں کے ساتھ بہشت میں جاویگا - دوسرے بہشت میں جانیوالے جانور یہ ہیں - حضرت یونسؑ کی مچھلی - حضرت سلیمانؑ کی چیونٹی - حضرت اسمٰعیلؑ کا برّہ - حضرت ابراہیمؑ کا گوسالہ - ملکہ سبا کا گدھا - حضرت صالحؑ کا ناقہ - حضرت موسیٰؑ کا بیل - بلقیس کا ہدہد - اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری یعنی براق - ایسے زمانہ میں جب لوگ مقدسین کی یادگاروں کو سونے اور جواہرات سے بھی بیش بہا سمجھتے تھے تو اُن سونیوالوں کی یہ خواہش کرنی کہ اُن کو زمین ہی میں رہنے دو شاید کسی قدر بیجا تھی اور یہ خواہش پوری بھی نہ ہوئی کیونکہ اُن کی ہڈیاں ایک بڑے پتھر کے بکس میں بند کر کے مارسیلس کو بھیجی گئی تھیں

Marfat.com

جواب بھی سینٹ ویکٹر کے گرجا میں دکھائی جاتی ہیں روم میں ویکٹوریم
کے عجائب خانہ میں اِن کی گندھک اور پلستر کی جوڑی ہوئی تصویریں
موجود ہیں ہر ایک کے سامنے اُس کا نام اور چند صفات بھی کندہ ہیں
کانسٹنٹین اور جان کے پاس دو عصا ہیں میک سی مین کے
پاس ایک گرہدار عصا ہے مالکس اور مارسین کے پاس دو تیر
ہیں سیراپین کے سامنے ایک جلتی ہوئی مشعل اور ڈیوانی سس
کے سامنے ایک بڑی مینج ہے جس کو کہ ہوریس اور ایس پالی
نس نے بیان کیا ہے کہ ایذا رسانی کے واسطے کام میں لائی جاتی
تھی +

ان سات شخصوں کو نوجوان امرد کندہ کیا ہے واقع میں پرانے
شہیدوں کے قصہ میں بھی اُن کو لڑکا کہا گیا ہے اِس پلستر کی ہوئی
تصویروں سے بعضوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ ساتوں شخص
ڈی سیس کے عہد میں مارے گئے تھے اور مذکورہ بالا غاروں میں
دفن کیے گئے تھے اور ٹھیوڈوسیس کے عہد میں اُن کی ہڈیاں نکالی
گئیں برآمد ہوئیں تو اُس وقت سے یہ قصہ مشہور ہوا میرے خیال کے
موافق غالباً یہ صحیح ہے اِن ہونیوالوں کا قصہ اور سات کی تعداد بہت
پرانی اور حضرت عیسٰیؑ سے پہلے کی ہے +

مثل اَور پرانے قصوں کے اِس کو بھی عیسائیوں نے اخذ کر کے
مذہبی بنا لیا ہے +

پلینی ایک قصہ نگار شاعر مسمی ای پی میتی ڈیز کے قصہ میں لکھتا ہے کہ
وہ بھیڑیں چراتا ہوا گرمی کے موسم میں دق ہو گیا اور نیند نے بھی ستایا تو ایک غار

Marfat.com

میں جاکر سو رہا ستاون برس کے بعد خواب سے بیدار ہوا تمام دنیا بدلی ہوئی نظر آئی اُس کا بھائی جو اُس وقت بچہ تھا اب بالکل بوڑھا سفید تھا ؛

ای لی مینی ڈیز کو وہ لوگ جو پیری اینڈر کو مستثنےٰ کرتے ہیں سات عقلا میں سے شمار کرتے ہیں یہ **سولن** کے عہد میں تھا وہ سو نواسی برس کی عمر میں جب مرا تو لوگ اُسکو اوتار ماننے لگے اور خاصکر **ایتھینس** کے باشندے اُسکی بہت عزت کرتے ہیں ؛

اس قصہ کا ماخذ ایک بہت پُرانا قصہ ہے جس میں اینڈری ملین چرواہے کا حال ہے کہ وہ ہمیشہ سے سوتا ہے اور جو پیٹر یعنی تارہ نے اُسکو دوامی جوانی اور خوبصورتی عطا کی ہے ۔ عرب کے پرانے قصّوں کے موافق میندٹ جاگ بھی تین دفعہ تیغ سے اُٹھا اور تینوں دفعہ مارا گیا ؛

اسکینڈی نیوین کے قصّوں میں بھی ہم یہی حال سنتے ہیں کہ وہ خواب راحت میں اس امر کا منتظر ہے کہ کوئی پکارے تو اکر لڑے **شارلی مین** بھی ہیبس میں تاج پہنے ہوئے اپنے تخت پر بیٹھا ہوا ہے تلوار پاس رکھے ہے ۔ دجّال کے وقت کا منتظر ہے کہ اُس وقت اُٹھکر ولیون کے خون کا بدلہ لے **اوجیر ڈی ڈین** بھی اسی طرح **ای ویلون** کے خوابگاہ سے بیدار ہوکر حق کا بدلہ لینے اُٹھیگا ؛

افسوس کہ وہ **شیلس وگ ہولسٹین** کی لڑائی میں ظاہر ہو چکا تھا ۔ بچپن کی ایک بات پر جب غور کرتا ہوں تو حیرت انگیز

Marfat.com

زیست معلوم ہوتی ہے مگر مجھ کو خوب یاد ہے کہ اس مقام پر کیف ماسر
برگ ۔ تھوڑ نگیا ہیں مجھ سے یہ کہا گیا تھا کہ یہاں فریڈرک بار
بروسا اور اُسکے چھ نائٹس ہوتے تھے اتفاق سے ایک چرواہا بھی
غار کی راہ سے پہاڑ میں جا پہونچا دیکھتا کیا ہے کہ ہال میں ایک پتھر کی
میز رکھی ہے بادشاہ میز کے سامنے بیٹھا ہے سرخ ڈاڑھی پتھروں کے
ٹکڑوں میں پھیلی ہوئی ہے ۔ اس چرواہے کی آہٹ سے فریڈرک
خواب سے بیدار ہوا پوچھا کہ کیا کوّے پہاڑوں پر اُڑ رہے ہیں چرواہے
نے کہا ہاں حضور اُڑتے ہیں تب بولا کہ ایک صدی تک اور سونا
چاہیئے ۔ جب اُس کی ڈاڑھی تین دفعہ پتھر کے گرد لپٹ جاوے گی
اُس وقت وہ اور اُسکے نائٹس نیند سے بیدار ہوں گے اور جرمن
کو غلامی کی حالت سے نکال کر یورپ کی اعلےٰ درجہ کی سلطنت
بناوینگے سوئٹزرلینڈ میں بھی روٹلی ہیں تین ٹیلس ہیں صرف
اس کے منتظر ہیں کہ ملک کی سخت ضرورت کے وقت بیدار ہوں
ایک چرواہا ان کے آرام میں بھی مخل ہوا تیسرے ٹیل کی آنکھ کھل گئی
پوچھا کہ کیا وقت ہے لڑکے نے جواب دیا کہ دوپہر ٹیل یہ کہکر کہ
ابھی وقت نہیں آیا پھر سو رہا اسکاٹلینڈ میں بھی ایل ڈون کی
پہاڑیوں کے نیچے تاؤس ارسیلڈون بھی سو رہا ہے
فرنچ کے مقتولین جو پی لرمو پر مارے گئے تھے سو رہے ہیں
موقعہ کے منتظر ہیں کہ اُٹھکر بدلہ لیں ۔

جب قسطنطنیہ پر ترک قابض ہوئے تو ایک پادری سیکرمنٹ
کے بعض رہبانیت سینٹ صوفیہ کے گرجا کی نقرئی منبر پر ادا کر رہا تھا اس

Marfat.com

شخص نے خدا سے دعا کی کہ یا الٰہی اس متبرک جگہ کی عزت رکھنا۔ اسی وقت دیوار شق ہوگئی پادری سیکرمینٹ لیکر دیوار میں چلا گیا وہاں سر جھکائے حضرت عیسیٰؑ کے سامنے سو رہا ہے اس وقت کا منتظر ہے کہ ترک قسطنطنیہ سے نکالے جاویں اور سینٹ صوفیہ بحر مٹی سے بچے ؛

شمالی امریکہ میں بھی ایک شخص **ربپ وان ونکل** بیس برس تک کیٹس کل کے پہاڑ میں سوتا رہا۔ غرناطہ کا بادشاہ **ابو عبد اللہ** بھی الحمرا کے قلعہ کے پاس ایک پہاڑ میں جادو میں جکڑا ہوا پڑا ہے عرب میں حضرت الیاس بھی خروج دجال کے منتظر ہیں **ایرلینڈ** میں **برین برو ہم** بھی سو رہا ہے اس بات کا منتظر ہے کہ **فی نین** میں ہنگامہ ایسا برپا ہو کہ جس میں لوگوں سے عملی کارروائی کی امید ہو سکے تو وہ آکر ملک کی مدد کرے **ویلس** میں بھی **آرتھر** کی نیند کے قصے لوگوں کی زبان پر ہیں **سمرو یا** میں بھی **نیز لبرز** ہے جو ترکوں کی لڑائی میں **کاسوو** کے مقام پر مارا گیا تھا اس کے بھی دوبارہ ظاہر ہونے کی لوگ امیدیں کرتے ہیں۔ **فلوڈین** کی لڑائی کے بعد ایک صدی تک لوگ اسی امید میں رہے کہ **جیمس** چہارم پھر واپس آوے **پرتگال** میں **سی بیس ٹین** کی نسبت لوگوں کا یہ یقین ہے کہ یہ جوان دلیر بادشاہ جس نے **مور** کو پر حملہ کر کے اپنے ملک کو تباہ کیا تھا کہیں سو رہا ہے جب موقعہ آویگا تو بیدار ہو کر اپنے ملک کو بچاویگا **ناروی** میں **اولف ٹرنگ ویسن** بھی اسی تاک میں ہے **نیپولن بوناپارٹ** کی نسبت بھی فرانس کے کسانوں کا یہی یقین ہے کہ وہ بھی کہیں سو رہا ہے ؛

Marfat.com

ایبس ہیوگاسٹس کا بیان ہے کہ سینٹ جان فلی بھی افی سس میں سو رہا ہے سر جان سینڈی وائل اس کے حالات اس طرح درج کرتا ہے پیتھماس سے لگ افی سم کو گئے یہ ایک عمدہ شہر سمندر کے قریب ہے یہاں سینٹ جان نے وفات پائی اور اسٹیڈ کے پہاڑ کے نیچے ایک قبر میں مدفون ہوا وہاں ایک خوبصورت گرجا ہے ہمیشہ سے اس پر عیسائی قابض رہے ہیں سینٹ جان کی قبر میں اور کوئی چیز سوائے من وسلویٰ کے جس کو طعام الملائک کہتے ہیں نہیں ہے۔ اس کے جسم کو خدا نے بہشت میں اٹھا لیا ہے یہ تمام جگہ اور شہر ترکوں کے قبضہ میں ہیں۔ تمکو سمجھنا چاہیئے کہ سینٹ جان نے اپنی زندگی ہی میں اپنی قبر بنوائی اور جب وہ اس میں لیٹ رہا۔ اس روایت کے موافق بعضوں کا مقولہ ہے کہ وہ مرا نہیں بلکہ خواب راحت میں ہے قیامت کو اٹھے گا۔ دراصل وہاں کوئی عجیب چیز ہے لوگوں نے بارہا قبر کی مٹی کو ہلتے ہوئے دیکھا ہے شاید نیچے کوئی ہلنے والی چیز ہو سینٹ جان کے قصہ کو افی سس سے جو تعلق ہے شاید اس خیال سے لوگوں نے وہاں کے سات شہیدوں کو سات سونے والے سمجھے ہیں ایبس لینڈ کے قصوں میں ہے کہ فیڈمنگر شمالی ناروی کا باشندہ اتفاق سے ایک غار میں جا کر سو رہا تیس برس تک سوتا رہا تیر و کمان پاس پڑے رہے کسی پرند اور درندہ نے اس کو نہ چھیڑا۔

فی الحقیقت بعض لوگوں کے حالات میں درج ہے کہ وہ واقع میں ایک عرصۂ دراز تک سوتے رہے لیکن اس موقع پر میں کسی کو بیان کرنا مناسب نہیں

Marfat.com

سمجھتا کیونکہ قصّہ موجودہ کا ماخذ کوئی سچّا واقعہ نہیں ہے بلکہ اسکو عیسائیوں نے کفار کے قصص سے اخذ کر کے مذہبی قرار دے لیا ہے ٭

سات کا عدد جو اکثر قصوں میں آتا ہے اُس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے **باربرو** سا ہر سات سال کے بعد اپنی نشست بدلتا ہے **شارلی مین** کبھی اتنے ہی عرصہ کے بعد کرسی سے اُٹھتا ہے **اولجر دینمارک** بھی ہر سات سال کے بعد اپنا عصا فرش پر مارتا ہے **سوئیڈات میں اولاف** **ریڈ بیرڈ** بھی اسی قدر عرصہ کے بعد آنکھ کھولتا ہے ٭

میرے یقین کے موافق جس قالب میں یہ دلچسپ قصّہ ڈھالا گیا ہے وہ یہ ہے کہ سرما میں سات ماہ تک زمین آرام لیتی ہے **جرمن** اور **اور سکینڈ نیوین** کے کفاروں کے قصہ میں یہ موجود ہے کہ **ہیرو** سخت ضروریات کے وقت **فادر لینڈ** کی حمایت کے واسطے اُٹھیں گے ٭

عیسائیوں کے اِس مذہبی قصّہ کے موافق بھی یہ جوان شہدا مذہبی الحاد کے وقت اُٹھتے ہیں تاکہ مسئلہ انبعاث موتی پر ایک حقانی شہادت ہو ٭

اگر کفاروں کے قصہ میں کوئی جلال اور عظمت ہے تو اِس عیسائی قصہ میں یہ خوبی ہے کہ یہ ایک عمدہ مذہبی مسئلہ بتاتا ہے **اواگون** کے قصہ پر بھی اِس کو اِس وجہ سے ایک فضیلت ہے **ہاف مین** نے اُسکو ایک دلچسپ قصہ کے طور پر لکھا ہے اور **ٹرائینس** نے اُسکو منظوم کیا ہے ٭

(تمام حقوق محفوظ)

الحمد للہ کہ ہر دو رسائل نافعہ خاص و عام دافعہ وساوس و اوہام

یعنے

سلم الوصول

الی اسرار

اسراء الرسول

و

نزول الملائکہ

از تصنیفات

حامی سنت ماحی بدعت حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

۱۹۰۵ء

فروری

پنجاب سیمیں شہر سیالکوٹ میں منشی فضل دین صاحب مالک و منیجر کے اہتمام سے چھپے

طبع اول (۱۰۰۰)

قیمت (۶) آنہ

پنجاب پریس سیالکوٹ کی عجیب و غریب

ترجمہ جمایل شریف

عاشقان کلام مجید اور شیدائیان [illegible] کے صحیفہ کو خرید کر ثواب دارین حاصل کریں۔ اس میں مندرجہ ذیل خوبیاں [illegible] آسانی ہے اور ہر وقت اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے عاشق کلام مجید کے [illegible] (۲) اصلی متن اور نصف میں اردو ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب کا [illegible] (۳) ہر ایک آیت کا نمبر سورت وار دیا گیا ہے [illegible] ایک فہرست پیمانہ رکوع اور سورتوں کی دیگئی ہے (۵) اخیر میں لغات القرآن بطور فرہنگ شامل کیگئی ہے (۶) کاغذ دبیز سفید لگایا گیا ہے (۷) خوشخطی صحت و صفائی میں ازحد محنت کی گئی ہے۔ (۸) ایسی حمائل شریف با ترجمہ اسقدر خصوصیتوں والی نہ آجتک چھپی ہے اور نہ چھپ ہی سکتی ہے قیمت بہت ہی کم ثابت کر دیگئی ہے تاکہ ادنیٰ و اعلیٰ اسے خرید سکیں۔ مجلد عہ مجلد سنہری (۱۰)

تیسری مترجم آوراد عشرہ

صفحہ ذیل دس اعلیٰ درجہ کے اوراد جیبی تقطیع پر بیک جا چھاپے گئے ہیں سونے نفیس کاغذ پر اعلیٰ درجہ کے خوشخط خوشنما اور جلی قلم سے لکھے گئے ہیں نصف صفحہ میں عربی نصف میں بامحاورہ اردو ترجمہ کیا گیا ہے نہایت ہی عجیب و غریب ہے خواہ مخواہ پڑھنے کو دل چاہتا ہے ہر ایک مسلمان کے پاس انکا ہونا ضروری ہے (۱) قرآن [illegible] (۲) اوراد فتحیہ (۳) دعا منثی (۴) درود مستغاث (۵) کلمہ طیبہ اکبر (۶) قصیدہ [illegible] (۷) [illegible] (۸) دعائے گنج العرش (۹) مختلف بزرگوں کی دعائیں (۱۰) متفرق دعائیں [illegible] قیمت ۱۲ر مجلد ۱۰ر

Marfat.com

سلم الوصول

اسرآء الرسول

لآ الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

الحمد للہ الاول الاحد ✤ الواحد الملک العدل الصمد ✱ الحکم الواسع
الودود ✤ المصوّر السّلام العلام المحمود ✱ مکوّر الدھور ✤
ومصلح الامور ومصور الصور ✱ ھو اللہ لآ الٰہ الا ھو ✤ ولا مالک ولا
ولی لما سور سواہ ✱ محآء للمعآر والاصار ✤ وعلام الاسرار ✱
ومسہّل الاوطار ✤ وممطر الامطار ✱ مصحح الدآء ✤ وارحم الرحمآء ✱
سامع العود والھود والدعآء ✤ وسامح المکارم والآلآء ✱ لہ
الحول والعلآء ✤ ولہ الطول والعطآء ✱ اعلیٰ سمک السمآء ✤ و
سطح المھاد واسر المآء ✱ رکد المھاد ✤ و طوّد الاطواد ✱ علم
ادم الاسماء کلّھا ✤ وحمل اولادہ سھلا ومآء ✱ احمدہ
حمداً لاحد ولا امد لہ ✤ وامدحہ مدحا لا عد لہ ولا کد معہ ✱
حامدہ کل ما سور ✤ وسائلہ کل عاسور ✱ والسّلام
لاکمل الاعم ✤ علی رسولہ الاکرم ✱ ومرسلہ المکرم
مودود کل صالح ✤ ومحسود حسن طالح ✱ ارسلہ اللہ
العلام ✤ مسدد العمائد الاسلام ✱ وممھد المسالک

Marfat.com

مسوالح الاحکام ✣ ومحدد الحدود الحلال والحرام ✣ ومهدداً
لاعداء الاسلام ✱ اعطاہ **صروح الاء** ✣ واصعدہ
سماء السماء ✱ حصل لہ المرام ✣ وکمل علاہ الاکرام
وعدہ اللہ الودود ✣ المورد الاطہر والمحل المحمود ✣ ولواء
الحمد والعطاء الموعود المعہود ✱ **وعلی** عراسہ امام
اہل الاسلام ✣ والہ الاطہار الکرام ✣ ورہطہ الاحرار اولی الاحلام
وسائر رسلہ واملاکہ اولی العلاء والاکرام ✱

اَمَّا بَعْدُ پس واضح ہو کہ رسالہ "شہادت القرآن" میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کا بجسدہ العنصری آسمان پر اُٹھایا جانا بغایت تحقیق ونہایت تدقیق معقولاً ومنقولاً ثابت
کر دیا گیا ہے اور لفظ توفی کی نسبت بڑی عجیب ودلچسپ بحث سی بحوالہ کتب لغت ومحاورات
عرب وتفاسیر معتبرہ محقق کر دیا گیا ہی کہ اس لفظ کے معنی بحسب الوضع اخذ الشئی وافیاً
ہیں یعنی کسی چیز کو پورا پورا پکڑ لینا۔ اور براہین قویہ قاہرہ سے رفع الی السماء کو معقولی طور
پر ممکن الوقوع ثابت کر دکھایا ہے۔ اور حضرت روح اللہ علیہ السلام کے رفع آسمانی
اور نزول عینی کی حکمت لطیف طور پر قرآن شریف سے بیان کی گئی ہے جس کے بعد
سلیم الفطرت انصاف پسند محقق شخص کو کوئی شک باقی نہیں رہ سکتا اور مخالف کے
پاس اس کے نقض وتردید میں بجز انواع حیل کاسدہ واوہام فاسدہ کے اور کچھ نہیں ✣
چونکہ مرزا غلام احمد صاحب نے بھی رسول اللہ صلعم کے معراج جسمانی کا انکار حضرت
روح اللہ علیہ السلام کے انکار رفع الی السماء کے ضمن میں کیا ہے اور اُنکے انکار کی
یہاری وجہ بھی یہی ہے کہ تا معراج جسمانی کے اقرار سے رفع عیسوی کا بھی اقرار لازم
نہ آوے۔ ورنہ اُنکا معراج جسمانی کا انکار کسی دلیل نقلی یا عقلی پر مبنی نہیں ہے اور
نیز مرزا صاحب کے بعض مرید عوام الناس کو اس مغالطہ میں ڈالتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ

Marfat.com

کے رفع الی السماء سے جناب رسول اللہ سید الثقلین صلعم کی کسر شان لازم آتی ہے اسلئے رسالہ شہادت القرآن مثبتہ حیات و رفع عیسوی کے لکھنے کے ایام میں عزم مصمم کرلیا کہ اس کتاب کے ختم ہونے پر ایک رسالہ مثبتہ معراج جسمانی بھی جلدی تیار کیا جاوے۔ تاکہ آں حضرت صلعم کا معراج جسمانی حضرت عیسی علیہ السلام کے رفع یعنے معراج کی نظیر بھی ثابت ہوجائے اور یہ بھی ظاہر ہوجائے کہ حضرت خاتم النبیین صلعم کو معراج عیسوی سے بڑھکر اعلیٰ و ارفع معراج ہوا تھا لہذا حضرت عیسی علیہ السلام کے رفع الی السماء میں آپکی کوئی منقصت نہیں مگر چونکہ رسالہ شہادت القرآن کے ایام طبع ہی میں اس عاجز کو سفر حج کا اتفاق پڑا جو اللہ تعالی کے بہت بھاری احسانات میں سے ہے اور اس میں قریبًا چھ ماہ لگے اس لئے اتنی مدت تک اس رسالہ معراج کی بابت اہتمام نہ ہوسکا۔ اب باسلامت واپس آنے پر سب سے پہلا کام یہی رسالہ معراج کا لکھنا مناسب سمجھا لیکن بہ سبب چند عوائق و موانع کے اہتمام طبع نہ ہوسکا۔ والالتماس من کرام الناس ان یعفوا الزلل ویسدوا الخلل لان جهد المقل مشکور وباذل الوسع معذور وانا العبد الحقیر الراجی رحمة ربه الکریم الکبیر العاجز محمد ابراهیم میر السیالکوتی

اللّٰھم تقبل منی کما تقبلت من خلیلک الحنیف الاواه الحلیم انک انت السمیع العلیم واغفرلی خطیئتی یوم الدین وارحم من احسن الی من المسلمین ولا تخزنا یوم یبعثون یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی الله بقلب سلیم واجعل لی لسان صدق فی الاخرین واجعل اعمالی کلها صالحة خالصة لوجهک الکریم **اللّٰھم** انت عضدی ونصیری بک احول وبک اصول فکن لی جارا من شر من عادانی من المعاندین واحفظنی من فتنة الشیطان وحزبه حکما تحفظ عبادک الصالحین۔

اس کتاب میں ایک **مقدمہ** اور ایک **وصل** اور **دو فصلیں** ہیں +

مقدمہ میں اس امر کا بیان ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اکابر اولیائے کرام قوئی جسمانیہ و روحانیہ میں خلقۃً و استعداداً دیگر افراد بنی آدم سے ممتاز ہوتے ہیں

وصل میں آیت ولن تجد لسنتنا تحویلا وغیرہا کی صحیح تفسیر ذکر کی گئی ہے۔

فصل اول میں معراج جسمانی کو آیات کتاب اللہ و حدیث رسول اللہ صلعم سے ثابت کیا گیا ہے اور اسکے بعد علمائے اُمت اسلاف و اخلاف کے اقوال نقل کئے گئے ہیں۔ دوسری فصل میں منکرین معراج کے شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے*

مقدمہ

اللہ تعالیٰ منعم حقیقی و جواد مطلق نے انسان کو قوی روحانیہ و جسمانیہ ہر دو قسم عنایت فرمائے ہیں۔ تاکہ بوقت حاجت اُنہیں رفیق راہ بنائے اور بتوفیق ایزدی اپنے مطلب و مقصود کو پائے اگرچہ یہ سب اسباب ہمجنسوں میں ایک سی باغ کے خوشحال پودے ہیں۔ مگر حدیقہ پیرائے قدرت ہر ایک کی تربیت مناسب اسباب اور مناسب مقدار سے کرتا ہے اور اسکی حکمت بالغہ اسی امر کی مقتضی ہے۔ تفاوت طبایع کا مسئلہ حکمائے سلف و خلف میں بالاتفاق مسلم ہے۔ ان ہمجنسوں میں بعض افراد ایسے بھی معلوم و مشاہد ہیں جو کسی نہ کسی خصوصیت میں دیگر بنی نوع سے ممتاز و متمیز ہیں اور یہ امر تفاوت و تفضیل صرف روحانی قوت ادراک میں ہی نہیں بلکہ قوئی محرکہ میں اس سے بھی زیادہ واضح و ظاہر ہے اور ایسا عیاں ہے کہ محتاج بیان نہیں۔ اسی طرح ہر انسان کی شکل و صورت۔ قد و قامت۔ قوت و طاقت شجاعت و ہمت۔ ادراک و تمیز اور اخلاق و عادات میں فرق بین ہے۔ اور ان امور مذکورہ میں بعض کا بعض سے افضل و اعلیٰ ہونا روز روشن کی طرح ظاہر ہے

Marfat.com

یہ تفاوت و تفضیل صرف نوع انسانی ہی میں نہیں پائی جاتی بلکہ اس کارخانہ قدرت میں جس طرف نظر اٹھاؤ اس حکیم کی صنعت عجیبہ و حکمت غریبہ نادر طور پر تمہارے علم کو محدود اور تمہاری عقل کو حیران کرتی جائیگی۔ چنانچہ سورہ ملک میں فرمایا ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک البصر خاسئاً وھو حسیر یعنے ہماری قدرت میں بار بار نظر کر تو تیری نظر کھسیانی ہوکر تیرطرف لوٹ آئیگی اور کوئی نقص نظر نہ آئیگا۔ شاہ پرخیال سے بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر پرواز کرکے اسکی قدرت کے کرشموں کا مشاہدہ کرلو کہ بعض پہاڑ اپنی بلندی کے اعتبار سے اور بعض قیمتی اشیاء کی کانوں کی وجہ سے دیگر ہمجنسوں پر کس طرح فوقیت رکھتے ہیں۔ غواصِ توجہ کو سمندر کی تہ میں غوطہ دو اور اپنی آنکھوں دیکھ لو کہ بعض سمندر دوسروں پر قیمتی موتیوں کے مخزن ہونیکا کیسا فخر رکھتے ہیں۔ سمندِ فکر کو روئے زمین کے وسیع میدانوں میں جولان دو اور معائنہ کرلو کہ بعض ریگستان ہیں۔ بعض سہیل میدان بعض سنسان جنگل ہیں۔ اور بعض میں انواع و اقسام کے طیور و بہائم جو صبح و شام اس سبوح قدوس کی تسبیح گاکر جنگل میں منگل منا رہے ہیں۔ اسی طرح اجرام فلکیہ کی طرف نظر اٹھاؤ تو اس میں بھی آفتاب و ماہتاب ایسے نظر آئینگے۔ جنکے سامنے دیگر سب ستارے بے حقیقت ہوکر مات پڑجاتے ہیں۔ اسی طرح نوع انسانی میں اس خالق حکیم نے بہت سے ایسے افراد پیدا کئے ہیں جنکے نفوس طیبہ ان قیمتی موتیوں اور ان کے صدور صافیہ ان لعل خیز معدنوں اور اُن کے قلوب نورانیہ کے فیض اس عالمتاب نیراعظم اور اُن کی برکات اس رونق بخش بادلوں سے بدرجہا افضل و اعلیٰ ہیں۔ بلکہ ان اشیاء کی اُن کی برکات و فیوض کے مقابلہ میں کچھ بھی حقیقت نہیں۔ کیونکہ ان اشیا کا مفید ہونا بغیر اختیار و ارادہ کے ہے اور خود یہ محض بیجان ہیں۔ یہ افراد صلوات اللہ علیہم وسلامہ حسب استعداد فیوض

Marfat.com

رحمانیہ سے مستفیض ہوتے ہیں اور اپنی فطرت کے مطابق انعامات جزیلہ و مواہب جلیلہ کے موارد بنتے ہیں۔ ان افراد سے میری مراد انبیاء علیہم السلام اور اُن کے متبعین میں سے اکابرِ اولیائے عظام ہیں کہ مخلوق الٰہی میں اُن کے میزان پر اَور کوئی نہیں تُل سکتا + انبیاء علیہم السلام کا قویٰ روحانیہ و مدرکہ میں ایسا ممتاز ہونا کہ دیگر افراد بنی آدم کیا اکابر صدیقین اور کیا اَور سب کے سب اُنکی تربیت کے محتاج ہوں ہر مقرِّ نبوت کے نزدیک مسلم ہے لہٰذا اس امر کو اس کتاب میں ثابت کرنیکی ضرورت نہیں۔ مومن۔ متبع سنت مقتفی آثار سلف کیلئے تفاسیر و کتب حدیث میں اسکی مثالیں بہت ہیں۔ مثلاً رسول اللہ صلعم کا نماز میں صحابہ کی صفوں کو بحالت امامت اپنے پیچھے سے دیکھ سکنا (صحیح بخاری) اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا چیونٹی کی آواز کو سُن اور سمجھ لینا اور اُن کے اکابر متبعین میں سے ایک کا بلقیس شہزادی کے تخت کو آنکھ جھپکنے میں اُن کے سامنے لا حاضر کرنا۔ (سورۂ نمل ۴) اور حضرت یعقوب ؑ کو حضرت یوسف ؑ کے کرتے کی خوشبو کا بہت بعید فاصلے سے پہنچ جانا اور اُن کا باوجود مدت مدید کی مفارقت کے اُسے پہچان لینا۔ وغیرہ اور انکے دیگر کمالات اعجازی طور پر دوسروں سے بدرجہا قوی تر ہیں۔ گو اُن کے جسم اور اعضا بالکل دوسروں کی مانند نظر آتے ہیں۔

وصل

بعض لوگ آیت ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلا کو معجزہ اور کرامت کے انکار کا بہانہ بناتے ہیں حقیقت میں وہ اس قول و خیال میں سخت غلطی پر ہیں۔ کیونکہ اس آیت کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ سارے قرآن شریف میں جہاں کہیں سنۃ اللہ یا عدم تبدیل کا حکم لگایا گیا ہے۔ ان سب مقامات میں سنۃ اللہ سے مراد

عذاب الٰہی ہے۔ اور قرآن شریف میں اس امر کا ایسا التزام کیا گیا ہے۔ کہ سارے قرآن شریف میں ایک مقام بھی اس سے خالی نہیں۔ سو اللہ تعالیٰ اس عذاب مہلک کی نسبت فرماتا ہے۔ کہ میرے بھیجے ہوئے عذاب کو نہ تو کوئی بدل سکتا ہے اور نہ کوئی ٹال سکتا ہے۔ اس امر کے سمجھنے کا آسان طریق یہ ہے کہ انصاف پسند طالب وہ سب مقامات جہاں یہ الفاظ یا اُن کے ہم معنے الفاظ وارد ہوئے ہیں نکال کر ماقبل و مابعد پر بغور نظر کرے تو بفضلہ تعالیٰ ان الفاظ کے ساتھ ہی عذاب الٰہی کا ذکر بالتصریح موجود ہوگا۔ پس قاعدہ نظم و ارتباط قرآن کریم اس کو اس امر کی تسلیم پر مجبور کر دیگا۔ کہ ان سب آیات میں سنۃ اللہ سے مراد عذاب الٰہی ہے۔ چنانچہ وہ سب مواضع ذیل میں درج کیجاتی ہیں۔ ناظرین بنظر انصاف ملاحظہ فرمائیں اور حق کی داد دیں ؎

موضع اول

وان کادوا لیستفزونک من الارض لیخرجوک منها فاذا لا یلبثون خلفک الا قلیلا سنۃ من قد ارسلنا قبلک من رسلنا ولا تجد لسنتنا تحویلا

(سورہ بنی اسرائیل رکوع)

اے پیغمبر! کفار مکہ تو تم کو سرزمین مکہ سے اُکھیڑ ہی چلے تھے کہ تم کو اس سے باہر نکالیں اور ایسا ہوتا تو تمہارے پیچھے یہ لوگ بھی چند روز سے زیادہ نہ رہنے پاتے۔ تم سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے ان سب کے متعلق ہماری یہی سنت رہی ہے اور تم ہماری سنت کو کبھی بھی بدلتے ہوئے نہ پاؤ گے ؎ اس مقام پر صاف مذکور ہے کہ کفار مکہ پیغمبر صلعم کو مکہ شریف سے خارج کرنا چاہتے تھے۔ حق تعالیٰ نے آپکی تسلی فرمائی۔ کہ اگر آپ کو یہاں سے نکال دینگے تو آپ کے پیچھے یہ لوگ خود بھی تھوڑا ہی بسینگے۔ کیونکہ دشمنان انبیاء سے ان کا انتقام لینا ہماری قدیمی سنت ہے۔ اور یہ کبھی بھی محول نہ ہوگی۔ اس سورت کے اخیر رکوع میں فرعون کا ذکر فرمایا:۔

Marfat.com

فاراد ان یستفزھم من الارض	فرعون نے چاہا کہ بنی اسرائیل کو ملک میں سے
فاغرقناہ ومن معہ جمیعا وقلنا	اکھیڑ کر باہر کرے اور ہم نے اُس کو اور جو
لبنی اسرائیل اسکنوا الارض (اسراء ع)	اُس کے ساتھ کے تھے سبکو غرق کر دیا۔

گویا پہلے دشمنان انبیاء میں سے ایک دشمن فرعون کا ذکر کر کے سنۃ جاریہ کی ایک نظیر و مثال بھی ذکر فرما دی

موضع ثانی

لئن لم ینتہ المنفقون والذین فی	منافق اور وہ لوگ جنکی نیتیں بد ہیں۔ اور جو
قلوبھم مرض والمرجفون فی المدینۃ	لوگ مدینہ میں جھوٹی افواہیں اڑایا کرتے
لنغرینک بھم ثم لا یجاورونک	ہیں اگر اپنی حرکات سے باز نہ آئینگے۔ تو
فیھا الا قلیلا ملعونین اینما ثقفوا	اے پیغمبر ہم تم ہی کو (ایک نہ ایک دن)
اخذوا وقتلوا تقتیلا سنۃ اللہ	اُن پر مسلط کر دینگے۔ پھر یہ لوگ مدینہ میں تمہارے
فی الذین خلوا من قبل ولن تجد لسنۃ	پاس نہیں پائینگے مگر چند روز (عارضی
اللہ تبدیلا (احزاب ع)	طور پر) پھر ان کا یہ حال ہوگا کہ جہاں

پھٹکارے ہوئے جہاں ملے پکڑا اور مار کر ٹکڑے اُڑا دیئے۔ جو لوگ پہلے ہو گزرے ہیں ان میں بھی خدا کا یہی دستور رہا ہے۔ اور اے پیغمبرؐ تم خدا کے دستور میں ہرگز تبدیلی نہ پاؤ گے" اسمیں بھی عذاب آخرت کا ایسا صریح ذکر ہے کہ محتاج بیان نہیں۔

مقام سوم

ولا یحیق المکر السیئ الا باھلہ فھل	اور بری تدبیر (الٹی) بری تدبیر کرنے والے
ینظرون الا سنۃ الاولین فلن تجد	ہی پر پڑتی ہے۔ تو کیا یہ لوگ اسی سنت کے
لسنۃ اللہ تبدیلا ولن تجد لسنۃ اللہ	منتظر ہیں جو اگلے لوگوں کے ساتھ برتی گئی
تحویلا اولم یسیروا فی الارض فینظروا	تو پھر اے پیغمبرؐ تم خدا کی اس سنت کو ہرگز

Marfat.com

کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم (فاطر ع)	بدلتی اور ملتی نہ پاؤ گے۔ کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں۔ کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں انکا کیسا خراب انجام ہوا" اس مقام پر بھی عذاب صاف طور پر مذکور ہی لہذا تفصیل کی ضرورت نہیں +

موضع چہارم

ولو قاتلکم الذین کفروا لولوا الادبار ثم لا یجدون ولیا ولا نصیرا سنۃ اللہ التی قد خلت من قبل ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا (فتح ع)	اور اگر کافر اسوقت تم مسلمانوں سے لڑتے تو ضرور پیٹھ کر بھاگ جاتے۔ پھر اُن کو نہ کوئی حامی ہی ملتا اور نہ مددگار۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے جو پہلے سے ہوتی چلی آئی

ہے۔ اور اے پیغمبر تم اللہ کی سنت کو تبدیل ہوتے نہ پاؤ گے "

اس آیت میں بھی کفار کی سخت پسپائی اور کس مپرسی حالت اور ہلاکت کا ذکر ہے پس سنۃ اللہ پر عدم تبدیل کا حکم جن مواضع میں لگایا گیا ہے۔ وہ بھی چار آیتیں ہیں جو اوپر ذکر ہوئیں۔ علاوہ اس کے اس مضمون عدم تبدیل عذاب الٰہی کو مواضع کثیرہ میں بالفاظ دیگر بیان کیا ہے۔ گویا وہ آیات تفسیر ہیں سنۃ اللہ کی چنانچہ سورۂ مومن کے اخیر میں فرمایا۔ جب انہوں نے ہمارے عذاب ہلاکت کو آتے دیکھ لیا

فلم یک ینفعھم ایمانھم لما رأوا بأسنا سنۃ اللہ التی قد خلت فی عبادہ وخسر ھنالک الکفرون (مومن ع ۹)	تو اسوقت اُن کا ایمان لانا کچھ بھی مفید نہ ہوا۔ یہ سنۃ اللہ ہے جو ہمیشہ اس کے بندوں میں جاری ہے اور نزول عذاب

کے وقت کافر ہی خسارے میں رہے " اسی طرح سورہ انعام اور سورہ یوسف میں

ولا یرد بأسہ عن القوم المجرمین (انعام) ولا یرد بأسنا عن القوم المجرمین (یوسف ع ۱۲)	کہ مجرم لوگوں کے سر پر سے ہمارا عذاب کسی صورت سے نہیں ٹل سکتا "

اس بیان و تفصیل سے ناظرین انصاف گزین پر روشن ہو گیا کہ متقدمین

Marfat.com

کا انکار معجزہ و کرامت کے لئے آیت ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلا وغیرہ سے تمسک کرنا بغایت ضعیف و نہایت سخیف ہے۔ قوانین الٰہیہ کا کوئی شخص احاطہ نہیں کر سکتا۔ اُس نے ہر امر کے لئے قانون اور وقت مقرر کئے ہیں جن کو نہ ہم جانتے ہیں اور نہ اُن کی حقیقت و کیفیت کو پہنچ سکتے ہیں۔ معجزہ اور کرامت بھی ایک قانون ہے جو وہ اپنی قدرت کاملہ کے ظاہر کرنے اور منکرین پر اپنی حجت بالغہ کے پورا کرنے کے لئے وقت مقرر پر ظاہر کرتا ہے پس معجزہ و کرامت کو داخل و موافق قانون قدرت سمجھنا چاہئے نہ کہ خلاف و خارج۔ ہاں خلاف عادت ضرور ہوتے ہیں اور اسی بات سے اُنکی بالادستی قدرت انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کے لئے ظاہر ہوتی ہے جس سے وہ غیر لوگوں اور جھوٹے مدعیان نبوت سے متمیز ہو جاتے ہیں اس مضمون کو ہم نے رسالہ "شہادت القرآن" میں قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے طالب تفصیل اُسکا مطالعہ کرے ۔

فصل اوّل

در بیان اثبات معراج جسمانی از قرآن و حدیث

سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ لنریہ من اٰیاتنا انہ ھو السمیع البصیر (سورت اسراء ع۱)

وہ (خدا عجز و درماندگی کے عیب سے) پاک ہے جو اپنے بندے (محمدؐ) کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لیگیا جس کے گرد اگرد ہم نے برکتیں دے رکھی ہیں تاکہ ہم اسکو اپنی قدرت کے چند نمونے دکھائیں۔ وہ خدا سب کی باتیں سُننے اور سب کو دیکھنے والا ہے

سبحان الذی :۔ اللہ تعالےٰ علیم حکیم نے قرآن شریف کی سورتوں کو مختلف

مناسب مناسب عنوانوں سے شروع کیا ہے۔ اور یہ انواعِ افتتاح تعداد میں دس ہیں۔ اوّل ان میں سے حمد و ثنائے الٰہی ہے۔ اور **ثنا** دو قسم پر ہے۔ **تحمید** اور **تسبیح** **تحمید** تو یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کو صفاتِ جلال و نعوتِ کمال کے ساتھ موصوف جانا جائے۔ اور **تسبیح** یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صفاتِ نقص سے منزہ و مبرا مانا جائے سو پانچ سورتیں فاتحہ۔ انعام۔ کہف۔ سبا اور فاطر کلمہ الحمد للہ سے اور دو سورتیں فرقان اور ملک تبارک الذی سے شروع ہوتی ہیں۔ اور سات سورتیں بنی اسرائیل۔ حدید۔ حشر۔ صف۔ جمعہ۔ تغابن اور اعلےٰ کے ابتدا میں عنوان تسبیح ہے۔ پس ہر دو تحمید اور تسبیح سات سات سورتوں کے شروع میں وارد ہوئیں۔ **تسبیح** ایک ایسا کلمہ ہے جسے ذات باری نے صرف اپنی ذات کے لئے خاص کیا ہے اور غیر پر اس کا اطلاق جائز نہیں۔ اور چونکہ قصہ **معراج** میں اللہ سبحانہ کے کسی مکان میں متحیز ہونے کا وہم ہو سکتا تھا۔ جو شانِ الٰہی کے شایان نہیں۔ اسلئے اس سورت اسراء کو لفظ سُبحان سے شروع کر کے وہم تحیز و تمکن کو دور کر دیا۔ **دیگر** یہ کہ معجزہ ایک ایسا عظیم امر ہے کہ بوجہ خلاف و خارق عادت ہونے کے بہت سے کوتاہ نظر متعقلین کے لئے موجب حیرانی و باعث سرگردانی ہوتا ہے اور سیر معراج رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعجازی کمال ہے اور اس میں جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر جانا اُن کے نزدیک مستبعد اسلئے جل اللہ تعالیٰ حکیم علیم نے اس سورۂ اسراء کو عنوان سُبحان سے بیان فرمایا۔ اور ہر دو وہم دور کر دیئے ✦

یہ دونوں وجہیں جو مذکور ہوئیں معراج جسمانی کی بڑی بھاری تائیدیں ہیں۔ کیونکہ تسبیح کی اُسوقت ضرورت پڑتی ہے جب کوئی امر عظیم خارق عادت مذکور ہو ورنہ امر موافقِ عادت مستمرہ کے لئے اسکی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ ایسا ہی تفسیر ابن کثیر میں بھی ہے۔ چنانچہ عنقریب ذکر کیا جائیگا۔ انشاء اللہ تعالےٰ ✦

اسریٰ فعل اسراء متعلق جواز کے ہے نہ ارواح کے۔ چنانچہ علامہ فیومی مصباح میں فرماتے ہیں۔ سریت اللیل و سریت بہ سریا و اسم السرایۃ اذا قطعتہ بالسیر اور لسان العرب میں اسی آیت سبحان الذی اسریٰ بعبدہ کے معنی سیر بعبدہ نقل کئے ہیں پس ثابت ہوا کہ اسراء نبوی صلعم جسمانی تھا نہ کشفی و منامی۔ قرآن شریف میں دیگر مقامات میں یہ لفظ انتقال مکانی ہی کے معنوں میں آیا ہے چنانچہ سورہ شعرا میں فرمایا۔ واوحینا الی موسیٰ ان اسر بعبادی لیلا الایۃ یعنے ہم نے موسیٰ ؑ کو وحی کی کہ میرے بندوں یعنی بنی اسرائیل کو راتوں رات لے چل۔ اور اسی طرح سورہ حجر میں فرمایا فاسر باھلک بقطع من اللیل الایۃ یعنی اے لوط ؑ اپنے اہل و عیال کو کچھ رات رہے اس بستی سے لے نکل۔ ناظرین پر واضح ہو گیا کہ ان آیتوں میں اسراء کے معنے اپنے بدن کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے ہیں۔ وھذا ھوالمراد۔

دیگر یہ کہ ذات باری سبحانہ نے فعل اسراء کی اسناد اپنی طرف کی نہ رسول اللہ صلعم کی طرف۔ کیونکہ یہ سیر معراج جسمانی اگرچہ رسول اللہ صلعم کی اپنی قدرت سے متبعہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر نظر بہ قدرتِ باری سبحانہ اس میں کوئی استبعاد نہیں اسی طرح حضرت روح اللہ علیہ السلام کے رفع سماوی کے بارے میں رفع کی نسبت اپنی طرف کی نہ عیسیٰ علیہ السلام کی طرف کیونکہ آسمانوں پر زندہ چڑھ جانا اگرچہ حضرت عیسیٰ السلام کی اپنی قوت سے بعید ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ عزیز حکیم کی قدرت کے آگے کچھ چیز نہیں۔ افاد ذلک الامام الرازی رح تحت قولہ تعالےٰ بل رفعہ اللہ الیہ کما نقلنا ذلک فی رسالتنا شہادت القرآن فلینظر ثمہ

بعبدہ فرمایا بروح عبدہ نہیں کہا۔ کیونکہ عبد سے مراد روح مع جسم ہوا کرتا ہے نہ مجرد روح۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے۔ فان العبد عبارۃ

Marfat.com

عن مجموع الروح والجسد وقد قال اسری بعبدہ اور امام فخر الدین رازی رح نے بھی اس آیت کے ذیل میں اس امر کو بہ بسط محقق کیا ہے۔

قرآن شریف میں رسول اللہ صلعم کی ذات بابرکات کے لئے دیگر مواضع میں بھی لفظ عبد اور عبد اللہ وارد ہوئے ہیں اور ان مواضع میں مراد جسم مع روح ہے جیسے سورۂ علق میں فرمایا۔ ارأیت الذی ینھی عبداً اذا صلے یعنی اے پیغمبر کیا تم نے اس شخص کے حال پر نظر کی ہے جو ہمارے ایک بندے کو جب وہ نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو منع کرتا ہے۔ نماز وغیرہ اعمال و افعال متعلق جسم ہوتے ہیں نہ متعلق روح **دوسری** آیت سورۂ جن میں فرمایا۔ وانہ لما قام عبد اللہ کادوا یکونون علیہ لبدا۔ یعنی جب بندۂ خدا (محمدؐ) عبادت کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو لوگ اسکے گرداگرد ہو کر چمٹ جانے کے قریب ہو جاتے ہیں اس آیت میں بھی ذات بابرکات آں حضرت صلعم کو عبد اللہ کہا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ قیام بالدعا وغیرہ جسم کا کام ہے نہ مجرد روح کا۔ اور لوگوں کا اجتماع جسم کے گرد ہوتا ہے نہ روح کے پس جب معراج کی بابت بھی بعبدہٖ کہا تو ثابت ہوا کہ جسمانی تھا۔

لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصٰے :۔ جملہ کتب نحو میں یہ امر مصرح ہے کہ من ابتداء کے لئے آتا ہے۔ اور الی انتہاء غایت کے لئے۔ پس جب اس سیر کی ابتدا اور انتہا ذکر کی تو قول بالکشف باطل ہوا اور صاف ظاہر ہو گیا۔ کہ یہ سیر بصورت انتقال من مکان الی مکان آخر تھا۔ کیونکہ حالت کشفیہ کے ذکر میں ابتدا اور انتہا سے بحث نہیں کی جاتی بلکہ صرف شئی مکشوف کا ذکر ضروری ہوتا ہے اور بس۔ جیسا کہ اسی معراج کے بعد سوال کفار کے وقت بیت المقدس کو مرفوع کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کیا اور اس ذکر میں ابتدا اور انتہا کا مطلقاً ذکر نہیں۔ اسی طرح حضرت فاروق اعظم رض کا حالت

Marfat.com

خطبہ میں سآریہ بن زنیم کو ندا کرنا بھی کشفی حالت ہے اور اس میں ابتدا و انتہا کا ہرگز ذکر نہیں۔ کیونکہ کشف کی حقیقت یہ ہے کہ درمیانی حجاب جو شئی مکشوف کے دیکھنے سے مانع ہوتے ہیں مرفوع ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ بینائی میں ایسی قوت بخشے کہ شئی مکشوف کا ادراک حسب ارادہ الٰہیہ اچھی طرح سے ہو سکے۔ پس جب اس قصہ اسرار میں اس سیر کی ابتدا اور انتہا ذکر کی گئی تو معلوم ہوا کہ یہ انتقال مکانی بالجسد تھا۔ نہ کسی اور طرح سے۔ فافہم وتدبر + اور باوجود اسری میں معنے رات کے موجود ہونے کے پھر لیلاً کی تصریح اسلئے کی کہ تا معلوم ہو جاوے کہ اس سیر کی ابتدا و انتہا، اور ذہاب و ایاب ہر دو رات کے کچھ حصہ میں ہوئے۔ کیونکہ اگر لیلاً کی تصریح نہ کی جاتی تو یہ وہم باقی رہتا کہ بیشک اسراء کی ابتداء تو رات کو ہوئی مگر اسکی انتہا حسب عادت مستمرہ ہوئی۔ پس اسراء معجزہ ثابت نہ ہوتا فسبحان اللہ ما افصح کتابہ +

اس تفصیل و بیان سے بخوبی معلوم ہو گیا کہ قرآن شریف سے یہی ثابت ہے کہ اسراء نبوی صلعم آپ کو جسمانی کرایا گیا تھا۔ اور نبی صلعم نے اسی امر کا کفار کے سامنے اظہار کیا۔ چنانچہ حدیث صحیح مسلم اس امر کی بالتوضیح مظہر ہے کہ جب کفار مکہ نے معراج کے بارے میں آپ کی تکذیب کی اور انہوں نے معاذ اللہ آپ کے دعوے معراج جسمانی کو باطل کرنے کے لئے آپ سے بعض علاماتِ بیت المقدس کی نسبت سوال کئے۔ تو اس وقت کی بابت آنسرور صلعم فرماتے ہیں فکربت کربۃ ما کربت مثلہ قط یعنی مجھے ایسا کرب و اضطراب اور غم ہوا کہ اس سے پیشتر کبھی ایسا شدید غم اور قلق نہ ہوا تھا۔ پس اگر آپ کا دعوی سیر کشفی یا روحانی و منامی کا تھا۔ تو اس گھبراہٹ اور غم کی کیا وجہ تھی۔ آپ نہایت آسانی سے کہہ سکتے تھے کہ میرا دعوی سیر جسمانی کا تو نہیں کہ علامات کا بتانا ضروری ہو۔ دیکھتے نہیں جل

Marfat.com

کے متعقل لوگ مخالفین کے سامنے بھی عذر کرنے مخلصی چاہتے ہیں۔ تو کیا رسول اللہ صلعم صاحبِ حال کو ایسا نہ سوجھا؟ فتدبر ٭

اس جگہ ایک اور نکتہ قابل ذکر ہے۔ کہ کفار کے ان سوالات معروضہ کے جواب کے لئے اللہ تعالےٰ نے بیت المقدس کو مرفوع کیا۔ حتیٰ کہ آپ صلعم اسے دیکھ دیکھ کر علامات بتانے لگے۔ چنانچہ صحیح مسلم شریف میں اسکے آگے یوں فرماتے ہیں فرفعہ اللہ لی انظر الیہ ما یسئلونی عن شئ الا انبأتہم بہ الحدیث یعنی اللہ تعالےٰ نے میرے لئے بیت المقدس کو میرے سامنے اونچا کر دیا۔ کہ میں اُسکی طرف دیکھ دیکھ کر جو سوال وہ کرتے تھے اس کا جواب دیتا تھا۔ بیت المقدس کا آپ کے سامنے مرفوع کر دینا بھی کوئی امر مستبعد نہیں کیونکہ اسکی نظیر رفع تختِ بلقیس ملکہ سبا قرآن شریف میں موجود ہے اور اسے اہل اصطلاح اعدام اور ایجاد کہتے ہیں ٭ اس سیر کے لئے سواری براق جو صحیح بخاری سے ثابت ہے۔ نیز اس امر کی مؤید قوی ہے کہ یہ سیر آپ کو جسم مبارک کے ساتھ کرایا گیا تھا۔ کیونکہ سواری کی حاجت جسم کو ہوتی ہے نہ کہ روح کو۔ کیونکہ روح ایک ایسی لطیف شئی ہے کہ اپنی حرکت کے لئے کسی سواری وغیرہ کی محتاج نہیں ہوتی

اثبات معراج آسمانی۔ اس بیان و تفصیل کے بعد اگر کوئی یہہ سوال کرے کہ سورہ بنی اسرائیل میں صرف مسجد حرام سے مسجد اقصےٰ تک کے سیر کا ذکر ہے اور آسمان کا ذکر نہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ قرآن شریف میں کسی جگہ ایجاز و اختصار ہوتا ہے اور کسی جگہ اطناب و اسہاب۔ کہیں کوئی امر مذکور ہوتا ہے اور کہیں محذوف۔ اس کے نظائر قصص انبیاء میں خصوصاً قصص حضرت کلیم اللہ و خلیل اللہ و یوسف علیہم السلام میں بکثرت ہیں۔ دیگر یہ کہ نزد بعض محدثین اسراء سے مراد مسجد اقصےٰ تک کا سیر ہے۔ جو اس سورت

ہیں، مذکور ہے اور معراج سے مراد **سیر آسمانی** ہے جو سورہ نجم میں بیان کیا گیا ہے جیسا کہ امام المحدثین امام بخاری علیہ سحائب رحمۃ الباری نے اپنی صحیح میں ہر ایک کے لئے علیحدہ باب باندھا ہے پس ہر دو سیر یعنے مسجد حرام سے مسجد اقصےٰ تک اور مسجد اقصیٰ سے آسمان سے اوپر تک ثبت بالقرآن ہوئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نجم میں فرمایا "بے شک اس پیغمبر نے جبریل ؑ کو سدرۃ المنتہےٰ کے پاس جہاں جنۃ الماویٰ ہے ایک اور دفعہ بھی اُن کی اپنی اصلی صورت پر دیکھا ہے جب اس سدرہ پر چھا رہا تھا۔ جو کچھ چھا رہا تھا یعنی انوار و تجلیات الٰہیہ اُس نے بھی پیغمبر کی نظر نہ کسی طرف کو بہکی اور نہ مقصود سے اُچٹی۔ کچھ شک نہیں کہ پیغمبر نے اس موقع پر اپنے رب کی قدرت کے بڑے عجائبات دیکھے"۔

ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ عند سدرۃ المنتہیٰ عندھا جنۃ الماویٰ اذ یغشی السدرۃ ما یغشیٰ ما زاغ البصر وما طغیٰ لقد رای من ایات ربہ الکبریٰ۔

مفسرین علیہم الرحمۃ اس امر پر متفق ہیں کہ یہ آیتیں سیر معراج آسمانی کا قصہ ہیں۔ اور یہ آیات معراج کے جسمانی اور آسمانی ہونے پر صاف شہادت دے رہی ہیں۔ **رسول اللہ** صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی اپنی ملکی صورت میں دو دفعہ دیکھا ہے۔ ایک بار تو اوائل وحی میں جیسا کہ اس سورت کے شروع میں فرمایا۔ فاستویٰ وھو بالافق الاعلیٰ یعنے جس وقت وہ فرشتہ آسمان کی ایک طرف اچھی اونچی جگہ میں تھا تو اپنی اصلی صورت میں سارے کا سارا پیغمبر کے سامنے آکھڑا ہوا" اور نیز سورہ تکویر میں اس امر کو ذکر کیا۔ ولقد راٰہ بالافق المبین۔ یعنے بیشک ہمارے پیغمبر نے جبریل فرشتہ کو آسمان کے مطلع صاف میں دیکھا ہے"۔ دوسری دفعہ آسمان پر سدرۃ المنتہےٰ کے پاس جسکا ذکر ان آیات میں ہے۔ ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ عند سدرۃ المنتہیٰ

Marfat.com

اور سدرۃ المنتہیٰ کا ساتویں آسمان پر ہونا صحیح بخاری کی حدیثِ معراج میں مذکور ہے چنانچہ آنحضرت صلعم ساتویں آسمان پر پہنچنے کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں "پھر حضرت جبریل ؑ مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک لے گئے تو اس جگہ میں نے اس سدرہ کو

ثم انطلق بی حتی انتہی بی الی السدرۃ المنتہیٰ وغشیہا الوان لا ادری ما ھی (بخاری)

ایسے انوار و تجلیات ڈھانکتے دیکھے جنکی ماہیت کو میں پا نہیں سکتا"

بلکہ انہیں آیات معراج سے ثابت ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ آسمان پر ہے چنانچہ اس کے آگے فرمایا۔ عند ھا جنۃ المأوی یعنی اس سدرہ کے پاس جنۃ المأوی ہے۔ اور چونکہ جنت کا آسمان پر ہونا قرآن و حدیث ہر دو سے ثابت ہے اس لئے سدرۃ المنتہیٰ بھی آسمان پر ثابت ہوئی اور اسکو المنتہیٰ سے اسلئے موسوم کیا کہ الیہ ینتہی علم الخلائق یعنے ملائکہ وغیرہ مخلوق کا علم وہاں تک ہی ختم ہوجاتا ہے اور اس کے آگے کی بابت کسی کو کچھ بھی معلوم نہیں۔ اسی لئے رسول اللہ صلعم حضرت جبریل ؑ کی نسبت یہاں پہنچنے کی بابت فرماتے ہیں۔ انتہی بی الی السدرۃ المنتہیٰ یعنی حضرت جبریل ؑ بھی یہیں تک ساتھ رہے اور اس سے آگے اُن کو بھی رسائی نہ ہوئی۔ انہی معنوں کو شیخ سعدی ؒ نے یوں ظاہر کیا ہے

شبے برنشست از فلک برگذشت — بتمکین وجاہ از ملک درگذشت

چناں گرم در تہ قربت براند — کہ در سدرہ جبریل ز و باز ماند

بدو گفت سالارِ بیت الحرام — کہ اے حاملِ وحی بر تر خرام

چو در دوستی مخلصم یافتی — عنانم ز صحبت چرا تافتی

بگفتا فراتر مجالم نماند — بماندم کہ نیروے بالم نماند

اگر یک سرِ موئے برتر پرم — فروغِ تجلی بسوزد پرم

پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل ؑ کے ساتھ سدرۃ المنتہیٰ

Marfat.com

تک پہنچے اور سدرۃ المنتہیٰ ساتویں آسمان کے اوپر ہے تو رسول اللہ صلعم کے معراج آسمانی وجسمانی میں کیا شک باقی رہا۔ فماذا بعد الحق الا الضلال +

مضمون ماسبق کو امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ تبیان فی اقسام القرآن میں انہی آیات کے ذیل میں فرماتے ہیں:۔ کہ اس کے بعد اللہ سبحانہ نے رسول اللہ صلعم کے حضرت جبریل ؑ کو ایک اور مرتبہ دیکھنے کا ذکر کیا یعنے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔

ثم اخبر سبحانہ عن رویتہ لجبریل مرۃ اخری عند سدرۃ المنتہیٰ فالمرۃ الاولیٰ کانت دون السماء بالافق الاعلیٰ والثانیۃ کانت فوق السماء عند سدرۃ المنتہیٰ (تبیان فی اقسام القرآن)

پس پہلی دفعہ تو آسمان کے نیچے افق پر دیکھا اور دوسری بار آسمان کے اوپر سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ؛

دیگر یہ کہ آسمان پر سدرۃ المنتہیٰ کے اوپر رسول اللہ صلعم نے شب معراج میں کچھ عجائبات دیکھے اللہ تعالیٰ اُنکی کیفیت یوں فرماتا ہے:۔ جب اس سدرہ پر چھا رہا تھا۔ جو چھا رہا تھا یعنی انوار و تجلیات الٰہیہ تو پیغمبر کی نظر اُسوقت بھی نہ کسی طرف کو بہکی۔ اور نہ مقصود سے اچٹی۔ بیشک پیغمبر صلعم نے اس موقع پر اپنے رب کی قدرت کے بڑے عجائبات دیکھے"

اذ یغشی السدرۃ ما یغشیٰ ما زاغ البصر وما طغیٰ لقد رای من آیات ربہ الکبریٰ (سورہ نجم)

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان انوار و تجلیات کی عظمت کو مایغشیٰ سے ایسے لطیف طور پر سمجھایا کہ سننے والے کے دل میں اسکی عظمت و شان خوب بیٹھ جائے اور نیز ماذاغ البصر وما طغیٰ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کمال ادب اور نہایت قوت و حوصلہ کا بیان فرمایا۔ کہ عجائبات قدرت کے دیکھنے اور انوار و تجلیات الٰہیہ کے مشاہدہ سے اتنی حیرت میں بھی نہ پڑے کہ آپ کی چشم مبارک نہ تو کسی طرف کو بہکی اور نہ مقصود سے اچٹی۔ بلکہ اُسی طرف لگی رہی جس طرف مالک الملک۔

Marfat.com

ذوالجلال والاکرام نے لگانی چاہی۔ اور ان سب عجائبات قدرت اور انوار و تجلیات الٰہیہ کو بڑے ادب و حوصلہ سے مشاہدہ کیا + اور چونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لفظ البصر فرمایا ہے یعنے آنکھ اور معلوم ہے کہ بصر آلات ذاتیہ جسم میں سے ہے جس طرح دیگر اعضاء بدن ہیں نہ کہ آلات روح میں سے اسلئے قرآن شریف سے یہی ثابت ہوا کہ **معراج آسمانی آپؐ کو جسم مبارک کے ساتھ کرایا گیا تھا** ؛ مضمون ماسبق کو امام حافظ ابن قیم رح **تبیان** فی اقسام القرآن میں یوں فرماتے ہیں: کہ حبر امت افقہ الناس حضرت ابن عباس رضہ

مازاغ البصر وما طغی قال ابن عباسؓ ماراٰی البصر یمینًا وشمالًا فنفی عن نبیہ ما یعرض للرائی الذی لا ادب لہ یمینًا وشمالًا یدی الملوک من التفاتہ یمینًا وشمالًا ومجاوزۃ البصر لما بین یدیہ والخبر عنہ بکمال الادب فی ذلک المقام وفی تلک الحضرۃ اذ لم یلتفت جانبًا ولم یمد بصرہ الی ما اری من الآیات وما ھناک ومن العجائب بل قام مقام العبد الذی اوجب ادبہ اطراقہ واقبالہ علی ما اری دون التفاتہ الی غیرہ ودون تطلعہ الی ما لم یرہ مع ما فی ذلک من اثبات الجاش وسکون القلب وطمانینۃ وھذا غایۃ الکمال وریع البصر	مازاغ البصر وماطغی کی تفسیر اس طرح فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلعم کی نظر (انوار و تجلیات وعجائبات قدرت) سے بالکل ادھر اُدھر نہ ہوئی اور جس طرف دیکھنے کا حکم ہوا اسی طرف لگی رہی۔ پھر امام ابن قیم فرماتے ہیں کہ سب مفسرین اسی بات کے قائل ہیں۔ پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلعم کی بہت تعریف کی ہے کیونکہ جو شخص شاہانہ مجالس کے آداب نہیں جانتا وہ ادھر اُدھر بھی دیکھا کرتا ہے اور اسکی نظر مقصود پر نہیں ٹھیرتی۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلعم کی اس امر سے تنزیہہ کردی تو اُس میں آپ کی دربار ایزدی احکم الحاکمین میں کمال ادب

Marfat.com

التفاته جانبا وطغیانه مده امامه الی حیث ینتهی (تبیان لابن القیم رح)

ثبوت دیا ہے کیونکہ آپ بادشاہ حقیقی کے درگاہ میں آیات وعجائبات قدرت دیکھکر اور حیرت میں آکر ادھر اُدھر دیکھنے نہیں لگ پڑے تھے۔ بلکہ ایک نہایت فرمانبردار غلام کی طرح اپنے تن من سے اپنے مالک کے دربار میں کمال ادب اور اطمینان اور حوصلہ سے کھڑے رہے اور مطلقاً کسی اور طرف التفات بھی نہ کی +

اس کے بعد امام **ابن قیم** رحنے اس سورت نجم کے متعلق ایسے عجیب وبایک نکات ذکر کئے ہیں جنسے رسول اللہ صلعم کی کمال درجہ کی مدح وتعریف ثابت ہوتی ہے۔ اور میرے جیسے عاشق قرآن اور مذاق قرآنی کی لٹک والے مومن عش عش کر اُٹھتے ہیں چنانچہ فرمایا۔ "پس اللہ تعالی نے اس سورۂ نجم میں اپنے

فنزهه عن رسوله فی هذه السورة علمه عن الضلال وقصده ونیته عن الغی ونطقه عن الهوی وفؤاده عن تکذیب بصره وبصره عن الزیغ والطغیان (تبیان)

رسول صلعم کے علم کو ضلالت سے اور آپ کے قصد اور نیت کو غوایت سے اور آپ کے کلام کو خواہش نفسانی سے اور آپ کے دل کو آنکھ کے جھٹلانے سے یعنی جو کچھ دیکھا دل سے سچ جانا اور آپ کی آنکھ کو بہکنے اور مقصود سے اُچٹ جانے سے پاک بیان کیا"

ناظرین ایک طرف قرآن شریف میں سے سورۂ نجم نکال کر سامنے رکھیں اور دوسری طرف امام ابن قیم رح کی اس تحریر کو پیش نظر کرکے بغور ملاحظہ فرماویں تو اگر قرآن شریف کی فصاحت اور خوبی بیان اور رسول اللہ صلعم کی جلالت قدر اور عظمتِ شان کے گرویدہ ہوکر اس امامِ ہمام کی قرآن دانی پر فریفتہ نہ ہوں تو کہئے ہا ہ! افسوس اُن خفاشِ بے بصیرت پر جنکی آنکھیں اس آفتاب علم وہدایت کے سامنے نہیں کھلتیں انہی کے مناسب حال شیخ سعدی رح نے کیا اچھا کہا ہے

"گر نہ بیند بروز شپرہ چشم — چشمۂ آفتاب را چہ گناہ"

Marfat.com

اس سورت نجم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِن سب کمالات و انعامات کے ذکر کرنیکے بعد اللہ تعالیٰ نے اس قصۂ معراج کو اس آیت پر ختم کیا ہے لقد رای من ایٰت ربہ الکبریٰ یعنی "بیشک ہمارے پیغمبر نے اپنے رب کے بڑے بڑے عجائبات قدرت مشاہدہ کئے" اور سورہ بنی اسرائیل میں بھی اس قصہ کو ان لفظوں پر ختم کیا ہے۔ لنریہ من اٰیاتنا یعنی "ہم نے اپنے بندے محمدؐ کو یہ سیر اسلئے کرایا کہ تا اُس کو اپنی عجائبات قدرت مشاہدہ کرائیں" +

سُبحان اللہ! کیسے عجیب طور پر دونوں سورتوں میں اس قصۂ معراج جسمانی کو ایک ہی امر پر ختم کیا۔ اور ظاہر کر دیا کہ ان دونوں سورتوں میں ایک ہی واقعہ کا ذکر ہے۔ پس **بیت اللہ شریف سے بیت المقدس تک کا ذکر سورۂ اسراء میں ہے اور پھر وہاں سے ساتویں آسمان تک کا بیان اس سورۂ نجم میں ہے** ÷

اس جگہ یہ نکتہ بھی قابل ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں فرمایا کہ جسوقت اُن کا پروردگار اس پہاڑ پر جلوہ فرما ہوا تو اُسکو چکنا چُور کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام غش کھا کر گر پڑے پھر جب ہوش میں آئے تو عرض کی کہ

فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکاً وخر موسیٰ صعقاً فلما افاق قال سبحانک تبت الیک وانا اول المؤمنین (سورۃ اعراف ع ۱۷)

اے پروردگار تیری ذات پاک ہے میں تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں اور سب سے پہلا ایمان لانیوالا میں ہوں"۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ محمد رسول اللہؐ کی شان میں فرمایا۔ کہ انوار و تجلیات الٰہیہ کو دیکھ کر نہ تو آپکی نظر کسی طرف کو بہکی اور نہ

ما زاغ البصر وما طغی لقد رای من ایٰت ربہ الکبریٰ (النجم ع ۱)

مقصود سے اُچٹی"۔ پس اس میں رسول اللہؐ کے ادب درگاہ الٰہی اور قوتِ

Marfat.com

تحمّلِ تجلیاتِ الٰہیہ کا کامل ثبوت ہے۔ اللھم صل علی محمد وعلی آلہ وبارک وسلم

ائمہ مفسرین ومحدثین کی محققانہ عبارتیں

جمہور سلف وخلف اہل سنت اسی معراج جسمانی ہی کے قائل ہیں اور مصنفین اسلام کیا متقدمین اور کیا متاخرین سب کے سب بالاتفاق اسی معراج جسمانی ہی کو ثابت کرتے چلے آئے ہیں اور اہل سنت کی کوئی معتبر کتاب ایسی نہیں جسمیں معراج کشفی یا روحانی یا منامی کو صحیح وثابت قرار دیا ہو۔ بلکہ منکرینِ معراج کو کافر اور ضال اور مبتدع لکھتے ہیں چنانچہ تفسیر فتح البیان میں ہے

والذی دلت علیہ الاحادیث الکثیرۃ ھو ما ذھب الیہ معظم السلف والخلف من الاسراء بجسدہ وروحہ یقظۃ الی بیت المقدس ثم الی السموات والاحاجۃ الی التاویل وصرف ھذا النظم القرانی وما بماثلہ من الفاظ الاحادیث الی ما یخالف الحقیقۃ ولا مقتضی لذلک الا مجرد الاستبعاد وتحکیم محض العقول القاصرۃ عن فھم ما ھو معلوم من انہ لا یستحیل علیہ سبحانہ شیئ ولو کان ذلک مجرد رؤیا کما یقولہ من زعم ان الاسراء کان بالروح فقط وان رؤیا الانبیاء حق لم یقع التکذیب من الکفرۃ للنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جمہور علمائے سلف وخلف کا یہی مذہب ہے کہ رسول اللہ صلعم کو سیر معراج عالم بیداری میں جسم اور روح دونوں کے ساتھ مکہ شریف سے بیت المقدس تک اور پھر وہاں سے آسمانوں تک کرایا گیا۔ اور اور بہت سی احادیث صحیحہ اسی پر دلالت کرتی ہیں اور نظم قرآنی اور الفاظ احادیث کو خلاف حقیقت تاویل کرنیکی کوئی حاجت نہیں اور یہ تاویل صرف استبعاد اور عقل قاصر الفہم کو حاکم بنا لینے کا نتیجہ ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اللہ سبحانہ کے نزدیک کوئی شئی محال نہیں ہے اور اگر یہ سیر معراج صرف ایک خواب ہی ہوتا تو کفار مکہ جب نبی صلعم نے ان کو اس امر کی خبر دی

لهم بذالك حتى ارتد ممن اسلم
يشرح بالايمان صدرا فان الانسان
قد يرى في نومه ما هو مستبعد بل
هو محال ولا ينكر ذلك احد واما
الممتنع لمن قال بان هذا الاسراء
انما كان بالروح على سبيل الرؤيا
نقول وما جعلنا الرؤيا التي اريناك
الا فتنة للناس فعلى تسليم المراد
بهذه الرؤيا هو هذا الاسراء فالتصريح
الواقع هنا بقوله سبحان الذي اسرى
بعبده ليلا والتصريح في الاحاديث
الصحيحة الكثيرة بانه اسرى به لا يقصر
عن الاستدلال على تاويل هذه
الرؤيا الواقعة في الاية برؤية العين
فانه قد يقال لرؤية العين رؤيا
وكيف يصح حمل هذا الاسراء على الرؤيا
مع تصريح الاحاديث الصحيحة بان
النبي صلى الله عليه وسلم ركب البراق
وكيف يصح وصف الروح بالركوب
وهكذا كيف يصح حمل الاسراء على
الرؤيا مع تصريح رسول الله صلى الله عليه وسلم

آپ کی اس بات میں تکذیب نہ کرتے حتی کہ
کئی ضعیف الایمان مرتد ہو گئے کیونکہ اس
میں کچھ شک نہیں کہ بسا اوقات انسان
خواب میں ایسے امور دیکھتا ہے جو دور از
قیاس بلکہ محال ہوتے ہیں مگر کوئی بھی
اسکی تکذیب نہیں کرتا۔ اور آیت وما جعلنا
الرؤیا سے تمسک کرکے سیر معراج کو عالم
خواب میں روحانی طور پر کہنے کا جواب یہ
ہے کہ اگر بالفرض تسلیم کر بھی لیویں کہ یہ آیت
اسی قصہ معراج کی حکایت ہے تو بھی
سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا کی تصریح
اور اسی طرح احادیث صحیحہ کا بیان اس
لفظ رؤیا کو رویت چشم کے معانی میں
معین کرویگا۔ کیونکہ رؤیا رویت چشم کے
معنوں میں بھی آیا ہے اور جب احادیث
صحیحہ اس امر کی تصریح کرتی ہیں کہ
نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم براق پر سوار
ہوئے اور سوار ہونا روح کے [illegible]
میں سے نہیں ہے بلکہ جسم کے خواص
[illegible] تو پھر کس طرح سے
[illegible] کو عالم خواب کا ایک قصہ

Marfat.com

بانہ کان عند ان اسری بہ بین النائم والیقظان فالاولیٰ ما ذھب الیہ الجمہور اذ لا فضیلۃ للحالم ولا مزیۃ للنائم (فتح البیان)

بتا سکتے ہیں اور علاوہ بریں خود رسول اللہ صلعم بالصراحۃ فرماتے ہیں کہ میں ابھی سویا نہیں تھا۔ کیونکہ خواب دیکھنے والے اور سوتے میں سیر کرنیوالے کی کوئی فضیلت نہیں"

اسی طرح تفسیر ابن کثیر میں ہے :۔

فالاکثرون من العلماء علی انہ اسری ببدنہ وروحہ یقظۃ لا منامًا ولا یمکن ان یکون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رای قبل ذلک منامًا ورآہ بعد یقظۃ لانہ کان علیہ السلام لا یری رؤیا الا جاءت مثل فلق الصبح والدلیل علی ھذہ قولہ تعالیٰ سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلًا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ فالتسبیح انما یکون عند الامور العظام فلو کان منامًا لم یکن فیہ کبیر شیٔ ولم یکن مستعظمًا ولما بادرت کفار قریش الی تکذیبہ ولما ارتد جماعۃ ممن قد اسلم وایضا فان العبد عبارۃ عن مجموع الروح والجسد وقال اسری بعبدہ وقد

اکثر علماء اس بات پر ہیں کہ سیر معراج آپؐ کو عالم بیداری میں کرایا گیا تھا نہ کہ خواب میں اور اگر پہلے کبھی بطور خواب دیکھا ہو اور اب پھر بیداری میں اسکے مطابق سیر کیا ہو تو کچھ تعجب نہیں۔ کیونکہ آں حضرت جو خواب دیکھتے تھے وہ عین یقین صبح صادق کی طرح ظاہری واقعہ بھی ہو جاتا تھا۔ اور اس معراج جسمانی کی دلیل یہ قول الٰہی ہے سبحان الذی اسریٰ بعبدہ یعنی پاک ہے وہ خدا جسنے اپنے بندے محمدؐ کو سیر کرایا۔ کیونکہ تسبیح کی ضرورت کسی امرِ عظیم خارق عادت کے ذکر میں ہوا کرتی ہے۔ اور اگر یہ واقعہ ایک خواب ہی ہوتا تو کچھ بڑی بات نہ تھی پس تسبیح کی بھی کچھ ضرورت نہ رہتی۔ اور نیز یہ کہ کفار قریش درباره معراج آپکے جھٹلانیں

Marfat.com

قال تعٰ وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس قال ابن عباس ھی رؤیا عین اریھا رسول اللہ صلعم رواہ البخاری وقال ما زاغ البصر وما طغٰی والبصر من الآلات الذات لا الروح وایضاً فانہ حمل علی البراق وھو دابۃ بیضاء براقۃ لھا لمعان وانما یکون ھذا للبدن لا للروح لانھا لا تحتاج فی حرکتھا الی مرکب تترکب علیہ (ابن کثیر)

جلدی نہ کرتے اور نیز یہ کہ بعض ضعیف الایمان لوگ مرتد نہ ہو جاتے اور نیز یہ کہ اللہ تعالےٰ نے بعبدہ فرمایا اور بروح عبدہ نہ کہا۔ کیونکہ عبد روح مع جسم کو کہتے ہیں اور یہ جو فرمایا وما جعلنا الرؤیا الایہ تو اس رویا سے مراد آنکھ کا دیکھنا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضہ سے مروی ہے اور نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ نجم میں فرمایا ما زاغ البصر وما طغی اور معلوم ہے کہ آنکھ آلات جسم میں سے ہے نہ کہ روح میں سے اور نیز یہ کہ آپؐ براق پر سوار کئے گئے اور براق سفید چمکتا ہوا ایک جانور ہے اور ظاہر ہے کہ سواری بدن کے اوصاف میں سے ہے اور روح اپنی حرکت میں سواری کی محتاج نہیں ہوتی"۔

نیز تفسیر ابن کثیر میں صحابہ رضہ میں سے ان اصحاب کے اسمائے گرامی درج فرمائے ہیں جنہوں نے حدیث معراج کو روایت کیا اور جو اس معراج جسمانی سے انکار و اعراض کرے اُسے زندیق و ملحد لکھا ہے ..... چنانچہ فرمایا۔ معراج کی

قد تواترت الروایات فی حدیث الاسراء عن عمر بن خطاب وعلی وابن مسعود وابی ذر ومالک ابن صعصعۃ وابی ھریرۃ وابی سعید وابن عباس وشداد بن اوس وابی بن کعب وعبد الرحمن

حدیث مندرجہ ذیل صحابہ رضہ سے بالتواتر روایت کی گئی ہے۔ حضرت عمر رضہ حضرت علی رضہ۔ عبد اللہ بن مسعود۔ ابوذر۔ مالک بن صعصعہ۔ ابوہریرہ۔ ابو سعید۔ ابن عباس۔ شداد بن اوس۔ ابی بن کعب۔ عبد الرحمن

Marfat.com

بن قرظ وابی حجیفۃ وابی لیلی الانصاریین وعبداللہ بن عمرو وجابر وحذیفۃ وبریدۃ وام ہانی وعائشۃ واسماء ابنتی ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہم اجمعین منہم من ساقہ بطولہ ومنہم من اختصرہ علی ما وقع فی المسانید وان لم تکن روایۃ بعضہم علی شرط الصحۃ فحدیث الاسراء اجمع علیہ المسلمون واعرض عنہ الزنادقۃ والملحدون یریدون لیطفؤا نور اللہ بافواہہم الایہ۔

بن قرظ۔ ابوحجیفہ اور ابولیلی انصاری عبداللہ بن عمرو۔ جابر بن عبداللہ حذیفہ بریدہ۔ ام ہانی۔ حضرت عائشہ اور حضرت اسماء۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بعضوں نے پوری روایت کی ہے اور بعض نے مختصر۔ اگرچہ بعض کی سند میں مقال ہے مگر معراج کی حدیث پر کل مسلمانان اہل سنت کا اجماع ہے۔ اور زندیق اور ملحدین اس سے منہ موڑتے ہیں چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنی پھونکوں سے بجھا دیں مگر اللہ اپنے نور کو ضرور پورا کرے گا

امام نووی رح شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں:۔ حق یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی ہی کرایا گیا تھا اور اسی اعتقاد پر جمہور بزرگان سلف گذرے ہیں اور متاخرین سے عام فقہاء و محدثین و متکلمین کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور احادیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں۔ اور ان الفاظ کو جو ظاہر معنوں سے پھیر کر تاویل کرنا چاہتے ہیں

والحق الذی علیہ اکثر الناس ومعظم السلف وعامۃ المتاخرین من الفقہاء والمحدثین والمتکلمین انہ اسری بجسدہ صلی اللہ علیہ وسلم والآثار تدل علیہ لمن طالعہا وبحث عنہا ولا یعدل عن ظاہرہا الا بدلیل ولا استحالۃ فی حملہا علیہ فیحتاج الی تاویل صفحہ ۱

اسی طرح جملہ کتب عقائد اہل سنت میں اسی اعتقاد کو حق لکھا ہے شرح فقہ اکبر میں امام الائمہ امام ابوحنیفہ رح فرماتے ہیں۔

Marfat.com

مَنْ رَدَّهُ فَهُوَ مُبْتَدِعٌ ضَالٌّ اور الاعلی قاری حنفی اسکی شرح میں فرماتے ہیں: کہ معراج کی حدیث کو رسول اللہ صلعم کو آپ

وخبر المعراج لنا بجسده الشريف صلى الله عليه وسلم يقظة الى السماء ثم الى ما شاء الله تعالى من العلى الاعلى ثابت في المقام الاسنى حق لما ثبت بطرق متعددة فمن رده لذلك الخبر ولم يؤمن بمقتضى ذلك الامر فهو ضال مبتدع لعدم تمييزه بين الضلالة والبدعة

جسم پاک کے ساتھ عالم بیداری میں آسمان تک اور پھر جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا اعلیٰ جنت اور عرش تک سیر کرایا ثابت ہے۔ اور جو کوئی اسکو رد کرے اور اسکے مطابق ایمان نہ رکھے وہ شخص گمراہ اور بدعتی ہے۔

اسی طرح دیگر کتب عقائد مثل تمہید امالی اور اسکی شرح اور تمہید ابی الشکور سالمی میں بھی ہے چنانچہ

شرح عقاید نسفی جو عقائد اہل سنت کی سب سے مشہور و معروف اور بہترین کتاب ہے اسمیں لکھا ہے: رسول اللہ صلعم کو بیداری میں آسمان تک اور جہاں تک

والمعراج لرسول الله صلى الله عليه وسلم اليقظة بشخصه الى السماء ثم الى ما شاء الله من العلى الاعلى حق اثبت بالخبر المشهور وحق ان منكره يكون مبتدعا وانكاره واه جدا استحالة امتناع بناء على اصول الفلاسفة والا فالخرق والالتيام على السموات جائز والاجسام

اللہ نے چاہا عالم بیداری میں جسم کے ساتھ کرایا گیا نقل اور یہی حق ہے اور منکر اس کا بدعتی ہے اور اس کا انکار ہونا بہت دور کی بات ہے فلاسفہ کے اصول پر اور آسمان کا پھٹنا جڑنا اور اس طرح کا جائز ہونا ہے اور اللہ ہر ممکن پر قادر ہے۔ فی الیقظۃ میں اس شخص کے رد کی طرف اشارہ ہے

متماثلة يصح على كل ما يصح على الآخر والله تعالىٰ قادر على الممكنات كلها فقوله في اليقظة اشارة الى الرد على من زعم ان المعراج كان في المنام على ما روى عن معاوية انه سئل عن المعراج فقال كانت رؤيا صالحة وروى عن عائشة رض انها قالت ما فقد جسد محمد ﷺ ليلة المعراج وقد قال الله تعالىٰ وما جعلنا الرؤيا التي اريناك الا فتنة للناس و تجيب بان المراد الرؤيا بالعين والمعنى ما فقد جسده عن الروح بل كان مع روحه وكان المعراج للروح والجسد جميعًا وقوله بشخصه اشارة الى الرد على من زعم انه كان للروح فقط ولا يخفى ان المعراج في المنام او بالروح ليس مما ينكر كل الانكار والكفرة انكروا امر المعراج غاية الانكار بل كثير من المسلمين قد ارتدوا لذلك وقوله الى السماء اشارة الى الرد على من زعم ان المعراج في اليقظة لم

جو کہے کہ حضرت معاویہ رض اور حضرت عائشہ رض کے قول کے موافق معراج خواب میں تھا۔ اور نیز اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت معاویہ رض اور حضرت عائشہ رض کا مطلب خواب نہیں ہے بلکہ امیر معاویہ کے قول میں رؤیا کے معنے رویت چشم کے ہیں۔ اور حضرت عائشہ رض کے قول کے یہ معنے ہیں کہ رسول اللہ صلعم کے جسم اور روح میں جدائی نہ ہوئی تھی۔ بلکہ آپ کا جسم روح کے ساتھ ہی تھا۔ اور معراج جسم اور روح دونوں کے ساتھ ہوا۔ اور اگر کوئی صرف روح کے ساتھ کہے تو یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ معاملہ روحانی اور خوابی ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی اُسپر سخت انکار کر سکے حالانکہ کفار نے سخت انکار کیا اور کئی ضعیف الاعتقاد مسلمان بھی مرتد ہو گئے۔ اور الی السماء میں یہ اشارہ ہے کہ معراج صرف بیت المقدس

Marfat.com

یکن الا الی بیت المقدس علی ما نطق بہ الکتاب۔ (شرح عقائد نسفی)

تک نہیں ہوا تھا۔ بلکہ آسمان تک ہوا تھا" غرض اس معراج جسمانی پر ہر چہار مذاہب کا اجماع ہے۔ اور کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جس میں معراج جسمانی کو رد کیا ہو۔ بلکہ جمیع کتب حدیث و تفسیر میں اسی کو تحقیق کیا ہے۔ چنانچہ امام ابن قیم رح **زاد المعاد** میں فرماتے ہیں:۔ صحیح مذہب یہی ہے کہ رسول اللہ

ثم اسری بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بجسدہ علی الصحیح من المسجد الحرام الی بیت المقدس راکباً علی البراق صحبہ جبریل ۲ . . . . ثم عرج بہ تلک اللیلۃ من بیت المقدس الی السمآء والدنیا الی ان قال بعد ذکر السمآء السابعۃ رفع الی السدرۃ المنتہی ثم رفع لہ البیت المعمور ثم عرج بہ الی الرب جل جلالہ فدنا منہ حتی قاب قوسین او ادنی فاوحی الی عبدہ ما اوحی (زاد المعاد جلد ۱)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سیر معراج آپ کے بدن مبارک سے کرایا گیا تھا۔ اور آپ براق پر سوار ہوئے اور حضرت جبریل ۲ آپ کے ہمراہ تھے۔ پھر بیت المقدس سے اسی رات پہلے آسمان پر چڑھائے گئے چنانچہ ساتویں آسمان کا ذکر کرکے کہا ہے کہ پھر سدرۃ المنتہیٰ تک چڑھائے گئے۔ اور پھر بیت المعمور کو دیکھا اور جناب الٰہی میں حاضر ہوئے حتیٰ کہ اتنے نزدیک ہوئے کہ دو کمانوں کے گوشوں کا

فرق باقی رہ گیا پس اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے (محمد ۳) پر اسوقت جو وحی کرنی تھی کی"

اور **تبیان** فی اقسام القرآن میں بیت معمور کی نسبت فرماتے ہیں:۔ کہ بیت

اما البیت المعمور فالمشہور انہ الصراح الذی فی السمآء الذی رفع للنبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ الاسراء (تبیان ص۵۶)

معمور جمہور علماء کے نزدیک ساتویں آسمان پر ایک محل ہے جو شب معراج میں نبی صلعم کو دکھایا گیا تھا"۔

Marfat.com

حکمتِ معراجِ جسمانی

اگر سیرِ معراج کی حکمت اور ضرورت پر نظر کی جائے تو سوائے معراج جسمانی کے سب کچھ باطل نظر آتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا سورۂ شوریٰ میں: "اللہ تعالیٰ جو بہت بلند اور بڑی حکمت والا ہے کسی بشر کے ساتھ

وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنہ ما یشآء انہ علی حکیم (شوریٰ ع۴)

کلام نہیں کرتا مگر اس صورت میں کہ اسکو خفیہ وحی کے ذریعہ کچھ بتا دے یا پسِ پردہ کوئی بات سنا دے یا اپنا فرشتہ بھیجے جو اس کے اذن سے اس بشر کو پیغام پہنچا دے" اور چونکہ یہ امر ثابت و مسلم ہے کہ رسول اللہ صلعم سید المرسلین و خاتم النبیین ہیں پس آپؐ کی نبوت درجہ کمال کے اوپر کے نقطہ پر ہے اور اس سے اوپر بشر کے لئے کوئی رتبہ نہیں ہے اسلئے یہ ہر سہ امور آپ میں بالضرور ثابت ہونے چاہئیں۔ صورت اول یعنے مجرد وحی سے اکثر احادیث نبویہ ہیں۔ اور صورت سوم سے یعنے بواسطہ حضرت جبریل یہہ کلام منجز نظام قرآن مجید نازل ہوا۔ اور صورت دوم سے یعنے جب اللہ تعالیٰ اور بندہ کے درمیان صرف ایک پردہ سا ہو۔ نبی صلعم اللہ تعالیٰ سے سوائے شبِ معراج کے کبھی ہمکلام نہیں ہوئے **پس یہ درجہ حاصل ہونے کے لئے ضرور ہے کہ معراج جسمانی ہو۔** دیگر یہ کہ جو جو کمالات دیگر انبیاء علیہم السلام میں فرداً فرداً موجود تھے۔ وہ سب کے سب اللہ تبارک و تعالیٰ نے رسول اللہ صلعم کی ذات بابرکات میں یک جا جمع کر دیئے۔ اور اسی معنے میں کیا خوب کہا گیا ہے ؎

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ ید بیضا داری ✤ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اللھم صل علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم انک حمید مجید

Marfat.com

اور چونکہ موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے کوہ طور پر ہمکلام ہونا بنص تصریح وکلم اللہ موسیٰ تکلیما اور کلمہ دیہ ثابت ہوا اور رفع جسمی حضرت روح اللہ کا آئیت بل رفعہ اللہ الیہ سے محقق ہے اسلئے حکمت الٰہیہ اس امر کی مقتضی ہوئی کہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ دونوں کمال بوجہ اتم واحسن ایک وقت میں عطا کرے پس یہ کمالات اسی شب معراج کو حاصل ہوئے۔ اس کیفیت سے کہ تکلم حضرت کلیم اللہ کے تکلم سے ارفع تھا۔ اور عروج حضرت روح اللہ کے عروج سے اعلیٰ ہو ان کمالات کا حصول بغیر رفع جسمی کے نہیں ہو سکتا منافقہم وتدبر

فصل ثانی

در ازالہ بعض شبہات منکرین معراج جسمانی

بعض لوگ آیت قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا کو پیش کر کے رفع جسمی اور معراج نبوی صلعم سے انکار کی گنجائش نکالتے ہیں۔ یہ لوگ حقیقت امر سے بالکل بے خبر ہیں اور ان کے اذہان مراد صحیح تک پہنچنے سے نہایت قاصر ہیں نہ سلسلہ کلام پر نظر کرتے ہیں اور نہ سیاق وسباق عبارت پر غور وفکر۔ لا تقربوا الصلوٰۃ جیسی بے تکی ہانکے جاتے ہیں۔ اور اتنا بھی معلوم نہیں کر سکتے کہ جادۂ اعتدال سے دور افتادہ ہیں۔ تفصیل وبیان اس اجمال کی یہ ہے کہ سوالات کفار جن کے جواب میں کلمہ جامعہ سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا تعلیم کیا گیا ہے۔ یہ ہیں۔ کفار کہتے ہیں کہ ہم تجھ پر ایمان نہیں لائینگے حتی کہ تو ہمارے وقالوا لن نؤمن لک حتی تفجر لنا من الارض۔ لئے زمین سے چشمے جاری کر دے۔ یا

ینبوعا او تکون لک جنۃ من نخیل و عنب فتفجر الانہار خلالہا تفجیرا او تسقط السماء کما زعمت علینا کسفا او تاتی باللہ والملائکۃ قبیلا او یکون لک بیت من زخرف او ترقی فی السماء ولن نؤمن لرقیک حتی تنزل علینا کتابا نقرؤہ قل سبحان ربی ہل کنت الا بشرا رسولا (بنی اسرائیل ع)

تیرے پاس کھجور اور انگور کا باغ ہو اور اس کے نیچے نہریں جاری ہوں یا تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑہ برسا دے جیسا کہ تو کہا کرتا ہے یا اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو ضامن لے آوے یا تیرے لئے کوئی گھر سونے کا بنا ہوا ہو یا تو آسمان پر چڑھ جائے اور ہم تیرے چڑھنے کو نہیں مانینگے جبتک کہ وہاں سے کوئی ایسی کتاب نازل کرے جسکو ہم خود پڑھ لیں۔ اے پیغمبر ان کو ان سوالات کے جواب میں یہی کہدو کہ میرا رب پاک ہے (کہ کوئی اسپر زور و تحکم کرے) میں تو صرف ایک (فرمانبردار) بندہ اور رسول ہوں"۔ ان آیات میں کفار کی ان اقتراحات کا ذکر ہے۔ اول آنحضرت صلعم کا اعجازی قوت سے زمین میں **چشمے** جاری کرنا۔ دوم آں حضور سرور عالم ؐ کے لئے خرما و انگور کا **باغ** موجود ہونا اور اس میں **نہروں** کا بہتے ہونا۔ سوم آسمان کا ٹکڑا عذاب کے لئے گر پڑنا۔ چہارم اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور ملائکہ کی ضمانت تصدیق یا اُن کو سامنے لانا۔ پنجم آنحضرت صلعم کے لئے سونے کا محل ہونا۔ ششم آنحضرت سید الرسل و افضل البشر کا **آسمان** پر چڑھ جانا۔ اور وہاں سے **کتاب** کا اُتارنا جسے کفار خود پڑھ لیں +

یہ بالکل بدیہی اور مصرح امر ہے کہ ان سب سوالات کے جواب میں ایک ہی کلمہ سبحان ربی ہل کنت الا بشرا رسولا۔ تعلیم کیا گیا ہے۔ اگر یہ جواب امر ششم یعنے آسمان پر چڑھ جانے کے محال ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ تو باقی سب امور بھی ممتنعہ و ناممکن ماننے پڑینگے۔ کیونکہ جملہ سوالات کا ایک ہی جواب سکھایا گیا ہے

Marfat.com

پس واضح ہو کہ ان کل امور کا ممکن اور غیر ممتنع ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے اور ایسے خوارق کا ذوات بابرکات انبیاء علیہم السلام سے باذن الٰہی واقع ہونا محل استبعاد نہیں۔ کیونکہ معجزہ یعنے خرق عادت ممکن ہے۔ پہلے ہم ان سب امور کو قرآن شریف سے ممکن ثابت کرتے ہیں۔ اور پھر قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا کی صحیح تفسیر بیان کریں گے۔ اور اس کے بعد یہ ذکر کرینگے کہ باوجود ان امور کے ممکن ہونے کے پھر کفار کی طلب پوری کیوں نہیں کی گئی۔

امر اوّل یعنی پیغمبر برحق ہ کے معجزہ سے زمین میں سے چشموں کا پھوٹ پڑنا آیت فانفجرت منہ اثنتا عشرۃ عینا (بقر) سے ثابت ہے یعنی موسیٰ ہ کے معجزہ سے پتھر پر عصا مارنے سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے اور اسی طرح رسول اللہ صلعم کی انگلیوں سے فوارے جاری ہو پڑنے اور نیز حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ایڑیوں کی ضربوں سے آبِ زمزم کا پیدا ہونا امر مطلوب کے ممکن ہونے کی بڑی بھاری دلیل ہے اور ان ہر دو واقعات کا ذکر صحیح بخاری میں موجود ہے

امر دوم اور **سوم** یعنی پیغمبر حق کے لئے باغات وانہار ومحلات کا میسر ہونیکی دلیل بھی قرآن شریف سے ثابت ہے۔ چنانچہ سورہ فرقان میں کفار کے اس سوال کو ذکر کرکے جواب فرمایا ہے: "وہ اللہ بہت برکت والا ہے اگر چاہے تو تیرے لئے ایک

تبارک الذی ان شاء جعل لک خیرا من ذلک جنٰت تجری من تحتہا الانہٰر ویجعل لک قصورا (فرقان ع۲)

چھوڑ کئی باغات ان باغوں سے اچھے مہیا کردے کہ ان کے تلے نہریں بھی چلتی ہوں اور تجھے ایک چھوڑ کئی محل بھی میسر کرے"

نیز حضرت سلیمان ہ کی عام بادشاہی اور ان کے لئے جڑاؤ شیش محل کا میسر ہونا سورہ نمل میں مذکور ہے۔ اور اسی طرح شیاطین کا آپ کے مسخر ہونا اور آپ کے لئے سمندروں میں سے بیش بہا موتی نکالنا اور طرح طرح کے مکلف اسباب

خانگی تیار کرنا سورہ انبیاء۔ سبا۔ اور ص میں مذکور ہے۔

سُبحان اللہ! انبیاء علیہم السلام تو بہترین خلائق ہوتے ہیں اُن کے لئے خزانہ الٰہی میں کس چیز کی کمی ہے۔ یہ فرمندہ اسباب تو دیگر افراد بنی نوع بلکہ کفار کے لئے بھی اس دنیا میں میسر ہو سکتے ہیں۔ بلکہ بعض کو حاصل ہیں چنانچہ سورۂ زخرف میں فرمایا۔ "اور اگر یہ نہ ہوتا کہ سب لوگ کفر ہی پر کمر باندھ لیں گے

ولولان یکون الناس امة واحدة لجعلنا لمن یکفر بالرحمٰن لبیوتهم سقفا من فضة ومعارج علیها یظهرون ولبیوتهم ابوابا وسررا علیها یتکئون وزخرفا (زخرف ع)

تو ہم منکرین کے گھروں کی چھتیں اور سیڑھیں اور دروازے اور تخت اور تکیہ گاہ سب کچھ چاندی کے کر دیتے اور اسی طرح دیگر اسباب بھی سب کچھ سونے کا عطا کر دیتے۔" اس آیت میں کفار کے لئے چاندی کی چھتیں اور سیڑھیں اور دروازے اور تخت اور تکیہ گاہ اور دیگر اسباب طلائی میسر ہو سکنے کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ ان اسباب کا حاصل کر لینا (بتوفیقہ تعالےٰ) طاقت بشری سے خارج نہیں ہے پس جب عامہ خلائق کے لئے ممکن ہوا تو انبیاء جو خواص دربار ایزدی ہوتے ہیں اُن کے حق میں کس طرح محال ہونگے۔ خواص کا ایسے اسباب فانیہ کو محبوب نہ جاننا امر دیگر ہے اور اُن کے حق میں معاذ اللہ محال و مستبعد ہونا امر دیگر ہے۔

امر سوم یعنے آسمان سے کوئی ٹکڑا عذاب کے طور نازل ہونا خود کفار کے مقولہ کما زعمت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے کبھی ان کو اس عذاب سے ڈرایا تھا جسپر کفار نے مطالبہ کے وقت اس کا حوالہ دیا ہے اور وہ ڈر جو اُن کو سنایا گیا تھا۔ سورۂ سبا میں مذکور ہے "اگر ہم چاہیں تو اُن کو زمین

ان نشاء نخسف بهم الارض او نسقط

میں دھسا دیں یا آسمان سے کوئی

علیھم کسفا من السماء (السبا ع)

ٹکڑہ بطور عذاب نازل کردیں"۔ اسی طرح سب آسمانوں اور زمین کا سقوط وزوال ممکن ہونا کئی آیات سے ثابت ہوتا ہے

ان اللہ یمسک السموات والارض ان تزولا ولئن زالتا ان امسکھما من احد من بعدہ (فاطر)

"آسمان اور زمین کو صرف اللہ تعالیٰ ہی نے تھاما ہوا ہے اور اگر وہ نہ تھامے اور وہ گرنے کو ہوں تو پھر انکو کوئی بھی نہ تھام سکے"۔ بلکہ قیامت کو یہ سب آسمان وزمین فنا کردیئے جائینگے۔ اور یہ امر قرآن شریف میں کئی جگہ مذکور ہے۔ چنانچہ تبدیل زمین وآسمان کی نسبت سورہ ابراہیم کے اخیر میں فرمایا: "جس دن زمین اور آسمان نئے تبدیل کئے جائینگے"

یوم تبدل الارض غیر الارض والسموات (ع)

۔ پس آسمان سے کوئی ٹکڑا بطور عذاب نازل ہونا بھی ناممکن ومحال نہ ہوا۔ وھذا ھو المراد۔

امر چہارم یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور ملائکہ کو ضامن کرکے صداقت نبوت کو ثابت کرنا۔ اس میں کونسا استبعاد ہے۔ قرآن شریف اس سے بھرا پڑا ہے چنانچہ فرمایا

لکن اللہ یشھد بما انزل الیک انزلہ بعلمہ والملائکۃ یشھدون وکفی باللہ شھیدا۔

"اللہ تعالیٰ تو اسبات کی شہادت دیتا ہے کہ اُس نے اس قرآن شریف کو تجھپر اپنے علم سے سچ سچ نازل کیا ہے اور فرشتے بھی شہادت دیتے ہیں اور شہادت کے لئے تو اللہ ہی کافی ہے"۔ اور اگر قبیلاً بمعنے قبلاً سمجھیں تو بھی مستبعد نہیں۔ کیونکہ ایتان باری بکیفیۃ تلیق بشانہ العظیم ممتنع بالغیر ہے۔ اور ہر ممتنع بالغیر ممکن بالذات ہوتا ہے۔ جیسا کہ شہادت القرآن میں ثابت ہوچکا ہے۔ ملاحظہ ہوں آیات ھل ینظرون الا ان یاتیھم اللہ فی ظلل من الغمام والملائکۃ (بقرہ) اور جاء ربک والملک صفا صفا (فجر) وغیرہما۔ اور احادیث نزول باری سبحانہ ؎

امر ششم یعنی آسمان پر بارادہ الٰہیہ چڑھ سکنا عامہ بشر بلکہ کفار کے حق میں بھی ممکن ہے۔ چنانچہ سورۂ حجر کے شروع میں فرمایا: "اور اگر ہم کفار پر آسمان کا دروازہ بھی کھولدیں اور وہ اس میں دن ہوتے چڑھ بھی جائیں تو پھر بھی کہینگے کہ ہم کو کسی نے جادو کر دیا ہے"

ولو فتحنا علیهم بابا من السماء فظلوا فیه یعرجون لقالوا انما سکرت ابصارنا بل نحن قوم مسحورون۔ (حجر ع)

پس عباد صالحین و حضرات مرسلین جو بہت اعزو اکرم ہیں اُن کے لئے کس طرح محال ہو سکتا ہے۔ اسی طرح **کتاب** کا لکھی ہوئی صورت میں آسمان سے اُتر سکنا سورت انعام کی آیت سے ثابت ہے۔ جیسا کہ فرمایا: "اور اگر ہم تجھ پر لکھی لکھائی کتاب بھی نازل کریں اور یہ کفار اس کو اپنے ہاتھوں سے ٹٹول بھی لیں تو بھی کہینگے کہ یہ تو صریح جادو ہے"۔ بلکہ

ولو نزلنا علیک کتابا فی قرطاس فلمسوه بایدیهم لقال الذین کفروا ان هذا الا سحر مبین (انعام ع)

توریت کا نزول شہادت وقوعی قائم کر رہا ہے۔

الغرض یہ سب آیات طیبہ صاف تبلا رہی ہیں کہ امور مسئولہ کفار ممکن و غیر ممتنع ہیں تو پھر آیت سبحان ربی هل کنت الا بشرا رسولا سے عذرا استحالہ کس طرح بجا ہے۔ اس صورت میں تو قرآن حکیم میں تعارض ہوگا۔ وهذا باطل اگر اسی آیت کو بغور دیکھیں تو اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار معترضین کو اس امر کا علم تھا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج جسمانی کے مدعی ہیں او ترقی فی السماء کے بعد ولن نؤمن لرقیک حتی تنزل علینا کتابا نقرؤه اسی لئے کہا کہ مبادا آپ پچھلے معراج کا حوالہ دیدیں۔ مزید برآں کفار کا سوال کرنا ہی اس امر پر دال ہے کہ وہ ان امور خارقہ عادات کا ظہور ذوات بابرکات انبیاء علیہم السلام سے ممکن جانتے تھے۔ اسی لئے یہ امور پیش کئے۔ کہ اگر آپ ان ممکنات

Marfat.com

کو واقعات کر دکھائیں تو آپ پر ایمان لے آوینگے۔ اور آپؐ کی رسالت کی تصدیق کریں گے۔

پھر اگر یہ **سوال** ہو کہ اگر سب امور مقترحہ ممکنات میں سے ہیں تو سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا کی صحیح تفسیر جس سے یہ جواب ہر امر کے ساتھ منطبق ہو جائے کس طرح ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ اسکی صحیح تفسیر جسکی دوسری آیات موید و مصدق ہیں وہ ہے جو تفسیر ابن کثیر و سراج منیر سے نقل کی جاتی ہے۔ "اس آیت

وقوله تعالى سبحان ربي هل كنت الا بشرا رسولا اى سبحانه وتعالى وتقدس ان يتقدم احد بين يديه فى امر من امور سلطانه وملكوته بل هو الفعال لما يشاء ان شاء اجابكم الى ما سألتم وان شاء لم يجبكم وما انا الا رسول اليكم ابلغكم رسالات ربى وانصح لكم وقد فعلت ذلك وامركم فيما سألتم الى الله عزوجل (ابن كثير)

سبحان ربی کے معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس امر سے پاک ہے کہ کوئی شخص اُسکی بادشاہی میں پیشدستی یا اُس کے سامنے بڑھ کر بات کر سکے۔ بلکہ جس امر کو چاہتا ہے خود کرتا ہے۔ پس اگر وہ چاہیگا تو تمہارا سوال قبول کریگا ورنہ نہیں۔ اور میں تو صرف اُس کے حکم کا مطیع اُس کا ایلچی ہوں میرا کام صرف تبلیغ رسالت ہی جو میں کر چکا ہوں۔ اور جو کچھ تمنے سوال کئے ہیں اُن کا معاملہ خدا کے سپرد ہے" اسی طرح تفسیر سراج منیر میں بھی بوضاحت اس امر کو محقق کیا ہے "اور جس وقت کفار کی سرکشی اور کج بحثی حد کو پہنچ

ولما تعنتهم وكان لسان الحال طالبا من الله تعالى الجواب عنه امر الله تعالى ان يجيبهم بقوله قل اى لهؤلاء الاشقياء سبحان ربى اى تعجبا من

گئی تو آپؐ کی زبانِ حال اللہ تعالیٰ سے اس بات کا جواب طلب کر رہی تھی پس اللہ تعالیٰ نے جواب سکھایا کہ ان بیوقوفوں سے کہو کہ اللہ تعالیٰ

Marfat.com

اقترحاتهم وتنزيها لله من ان يأتي احد بحكم
عليه او يشاركه احد في القدرة وقرء
ابن كثير وابن عامر بصيغة الماضي والباقون
قل بصيغة الامر وهل كنت الا بشراً
رسولاً كما كان من قبلي من الرسل
وما كانوا لا يأتون قومهم الا بما يظهره
الله على ايديهم بما يلائم حال
قومهم ولم يكن امر الآيات اليهم
ولا لهم ان يتحكموا على الله حتى يتخيروا
هذا هو الجواب المجمل واما التفصيل
فقد ذكر في آيات اخر كقوله تعالى ولو
نزلنا عليك كتاباً في قرطاس فلمسوه
بايديهم ولو فتحنا عليهم باباً ونحو ذلك

اس بات سے پاک ہے کہ کوئی شخص اسپر
حکم وزور کرسکے یا قدرت میں اسکا شریک
ہوسکے۔ میں اپنے اختیار سے یہ امر نہیں
کرسکتا۔ کیونکہ میں تو ایک رسول ہوں
اور مجھ سے پہلے جتنے رسول ہوئے ہیں اپنے
اختیار سے کوئی بھی معجزہ نہ دکھاتا تھا بلکہ
صرف وہی جو اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھ پر ظاہر
کرے اور اُن کی قوم کے حال کے موافق
ہوں اور معجزات کا دکھانا رسولوں کے
اختیار میں نہیں ہوتا تھا اور نہ اُن کو یہ
قدرت ہوتی تھی کہ اللہ تعالیٰ پر حکم اور
زور کرکے اپنی مرضی سے معجزے طلب
کریں اس آیت میں یہ جواب مجمل دیا گیا
ہے اور تفصیل کے ساتھ دیگر مقامات میں مذکور ہے مثلاً آسمان سے کتاب اُتارنے
کا جواب سورہ انعام میں فرمایا گیا۔ کہ اگر ہم تجھ پر لکھی لکھائی کتاب بھی نازل کرتے
اور یہ منکر لوگ اسکو اپنے ہاتھوں سے ٹٹول بھی لیتے تو بھی انہوں نے اس کو
جادو کہہ کر انکار کر دینا تھا۔ اور آسمان پر چڑھنے کا جواب سورہ حجر میں فرمایا کہ اگر
ہم ان کفار کے لئے آسمان کا دروازہ بھی کھولدیں اور یہ لوگ اسمیں چڑھ بھی
جائیں تب بھی یہ منکر کہینگے کہ ہم کو کسی نے جادو کر دیا ہے۔ اور اسی طرح اور سوالات
کے تفصیلی جواب دیگر آیات میں دیئے ہیں"۔ تفسیر **سراج منیر** نے تو بیشک
ظلمات وساوس وشبہات کو دور کر دیا۔ اور قلبِ مومن کو منور کر دیا۔ اور

یہ بھی ظاہر کر دیا کہ یہ امور متنعات میں سے نہیں بلکہ اعراض صرف اُنکے تعنت کی وجہ سے ہے۔ اور نیز یہ کہ یہ جواب مجمل سب امور مسئولہ عنہا کا جواب ہی اور ہر امر کا بالتفصیل جواب دیگر آیات میں مذکور ہے چنانچہ مثال کے طور پر دو امر صعود الی السماء اور تنزیل کتاب کے امکان میں وہی آئتیں ذکر کیں جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں اور باقی امور کے جواب کی تفصیل کی طرف ونحو ذلک سے اشارہ کر دیا۔ کہ طالب تفصیل خود قرآن شریف میں تدبر و تفحص کر کے ڈھونڈ لے فالحمد للہ علی نعمائہ الشاملۃ وآلائہ الکاملۃ۔

تفسیر کبیر میں بھی اس جواب کی اسی طرح تقریر کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

تقریر الجواب ان یقال اما ان یکون مرادکم من ھذا الاقتراح انکم طلبتم الایتان من عند نفسی بھذہ الاشیاء اوطلبتم منی ان اطلب من اللہ تعالیٰ اظھارھا علی یدی لتدل علی کونی رسولا حقا من عند اللہ والاول باطل لانی بشر والبشر لا قدرۃ لہ علی ھذہ الاشیاء والثانی ایضا باطل لانی قد اتیتکم بمعجزۃ واحدۃ وھی القرآن والدلالۃ علی کونہا معجزۃ فطلب ھذہ المعجزات طلب لما لا حاجۃ الیہ ولا ضرورۃ فکان مجری التعنت والتحکم وانا عبد مامور لیس لی ان اتحکم علی اللہ فسقط ھذا

اس جواب کی تقریر اس طرح ہے۔ کہ کفار کے سوال کی دو صورتیں ہیں اوّل یہ کہ ان امور کو اپنے اختیار سے کر دکھاؤں دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ سے طلب کروں کہ وہ میری صداقت کے لئے ان امور کو ظاہر کرے۔ پس یہ دونوں صورتیں باطل ہیں۔ پہلے تو اسلئے کہ میں بشر ہوں اور اپنے اختیار سے اُن اشیاء پر قادر نہیں ہوں۔ اور دوسری اس وجہ سے کہ معجزہ تو میں تمہارے پاس لا چکا ہوں کیونکہ یہ قرآن شریف میری نبوت کی تصدیق کے لئے کافی معجزہ ہے۔ پس تمہارے معجزہ کی طلب محض تعنت اور

السوال فثبت ان قولہ قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا جواب کا ف فی ھذا الباب (تفسیر کبیر)	تحکم ہے اور میں تو اللہ تعالیٰ کا مطیع بندہ ہوں میں اتنی قدرت نہیں رکھتا کہ تحکم اور زور سے کوئی امر اس سے طلب کروں

پس یہ سوال کفار مردود ہے۔ اور ثابت ہوگیا کہ قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا اس بارے میں کافی جواب ہے"۔

جو تقریر مفسرین علیہم الرحمۃ سے اس جواب کے بارے میں نقل کی گئی ہے وہ بالکل حق اور مراد الٰہی کے عین مطابق ہے اور دیگر آیات اسکی تائید و تصدیق کرتی ہیں پس یہ تفسیر تفسیر القرآن بالقرآن ہے اصل اس سارے مضمون کا آیت سورۃ مومن وما کان لرسول ان یأتی بآیۃ الا باذن اللہ ہے یعنی کوئی رسول بغیر اذن الٰہی کوئی نشان و معجزہ نہیں دکھا سکتا کیونکہ معجزہ مقدور بشر سے خارج شئی کا نام ہے اور رسول بھی بوجہ بشر ہونے کے بذات خود بالاستقلال خرق عادت پر قادر نہیں ہوتے الا باذن اللہ ایسے امور جن سے دیگر افراد عاجز ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے رسول برحق کے دست مبارک پر ظاہر کرتا ہے۔ اور وہ اُس کی صداقت کے دلائل ہوتے ہیں۔ مثلاً حضرت روح اللہ علیہم السلام اپنی رسالت کی صداقت کے بارے میں انی اخلق لکم من الطین الآیہ اور موسیٰ ع اپنی رسالت کی صداقت میں فرعون کے سامنے اولو جئتک بشئ مبین فرماتے ہیں اور فرعون اسپر طلب کرتا ہے اور کہتا ہے۔ فأت بہ ان کنت من الصٰدقین ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالےٰ اپنے رسولوں کے وسیلے کچھ عجائبات جو مقدور بشر سے خارج ہوں ظاہر کیا کرتا ہے اور وہ اُن کے صدق پر دلیل ہوا کرتے ہیں۔ اور ایسے عجائبات کوئی رسول بغیر اذن الٰہی کے دکھا نہیں سکتا +

Marfat.com

اب قرآن شریف کے چند مقامات ذکر کئے جاتے ہیں۔ جن میں اسی طرح کفار نے اقتراحی آیات کا مطالبہ کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلعم کو یہی جواب تعلیم کیا ہے کہ ان سے کہدو کہ میرا کام اتباع وحی اور تبلیغ رسالت ہے معجزات اللہ تعالےٰ کے اختیار میں ہیں چاہے تو دکھاوے ورنہ نہ دکھاوے اس میں اسپر میرا کوئی تحکم و تقرب نہیں کہ بزور معجزہ طلب کروں۔ چنانچہ فرمایا

واذا لم تأتهم بآية قالوا لولا اجتبيتها قل انما اتبع ما يوحى الى من ربى هذا بصائر من ربكم وهدى ورحمة لقوم يؤمنون واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون (اعراف ع ۲۳)

"اور اے پیغمبر جسوقت تم ان کو ان کی طلب کے موافق کوئی معجزہ نہیں دکھاتے تو یہ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں از خود بنالیتا انکو جواب دو کہ میں تو صرف وحی الٰہی کا تابع ہوں۔ یہ قرآن شریف تمہارے رب کی طرف سے کافی معجزہ ہے اور مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت کا سبب ہے تو جب میں اس کو پڑھا کروں تم اس کو چپ چاپ غور سے سنا کرو کہ تم بھی مومن ہو کر رحمت میں داخل ہو جاؤ" دیکھو اس آیت میں کیسے صاف طور پر فرمادیا کہ ان سے کہدو کہ میں امر الٰہی کے تابع ہوں۔ اپنی حول و قوت سے کچھ نہیں دکھا سکتا اور منصب تبلیغ رسالت سے ہرگز سر مو تجاوز نہیں کر سکتا۔ اور اگر تمہاری غرض طلب آیات سے طلب حق ہے اور ہدایت حاصل کرنا ہے تو تصدیق رسالت کے لئے قرآن شریف کافی دلیل ہے۔ اسے غور سے چپ چاپ سنتے رہو امید ہے کہ تم کو ہدایت نصیب ہو جائیگی۔ اسیطرح دوسری جگہ سورۂ عنکبوت میں فرمایا

وقالوا لولا انزل عليه آية من ربه قل انما الآيات عند الله وانما انا نذير مبين اولم يكفهم انا انزلنا عليك الكتب يتلى

"اور یہ کفار کہتے ہیں کہ اس پر کوئی معجزہ کیوں نازل نہیں ہوتا اے پیغمبر تم ان سے کہدو کہ معجزات تو اللہ تعالےٰ

علیھم ان فی ذلک لرحمۃ وذکری لقوم یؤمنون (عنکبوت)	کے اختیارات میں ہیں میں تو صرف ایک ڈرسنانیوالا ہوں اسے پیغمبر کیا ہمنے اُن پر

ایسی کتاب نازل نہیں کی۔ جو اُن پر پڑھی جاتی ہے اور اُن کو تصدیق رسالت کے لئے اعجازی رہبری کرتی ہے۔ پس وہ رسالت کا کافی ثبوت ہے اور مومنین کے لئے موجب رحمت اور نصیحت ہے"۔ ناظرین غور کریں کہ سورہ اعراف کی آیات اور یہ آیات کیسے بالاتفاق ایک ہی مضمون کو ادا کرتی ہیں۔ یہ جواب کچھ ہمارے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ انبیاء سابقین سے بھی یہی منقول ہے۔ اور اُنہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ ہم اپنی مرضی سے بغیر اذن الٰہی نشان نہیں دکھا سکتے۔ چنانچہ سورہ ابراہیم میں فرمایا۔ وما کان لنا ان نا تیکم بسلطان الا باذن اللہ۔ یعنی ہم بغیر اذن الٰہی کوئی معجزہ نہیں دکھا سکتے"۔

ان آیات سے صاف معلوم ہوگیا کہ کفار کے اقتراح آیات کے جواب میں قل سبحان ربی ھل کنت الا بشراً رسولاً کی تعلیم کرنا اسوجہ سے نہ تھی کہ یہ امور ناممکن تھے بلکہ یہ تعلیم کیا گیا کہ اللہ تعالےٰ اس امر سے پاک ہے کہ اپنی سلطنت میں کسی کی مرضی پر انتظام کرے یا کوئی شخص اسپر تحکم کرے۔ اور حسب اقتراح اس سے آیات طلب کرے۔ اگر غرض ان کفار کی طلب حق ہے تو تصدیق رسالت کے لئے کافی دلائل ظاہر ہو چکے ہیں اور دلیل کافی پر زیادتی طلب کرنا تعنت و تحکم ہوتا ہے۔ پس ان سے اعراض کرنا چاہئے اور منصب رسالت کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ مطلب اس آیت کا یہ تھا جو بیان کیا گیا۔ خوش فہم لوگوں نے اور کا اور سمجھ لیا۔ اور کہاں کی کہاں بنے تکی ہانک دی۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب یہ امور ممکن تھے اور نبی برحق کے معجزہ سے بعید نہ تھے۔ تو پھر کیوں اُن کو پورا نہ کر دکھایا۔ تو اس کا جواب وہی جو اجمالاً اوپر گزر

Marfat.com

چکا اور وہ خود قرآن شریف نے تعلیم کیا ہے کہ قرآن شریف تصدیق رسالت کے لئے کافی ثبوت ہے۔ اسپر غور کرو تو تمہارا مطلب و مقصود پورا ہو جائیگا یہ ضرور نہیں کہ جو کچھ تم کہتے جاؤ اور احتمالات بعیدہ سے رد کرتے جاؤ میں ہر روز اُسے پورا کرنے کے لئے تیار رہوں دیکھنا تو یہ ہے کہ رسول مدعی رسالت جو کچھ پیش کرتا ہے اُسے دعوی رسالت سے مناسبت و تعلق ہے یا نہیں اور وہ اثبات نبوت کے لئے کافی ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو پھر اسپر زیادتی کی طلب کیوں کی جاتی ہے معجزہ سے غرض تو یہ ہے کہ تصدیق رسالت کی طرف ہدایت کر سکے پس قرآن شریف اپنے اعجاز سے یہ حکومت و ملزم کر رہا ہے اور تصدیق رسالت کے لئے بصدائے بلند پکار رہا ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

آیات مذکورہ سے ناظرین کے خاطر نشین ہو گیا ہوگا کہ کفار مکہ کے تعنتانہ سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے تصدیق رسالت محمدی صلعم کے لئے قرآن شریف کو پیش کیا ہے آپکے مزید اطمینان کے لئے اب ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ سورہ بنی اسرائیل میں جن سوالات کے جواب میں سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا تعلیم کیا گیا ہے اُن آیتوں کے پہلے بھی قرآن مجید کے معجز اور بے مثیل ہونے کو بڑے ہی پرزور دعوی اور تحدی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے چنانچہ فرمایا ہے اے پیغمبر ان کو

قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل ھذا القراٰن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا ولقد صرفنا فی ھذا القراٰن للناس من کل مثل فابی اکثر الناس الا کفورا وقالوا لن نومن لک ..... قل سبحان

سنا دو کہ اگر تمام انسان اور جن مجتمع ہو کر اور ایک دوسرے کی امداد پر کمر باندھ کر کوشش کریں کہ اس قرآن عظیم کی نظیر بھی لا سکیں تو ہرگز نہیں لا سکینگے بیشک ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کا بیان نصیحت واضح طور پر پھیر پھیر کر

Marfat.com

وہی هل کنت الا بشرا رسولا (بنی اسرائیل)

بیان کیا ہے مگر اکثر لوگ انکار ہی اختیار کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم تجھ پر ایمان نہیں لاوینگے ..... اے پیغمبر ان کو کہدو کہ میرا رب اس بات سے پاک ہے کہ کوئی اسپر تحکم کر سکے میں تو صرف ایک بندہ اور اس کا رسول ہوں" آیت ماقبل کو ساتھ ملانے سے صاف ظاہر ہوگیا کہ سورہ بنی اسرائیل میں بھی سورہ اعراف اور عنکبوت کی طرح طلب معجزات کے جواب میں قرآن شریف ہی پر کفایت کی گئی ہے پس اس جواب سبحان ربی هل کنت الا بشرا رسولا کو جن معنوں میں منکرین معراج نے لیا تھا۔ وہ ہرگز صحیح نہیں اس جواب کا صحیح مطلب وہی ہے جو تفسیر ابن کثیر وغیرہ سے پیشتر گذر چکا ہے +

ازالہ شبہ ثانی

بعض لوگ اس آیت سے تمسک کر کے سیر معراج کو ایک خواب کا معاملہ قرار دیتے ہیں کہ

وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنة للناس (بنی اسرائیل)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اور وہ رؤیا جو ہمنے تجھ کو دکھائی تھی تو اس میں صرف لوگوں کی آزمائش تھی" سو اسکا جواب دو طریق سے ہے۔ اول اس طرح کہ یہ آیت سیر معراج کے متعلق نہیں ہے۔ بلکہ صلح حدیبیہ کی خواب کی حکایت ہے جسکی نسبت سورت فتح میں بھی فرمایا" کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول کو جو کچھ خواب میں دکھایا

لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق (فتح ع ۲)

تھا اُسے سچ کر دکھایا"

طریق دوم یہ ہے کہ اگر اس آیت کو سیر معراج ہی کے متعلق کریں تو پھر بھی سیر معراج خواب نہیں بنتا۔ بلکہ جسمانی ہی ثابت رہتا ہے اس کا بیان اسطرح ہے کہ لفظ رؤیا خواب کے موضوع نہیں ہے بلکہ لغت میں رؤیا اور رویت دونوں کے

Marfat.com

معنی دیکھنا ہی عام اس سے کہ خواب میں ہو یا بیداری میں ۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر و فتح البیان کی عبارتوں میں اسکا بیان گذر چکا ہے ۔ لہذا جمہور مفسرین نے اسی امر کو ترجیح دی ہے کہ اس آیت میں رؤیا سے رؤیت چشم مراد ہے ۔ مفسرین کا یہ قول بالکل حق اور نقل اور لغت کے بالکل مطابق ہے ۔ لغت کے مطابق اس طرح کہ متنبی جسکی عربی زباندانی مسلم ہے اُس نے اس لفظ کو رویت چشم کے معنوں میں استعمال کیا ہے جیسا کہ کہا ع ۔ **ورؤیاك احلیٰ فی العیون من الغمض** (فتح الباری)

نقل کے مطابق اس طرح کہ صحیح بخاری میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت

عن ابن عباس رض وما جعلنا الرؤیا التی اریناك الا فتنة للناس قال هی رؤیا عین اریها رسول الله صلعم لیلة اسری به الحدیث (صحیح بخاری)	ابن عباس رض سے مروی ہے کہ اس رؤیا سے مراد رؤیت چشم ہے جو رسول اللہ صلعم کو شب معراج میں دکھایا گیا تھا ۔

پس واضح ہو گیا کہ سیر معراج کو عالم خواب کا واقعہ کہنے والوں کے لئے اس آیت میں کوئی دلیل نہیں ہے چنانچہ امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں ۔ کہ یہی بات صحیح ہے کہ اس آیت میں ان عجائبات و مشاہدات کی طرف اشارہ ہے جو رسول اللہ صلعم کو اللہ تعالیٰ نے شب معراج میں دکھائے

القول الرابع وهو الاصح وهو قول اکثر المفسرین ان المراد بها ما راه الله تعالیٰ لیلة الاسراء واختلفوا فی معنی هذه الرؤیا فقال الاکثرون لا فرق بین الرؤیة والرؤیا فی اللغة یقال رایت بعینی رویة ورؤیا وقال الاقلون هذا یدل علی ان قصة الاسراء انما حصلت فی المنام وهذا	اکثر مفسرین کا یہی قول ہے کہ رویت اور رؤیا کے لفظ میں لغت کے رو سے کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ رایت بعینی یعنی میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا رویۃ اور رؤیا ہر دو کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے اور جن بعض

Marfat.com

القول ضعیف باطل علی ما قررناہ فی اول ھذہ السورۃ وقولہ الا فتنۃ للناس معناہ انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لما ذکر لھم قصۃ الاسراء کذبوہ وکفروا بہ کثیر ممن کان اٰمن بہ وازداد المخلصون ایمانا فلھذا السبب کان امتحانا (تفسیر کبیر جلد ۵)

سے تھوڑے لوگوں نے اس آیت سے سیر معراج کو عالم خواب کا واقعہ سمجھا ہے اُن کا قول باطل اور ضعیف ہے اسکے وجوہات ہم شروع سورت میں ذکر کر آئے ہیں۔ اور اس سیر معراج کو لوگوں کیلئے فتنہ اور آزمائش بنانیکا بیان اس طرح ہے کہ جب رسول اللہ صلعم نے لوگوں کے سامنے اس سیر معراج کا ذکر کیا تو کفار نے اس امر میں آپؐ کو معاذ اللہ جھوٹا جانا اور بہت سے ضعیف الاعتقاد مسلمان مرتد ہوگئے۔ اور مخلصوں کا ایمان زیادہ ہوا

جب اس رؤیا کو اللہ تعالیٰ نے ایک امتحانی امر قرار دیا تو سیر معراج عالم خواب کا واقعہ نہیں بن سکتا کیونکہ اِسکو خواب کا معاملہ ماننے میں آزمائش کی کوئی صورت نہیں ہے۔ دیگر یہ کہ وہ دلائل جو معراج کو صاف جسمانی ثابت کرتے ہیں اوپر مشتر گذر چکے ہیں رؤیا کو بمعنے رویت چشم لینے کے لئے بڑے قوی قرائن ہیں۔ پس اس آیت سے بھی معراج جسمانی ہی ثابت ہوا

ازالہ شبہ سوم

بعض لوگ معراج جسمانی کے ماننے میں یہ عذر پیش کیا کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضؓ اور امیر معاویہ رضؓ کا یہ مذہب ہے کہ معراج خواب میں ہوا تھا۔ سو اُن کا یہ عذر صحیح اور قابل پذیرائی نہیں۔ اسکا بیان کئی وجوہ سے ہے۔ اوّل یہ کہ جب الفاظ قرآنیہ و احادیث صحیحہ مرفوعہ سے ثابت ہوگیا کہ سیر معراج جسمانی تھا تو اس کے مقابلہ میں غیر نبی کے قول کو پیش کرنا سراسر منصب نبوت کی ناقدر شناسی ہے کیونکہ یہ امر باتفاق مسلم ہے کہ حدیث مرفوع کے مقابلہ میں موقوف پیش نہیں ہو سکتی۔ پس امیر معاویہ رضؓ

اور حضرت عائشہ رضہ کے قول سے معراج جسمانی کا انکار ہرگز جائز نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلعم صاحب معاملہ وصاحب وحی صادق مصدوق جنکا بیان خواہش نفسانی سے بالکل پاک ذکر ہوچکا ہے جب انکی اپنی زبان مبارک سے فرمائے ہوئے الفاظ معراج کو روز روشن کی طرح صاف جسمانی بتا رہے ہیں اور آپ کے بیان کو اسی سبب سے کفار نابکار آپ کے سامنے جھٹلا رہے ہیں اور ضعیف الاعتقاد لوگ جنکے دلوں میں حلاوت ایمانی ابھی نہیں رچی تھی مرتد ہو رہے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے شبہات دُور کرنے کے لئے اپنے سیر معراج کو کبھی بھی عالم خواب کا واقعہ قرار نہیں دیتے تو اُسکے خلاف کسی اور کا قول اور قیاس کس طرح پیش ہوسکتا ہے

دوم یہ کہ آپ کو جس سال سیر معراج کرایا گیا اسوقت کی بابت حضرت عائشہ رضہ اور امیر معاویہ رضہ دونوں میں سے کسی کو کچھ بھی خبر نہیں کیونکہ ایک روایت کے موجب تو حضرت عائشہ رضہ معراج کے سال تک ابھی پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں۔ جیسا کہ ملا علی قاری رحمہ نے شرح فقہ اکبر میں لکھا ہے۔ اور اگر اسوقت پیدا شدہ بھی ہوں تو اسقدر چھوٹی عمر کی تھیں کہ آپ کو اس واقعہ کا کوئی بھی علم نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ چھ سال کی عمر میں آپ کی شادی ہوئی اور نو سال کی عمر میں ہجرت کے بعد مدینہ شریف میں جاکر نبی صلعم کے گھر میں آباد ہوئیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں مذکور ہے۔ اور یہ امر مسلم ہے کہ معراج مکہ شریف میں ہوا تھا۔ اور امیر معاویہ رضہ بھی سال معراج تک مؤمن نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ آپ ہجرت کے آٹھویں سال فتح مکہ کے بعد بحسن اسلام مزین ہوئے پس حضرت عائشہ رضہ اور امیر معاویہ رضہ کا قول احادیث مرفوعہ کے مقابلہ میں کسی طرح پیش نہیں ہوسکتا۔ **سوم** یہ کہ علامہ سعد الدین تفتازانی رحمہ کی شرح عقاید نسفی سے صفحہ ۸۲ میں منقول ہوچکا ہے کہ امیر معاویہ رضہ کے قول میں رؤیا کے معنے رؤیت چشم کے ہیں جیسا کہ ثابت کیا گیا ہے۔ اور حضرت عائشہ رضہ

Marfat.com

کے قول کے یہ معنے ہیں کہ رسول اللہ صلعم کے جسم اور روح میں جدائی نہ ہوئی تھی بلکہ آپؐ کا جسم روح کے ساتھ ہی تھا۔ اور معراج جسم اور روح دونوں کے ساتھ ہوا۔ پس اسوجہ سے امیر معاویہ رضؓ اور حضرت عائشہ رضؓ بھی مثل دیگر صحابہ رضؓ کے معراج جسمانی ہی کے قائل ٹھیرے۔ **چہارم** یہ کہ صفحہ ۲۴ میں تفسیر ابن کثیر سے منقول ہو چکا ہے کہ اگر رسول اللہ صلعم کو اس معراج جسمانی کے پہلے روحانی یا منامی طور پر معراج کرایا گیا ہو تو کچھ تعجب نہیں کیونکہ آں حضرت صلعم جو خواب دیکھتے تھے وہ عین بعین صبح صادق کی طرح ظاہری واقعہ بھی ہو جاتا تھا پس ممکن ہے کہ امیر معاویہ رضؓ اور حضرت عائشہ رضؓ نے اس تمہیدی معراج کو روحانی قرار دیا ہو جیسا کہ ملا علی قاری رح وغیرہ نے لکھا ہے ۔ پس منکرین معراج جسمانی کے پاس کوئی ایسی قوی دلیل نہیں ہے جس سے اُن کو انکار کی گنجائش مل سکے ۔

تقریر دلپذیر

بعض لوگ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے کی بابت اس آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوالہ و انصتوا لعلکم ترحمون کو پیش کیا کرتے ہیں حقیقت میں اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کیونکہ اسمیں سورۃ فاتحہ کے پڑھنے یا نہ پڑھنے بلکہ مطلق نماز کے متعلق بھی کوئی ذکر تک نہیں اسکی صحیح تفسیر وہی ہے جو صفحہ ۴۱ میں گزر چکی ہے کہ کفار نے تعنت کے طور پر معجزہ طلب کیا تھا اللہ تعالےٰ نے جواب سکھایا کہ اے پیغمبرؐ تم انکو جواب دو کہ میں تو صرف وحی الٰہی کا تابع ہوں یہ قرآن تمہارے رب کیطرف سے کافی معجزہ ہے اور مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت کا سبب ہے تو جب میں اسکو پڑھا کروں تم اسکو چپ چاپ ہو کر غور سے سنا کرو امید ہے کہ تم بھی مومن ہو کر رحمت میں داخل ہو جاؤ گے ۔ اس جگہ ایک اور امر قابل غور ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں ۱ فاستمعوا لہ و انصتوا ۲ کیوں فرمائے کیونکہ ایک کے ذکر سے دوسرا حاصل ہو سکتا ہے **وجہ** یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے سورۃ حٰمٓ فصلت میں کفار سے نقل کیا کہ وہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو نہ سنو اور اسکے پڑھتے وقت شور کرو امید ہے کہ ہم اس حیلہ سے غالب آجائینگے ۔ پس اللہ تعالےٰ نے انکے قول لاتسمعوا یعنی نہ سنو کے جواب میں فاستمعوا لہ یعنی غور سے سنو فرمایا اور الغوا فیہ یعنی اسمیں شور کرو کے جواب میں انصتوا یعنی چپ ہو فرمایا۔ اور لعلکم تغلبون کے جواب میں لعلکم ترحمون فرمایا۔ کفار کے طلب معجزہ کی جواب میں قرآن شریف کو پیش کرنا دیگر آیات سے ثابت ہو چکا ہے پس اس آیت میں سورۃ فاتحہ کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں ۔ واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین ۔

وقال الذین کفروا لا تسمعوا لھذا القرآن والغوا فیہ لعلکم تغلبون (حٰمٓ سجدہ ع ۴)

نزول الملائکہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ فاطر السموات والارض جاعل الملئکۃ رسلاً اولی اجنحۃ مثنیٰ وثلث ورباع یزید فی الخلق ما یشآء ان اللہ علی کل شئی قدیر والصلوٰۃ والسلام الاتمان الاکملان علی رسولہ وخیر خلقہ محمدٍ النبی العاقب البشیر النذیر وعلی آلہ واصحابہ الذین قاتلوا الکفار المکذبین فامدھم اللہ بالاف من الملئکۃ المسوّمین فضربوھم فوق الاعناق وضربوا منھم کل بنان وما النصر الا من عند اللہ رب العلمین

اما بعد۔ پس بندۂ ضعیف ملتجی الی اللہ الکریم **محمد ابراہیم** سیالکوٹی اصحابِ دانش وانصاف کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ اس زمانِ بغی وطغیان میں ظلمتِ فلسفہ بہت چھا گئی ہے اور اصولِ دین سے دن بدن بیخبری بڑھتی جاتی ہے چنانچہ حال میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے منجملہ دیگر عقاید اہل سنت کے نزول ملائکہ کا انکار کیا ہے۔ اور جو کچھ مانا ہے وہ محض انکے خیالی فرشتے ہیں قرآن و حدیث میں ملائکہ کی وہ حقیقت وکیفیت نہیں ہے چنانچہ ان کی بعض عبارتیں اس جگہ نقل کی جاتی ہیں اور اس کے بعد حکمائے یونان کا مذہب ذکر کیا جائیگا اور

Marfat.com

پھر اسلامی اعتقاد کتب معتبرہ سے نقل کیا جائیگا جس سے صاف معلوم ہو جائیگا کہ مرزا صاحب کا اعتقاد کفار یونان کے موافق ہے اور قرآن وحدیث کے بالکل مخالف چنانچہ توضیح مرام میں لکھتے ہیں۔

"پس اصل بات یہ ہے کہ جس طرح آفتاب اپنے مقام پر ہے اور اسکی گرمی و روشنی زمین پر پھیل کر اپنے خواص کے موافق زمین کی ہر ایک چیز کو فائدہ پہنچاتی ہے" "اسی طرح روحانیات سماویہ خواہ اُن کو یونانیوں کے خیال کے موافق نفوس فلکیہ کہیں یا دساتیر اور وید کی اصطلاحات کے موافق ارواح کواکب سے انکو نامزد کریں یا نہایت سیدھے اور موحدانہ طریق سے ملائکہ اللہ کا انکو لقب دیں" "درحقیقت یہ عجیب مخلوقات اپنے اپنے مقام میں مستقر اور قرار گیر ہے الخ ص۱۵" "پس اس میں کچھ شک نہیں کہ بوجہ مناسبت نوری و نفوس طیبہ اُن روشن اور نورانی ستاروں سے تعلق رکھتے ہونگے کہ جو آسمانوں میں پائے جاتے ہیں" "مگر اس تعلق کو ایسا نہیں سمجھنا چاہیے کہ جیسے زمین کا ہر ایک جاندار اپنے اندر جان رکھتا بلکہ اُن نفوس طیبہ کو بوجہ مناسبت ذاتی نورانیت اور روشنی کے جو روحانی طور پر انہیں حاصل ہے روشن ستاروں کے ساتھ ایک مجہول الکنہ تعلق ہے اور ایسا شدید تعلق ہے کہ اگر اُن نفوس طیبہ کا ان ستاروں سے الگ ہونا فرض کر لیا جائے تو پھر اُن کے تمام قویٰ میں فرق پڑ جائیگا۔ انہیں نفوس کے بوشیدہ ہاتھ کے زور سے تمام ستارے اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں اور جیسے خدا تعالیٰ تمام عالم کے لئے بطور جان کے ہے۔ ایسا ہی زمگراس جگہ تشبیہ کامل مراد نہیں بلکہ وہ نفوس طیبہ کواکب اور سیارات کے لئے جان کا ہی حکم رکھتے ہیں اور اُن کے جدا ہو جانے سے اُن کی حالت وجودیہ میں بکلی فساد راہ پا جانا لازمی اور ضروری امر ہے"۔ (ص۱۸ توضیح مرام تقطیع کابل)

Marfat.com

"یا یوں کہو کہ اسوقت جبرئیل اپنا نورانی سایہ اُس مستعد دل پر ڈال کر ایک عکسی تصویر اپنی اسکے اندر لکھ دیتا ہے۔ تب جیسے اُس فرشتہ کا جو آسمان پر مستقر ہے جبرئیل نام ہے۔ اس عکسی تصویر کا نام بھی جبریل ہی ہوتا ہے یا مثلاً اس فرشتہ کا نام روح القدس ہے تو عکسی تصویر کا نام بھی روح القدس ہی رکھا جاتا ہے سو یہ نہیں کہ فرشتہ انسان کے اندر گھس آتا ہے۔ بلکہ اُس کا عکس انسان کے آئینہ قلب میں نمودار ہو جاتا ہے۔ توضیح المرام صـ۳۲ تقطیع کلاں"

"اور جبریلی نور کا چھیالیسواں حصہ تمام جہان میں پھیلا ہوا ہے۔ جس سے کوئی فاسق اور فاجر اور پرلے درجہ کا بدکار بھی باہر نہیں بلکہ میں یہانتک مانتا ہوں کہ تجربہ میں آچکا ہے کہ بعض اوقات ایک نہایت درجہ کی فاسقہ عورت جو کنجریوں کے گروہ میں سے ہے جسکی تمام جوانی بدکاری ہی میں گذری ہے کبھی سچی خواب دیکھ لیتی ہے۔ اور زیادہ تر تعجب یہ ہے کہ ایسی عورت کبھی ایسی رات میں بھی کہ جب وہ بادو بسر و آشفتا ہر کا مصداق ہوتی ہے کوئی خواب دیکھ لیتی ہے اور وہ سچی نکلتی ہے مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ جبریلی نور آفتاب کی طرح جو اسکا ہمیشہ کو اڑہ ہے تمام معمورہ عالم پر حسب استعداد ان کی اثر ڈالتا رہا ہے۔ توضیح مرام صـ۳۸"

ان سب عبارات سے پُر ظاہر ہے کہ مرزا صاحب ملائکہ کو نفوس فلکیہ جانتے ہیں اجرام فلکیہ کے ساتھ اُن کا ایسا تعلق مانتے ہیں جیسا جسم کا جان کے ساتھ اور ان کی تاثیرات کے بھی اسی طرح قائل ہیں جس طرح دیگر طلسمات والے انوار مرئت جبریل کے نزول کو اُن کے عکس کی ایک صورت قرار دیتے ہیں۔

اس امر کے ثبوت کے لئے کہ ملائکہ کی نسبت یہ خیال مذاہب باطلہ کا ہے مندرجہ ذیل عبارتیں نقل کی جاتی ہیں:۔

Marfat.com

چنانچہ شرح مقاصد میں ہے کہ فلسفیوں کے نزدیک ملائکہ عقول

زعموا ان الملائکۃ ھم العقول المجردۃ والنفوس الفلکیۃ (شرح مقاصد)

مجردہ اور نفوس فلکیہ کا نام ہے"

وزعموا ان لکل فلک روحًا یتشعب منہ ارواح کثیرۃ۔

اسی طرح اسکے بعد ملائکہ کی نسبت طلسمات والوں کا مذہب ذکر کیا ہے۔ کہ "اُن کے نزدیک ہر فلک کی ایک روح ہے۔ جس میں سے اور بہت سے ارواح نکلتے ہیں"۔ اسی طرح تفسیر کبیر میں صابئین یعنی ستارہ پرستوں کا مذہب لکھا ہے کہ

ان الکواکب ھی المدبرۃ لما فی ھذہ العالم من الخیر والشر والصحۃ والمرض (کبیر جلد ۱)

ان کے نزدیک اس دنیا کی خوشحالی اور بدحالی اور تندرستی اور مرض غرض ہر امر کی تدبیر یہی ستارے کرتے ہیں۔ اسی طرح تفسیر کبیر میں ملائکہ کی نسبت بت پرست لوگوں کا خیال لکھا ہے۔ کہ

(ثانیھما) وھو قول طوائف من عبدۃ الاوثان وھو ان الملائکۃ ھی الحقیقۃ فی ھذہ الکواکب الموصوفۃ بالاسعاد والاخماس (تفسیر کبیر جلد ۱)

"اُن کے نزدیک ملائکہ ان ستاروں کی حقیقت وجان کا نام ہے جنکے متعلق دنیا کی برکت اور نحوست ہے"۔

ان سب عبارات سے مرزا صاحب کے اعتقاد کا فلاسفہ یونان اور مذاہب باطلہ کے موافق ہونا ظاہر ہے۔ اب ملائکہ کی نسبت اسلامی اعتقاد کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اور اُن کی حقیقت بتائی جاتی ہے۔ چنانچہ شرح مقاصد میں ملائکہ کی نسبت لکھا ہے کہ ہمارے یعنی اہل سنت مسلمانوں کے نزدیک ملائکہ کی

وعندنا ان الملائکۃ اجسام لطیفۃ تتشکل باشکال مختلفۃ شانھم الخیر والطاعۃ والعلم والقدرۃ علی الاعمال الشاقۃ (شرح مقاصد جلد ۲)

حقیقت یہ ہے کہ وہ لطیف جسم ہیں جو مختلف شکلوں میں ظاہر ہو سکتے ہیں ان کا کام نیکی اور فرمانبرداری اور علم ہے

Marfat.com

اور وہ بڑے بھاری کام کرسکنے کی قوت رکھتے ہیں"۔

شرح مقاصد میں اسکے بعد مفصل طور پر معقولی بحث سے ملائکہ کی اس حقیقت مذکورہ کو ثابت کیا ہے۔ اور منکرین کے اعتراضات وتوہمات کا ازالہ کیا ہے ہم اُن عبارات کو بخوف تطویل نقل نہیں کرسکتے۔ جملہ کتب عقائد میں ملائکہ کی نسبت **اہل سنت** کا یہی مذہب ذکر کیا گیا ہے۔

شرح مقاصد کا یہ بیان بالکل حق اور قرآن وحدیث کے عین مطابق ہے۔ چنانچہ ہم اُس کے ہر امر کو قرآن وحدیث سے ثابت کرتے ہیں۔

قولہ اجسام۔ یعنی ملائکہ جسم ہیں۔ کیونکہ قرآن شریف میں ان کو عباد مکرمون یعنے "اللہ تعالے کے عزت دیئے ہوئے بندے" کہا گیا ہے اور نیز اُن کی صفت رات دن عبادت میں مشغول رہنا قرآن شریف میں کئی جگہ مذکور ہے اور نیز سورہ فاطر کے شروع میں ان کے دو دو اور تین تین اور چار چار اور زیادہ بھی پر بتائے ہیں۔ اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت جبرئیل م کے چھ سو پر مذکور ہیں یہ سب احوال جسم کے متعلق ہیں۔

قولہ لطیفۃ یعنی لطیف جسم ہیں جو دیکھنے میں نہیں آتے۔ مگر اسی شخص کو اور اُسی وقت جبکہ اللہ تعم اُسکی نظر میں وہ قوت پیدا کردیوے جس سے اُن کو دیکھ سکے یا جب کسی دوسری شکل میں متشکل ہوکر سامنے آویں جیسے جن وغیرہ۔

جس طرح اللہ تعم کی وسیع قدرت کی کوئی نہایت نہیں اُسی طرح اسکی مخلوق جسکے متعلق اسکی قدرت کا ظہور ہے اسکی بھی کوئی حد نہیں۔ اُس نے ہر طرح کی مخلوق **مرئی** یعنے جو دیکھنے میں آتی ہے اور **غیر مرئی** یعنے جو دکھائی نہ دے پیدا کی ہے چنانچہ سورہ **مدثر** میں فرمایا "کہ تیرے رب کے لشکروں کو اُس کے سوا

ومایعلم جنود ربك الا هو (مدثر)	کوئی نہیں جانتا"

قولہ تتشکل باشکال مختلفہ فرشتوں کا مختلف شکلوں میں متشکل ہوکر حسب ارادہ واذن الٰہی بعض اشخاص پر ظاہر ہونا بھی قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ کہ حضرت جبرئیل ؑ حضرت مریم ؑ کے پاس حضرت عیسےٰ ؑ کی ولادت کی خوشخبری لے کر آئے اور صورت بشری میں تھے۔ چنانچہ سورہ مریم میں فرمایا "کہ ہمنے اپنا روح القدس

فارسلنا الیہا روحنا فتمثل لہا بشرا سویا

یعنے جبرئیل مریم کے پاس بھیجا تو وہ ایک پورے جوان بشر کی شکل میں اسکے سامنے آیا"۔ اسی طرح حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السّلام کے پاس جو فرشتے آئے۔ وہ بھی بصورت بشر تھے۔ چنانچہ ان کا مفصل ذکر ۱۵ میں دیکھو۔

فرشتہ کے بصورت بشری نبی کے پاس آنے کو رسول اللہ صلعم نے وحی کی ایک قسم فرمایا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے "کہ کبھی وہ صاحب وحی فرشتہ یعنے

واحیانا یتمثل لی الملک رجلا فیکلمنی فاعی ما یقول۔

جبریل میرے پاس آدمی کی صورت میں ہوکر آتا ہے۔ اور مجھ سے کلام کرتا ہے پس جو کچھ وہ کہتا ہے میں اسکو یاد کرلیتا ہوں"۔ ملائکہ کا مختلف شکلوں میں متشکل ہونا جملہ کتب عقاید میں لکھا ہے اسکے واقعات فصل ثانی رسالہ ہذا میں ملاحظہ کریں۔ **قولہ** شانہم الخیر والطاعۃ والعلم یعنی اُن کا کام نیکی کرنا اور فرمانبرداری اور علم ہے۔ اس قید سے جنوں اور شیطانوں کو خارج کیا۔ کیونکہ وہ بھی لطیف جسم ہیں اور مختلف شکلوں میں ظاہر ہوسکتے ہیں مگر وہ سارے مطیع نہیں ہیں۔ یہہ امر بھی قرآن شریف سے ثابت ہے۔ چنانچہ سورۂ تحریم میں فرمایا "کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ

لا یعصون اللہ ما امرہم ویفعلون مایؤمرون۔ (تحریم ع۱) لا یسبقونہ بالقول وہم بامرہ یعملون۔ (انبیاء)

کی حکم عدولی نہیں کرتے اور صرف وہی کرتے ہیں جسکا ان کو حکم ہوتا ہے"۔ "اور اللہ تعالیٰ کے سامنے بڑھکر بات نہیں کرتے"

Marfat.com

اسی طرح ان کا ہمیشہ تسبیح وتحمید ذات باری میں مشغول رہنا قرآن شریف میں کئی جگہ مذکور ہے۔ **قولہ** والقدرۃ علی الاعمال الشاقۃ یعنی اللہ تعالیٰ نے انکو بڑے بڑے کام کرسکنے کی طاقت بخشی ہے۔" یہ بھی قرآن وحدیث سے ثابت ہے اسکے واقعات کتب تفسیر اور حدیث میں بالخصوص کفار کے عذاب وہلاک کیوقت میں بہت ہیں۔ مثلاً قوم **عاد** اور **ثمود** کو **جبریل** ؑ کے ایک آواز سے ہلاک کرنا اور قوم **لوط** پر اُن کی بستی کو اُلٹا دینا۔ وغیرہ وغیرہ۔

مقاصد کی عبارت مذکورہ بالا کے بعد شرح میں اتنا اور بڑھایا ہے۔ کہ "انکے رہنے کی اصل جگہ آسمان ہے انبیاء کے پاس اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے ہیں اور اسکی وحی کے **امین** ہیں دن رات عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور ہرگز نہیں اکتاتے۔ اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی نہیں کرتے اور کرتے وہی ہیں جو اُن کو حکم ہو۔"

مسکنہا السموات ھم رسل اللہ الی انبیآئہ علیہم السلام وامناءہ علی وحیہ یسبحون اللیل والنہار لا یفترون لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون مایؤمرون۔

بیان بالا سے بخوبی ظاہر ہوگیا کہ مرزا صاحب کا عقیدہ دربارہ حقیقت ملائکہ **اہل سنت** کے بالکل خلاف ہے اور ان کو نفوس فلکیہ اور ارواح کواکب قرار دیکر موثرات عالم کہنا فلاسفہ اور اصحاب طبائعیات کا خیال ہے۔ اور اُن کے نزول کو ان کے عکس سے تعبیر کرنا بھی اسلامی اعتقاد کے بالکل مخالف ہے۔

فرشتوں کا مختلف شکلوں میں متمثل ہوسکنا عقل سے بعید نہیں ہے کیونکہ جسم کی صورت حقیقت شئی میں داخل نہیں ہوتی بلکہ بمنزلہ لباس وپوشاک کے عوارض میں سے ہوتی ہے۔ پس اس جسم وصورت کا حقیقت شئی سے منفک ہونا ممکن ہوا۔ اور جب فرشتے اپنے اصل جسم سے کسی بشری شکل میں متمثل ہوتے

Marfat.com

ہیں تو اُن کی حقیقتِ ملکی منتزع نہیں ہوتی۔ بلکہ حقیقت وہی رہتی ہے۔ صرف انسانی صورت کے لباس میں ملبوس ہوتے ہیں کیونکہ مشابہت صوری سے اتحادِ ذوات لازم نہیں آتا جیسے کہ حضرت جبرئیل ؑ حضرت مریم ؑ کے پاس بصورت بشری آئے اور اس کے بعد کہا "کہ میں تیرے رب کا فرشتہ ہوں"۔

اسی طرح حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے پاس جو فرشتے آئے وہ بھی بشر کی صورت میں تھے۔ اور باوجود بشری صورت میں ہونے کے پھر کہتے ہیں انا رسل ربک یعنی "ہم تیرے رب کے فرشتے ہیں"۔ ان آیات سے واضح ہوگیا کہ دوسری شکل میں متمثل ہونے سے حقیقت ملکی دور نہیں ہوتی۔ اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ نزول جبرئیل حقیقی ہوتا تھا۔ عکس نہیں ہوتا تھا۔ اسکے نظائر و امثال کتب حدیث و تصوف اولیائے عظام میں بکثرت ہیں۔ اور اصطلاح صوفیائے کرام میں اسکو خلع کہتے ہیں۔ مثلاً حضرت جبرئیل علیہ السلام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بارہا بصورت بشری خاصکر حضرت دحیہ کلبی رضؓ کی صورت میں آنا کتب حدیث میں بالتفصیل مذکور ہے۔ جیسا کہ فصل ثانی کے ملاحظہ سے معلوم ہوگا۔

فرشتوں پر ایمان لانا فرض ہے۔ لہذا صفات ایمان میں اسکو شامل کیا گیا ہے امام الائمہ حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:۔

یجب ان یقول اٰمنتُ باللہ وملائکتہ الخ

امام صاحب کا یہ قول بالکل حق اور قرآن و حدیث کے عین مطابق ہے چنانچہ

ومن یکفر باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاٰخر فقد ضل ضلٰلاً بعیدا (النساء)

سورہ نساء میں فرمایا "اور جو شخص اللہ کا منکر ہو اور اسکے فرشتوں کا اور اسکی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور روزِ آخرت کا تو وہ راہِ راست سے بڑی دور بھٹک گیا"۔

Marfat.com

فصل ثانی

در اثبات نزول ملائکہ از قرآن کریم وحدیث

اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو زمین پر خاص خاص کاموں کے لئے نازل کرتا ہے اوّل[۱] تبلیغ رسالت کیلئے دوم[۲] دشمنانِ دین کے ہلاک کرنے کے لئے۔ سوم[۳] بندوں کے اعمال لکھنے کے لئے۔ چہارم[۴] قبض ارواح کے لئے۔ پنجم[۵] مُردوں کے حساب کے لئے۔ ششم[۶] مومنوں کے ساتھ ذکر الٰہی میں شامل ہونے کے لئے۔ ہفتم[۷] لوگوں کو آفات سے محفوظ رکھنے کے لئے ہشتم[۸] میدان جنگ میں مومنوں کی مدد کے لئے۔ نہم[۹] رسول اللہ صلعم پر درود پہنچانے کیلئے

امورِ مذکورہ کا ثبوت حسب ترتیب بالا قرآن وحدیث سے اس طرح ہے :-

(۱) انبیاء علیہم السلام کو وحی پہنچانے کی خدمت بعض فرشتوں علیہم السلام کے متعلق ہے چنانچہ سورۂ فاطر کے شروع میں فرمایا۔ ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے

الحمد للہ فاطر السموٰت والارض جاعل الملئکۃ رسلا اولی اجنحۃ مثنیٰ وثلث ورباع یزید فی الخلق مایشآء ان اللہ علی کل شئ قدیر (فاطر ع ۱)

جس نے محض عدم سے آسمان وزمین بنا نکالے۔ اور اسی نے فرشتوں کو اپنا قاصد بنایا جنکے دو دو اور تین تین اور چار چار پر ہیں اپنی مخلوقات کی بناوٹ میں جو چیز چاہتا ہے زیادہ کر دیتا ہے۔ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اسی طرح سورہ شوریٰ میں فرمایا

وماکان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراءِ حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنہ مایشآء انہ علی حکیم (شوریٰ ع ۱)

"اللہ تعالیٰ جو بہت بلند اور بڑی حکمت والا ہے کسی بشر کے ساتھ کلام نہیں کرتا مگر اس صورت میں کہ اسکو خفیہ وحی کے ذریعہ کچھ بتادے یا پس پردہ کوئی بات سنادے۔ یا اپنا فرشتہ بھیجے جو اسکے اذن سے اس بشر

Marfat.com

کو پیغام پہنچاوے۔ اسی طرح یہ خدمت خاصکر حضرت جبرئیل ؑ کے سپرد ہے۔ ان کا نزول بشکل انسانی ایسا بیّن اور روشن ہے کہ مخالف کو جائے دم زدن نہیں تیئیس ۲۳ سال تک برابر بحکم الٰہی رسول اللہ صلعم پہ وحی لاتے رہے۔ اصحاب رسول اللہ ؓ ان کو آپ کے پاس بیٹھے اور باتیں پوچھتے دیکھ کر حیران ہوتے تھے۔ کبھی حضرت دحیہ کلبی رضؓ کی شکل میں متمثل ہوکر آتے اور کبھی کسی مسافر کی صورت میں یہانتک کہ صحابہ رضؓ آپ کو نہ پہچانتے اور خود رسول اللہ صلعم ان کو بتاتے کہ یہ جبرئیل علیہ السّلام تھے سو جبرئیل ؑ کا نزول بشکل انسانی بنص صریح قرآنی و حدیثی ثابت ہے۔ لہذا اسکا انکار کفر ہے اور دیگر ملائکہ کا بھی ویسا ہی نزول صاف صاف عبارت میں قرآن و حدیث سے ثابت ہے اسلئے انکا انکار بھی کفر ہے۔ فرشتوں پر ایمان لانا فرض ہے۔ لہذا صفات ایمان میں اسکو شامل کیا گیا + فرشتوں پر ایمان اس صورت میں پورا ہوتا ہے جب اس طرح مانا جاوے جس طرح شارع علیہ السّلام سنوائے اور اللہ تعالیٰ فرمائے۔ اور اگر کوئی فرشتوں کو تو مانتا ہے مگر اپنے خیال سے ارواح کواکب یا قویٰ کو۔ سو وہ اپنی ہوائے خواہش کا متبع ہے۔ شارع علیہ السلام کے نزدیک ایسا ایمان معتبر اور مقبول نہیں ہے۔

اجمال بالا کی تفصیل بذریعہ دلائل نقلیہ حسب ذیل ہے۔

رسول اللہ صلعم کو نبوت عطا ہونے کی کیفیت

فجاء الملك فقال اقرء قال ما انا بقارئ قال فاخذنی فغطنی حتی بلغ منی الجهد ثم ارسلنی فقال اقرء قلت ما انا بقارئ فاخذنی فغطنی الثانیة حتی بلغ منی الجهد ثم ارسلنی فقال اقرء قلت ما انا بقارئ فاخذنی فغطنی الثالثة ثم ارسلنی فقال اقرء باسم

صحیح بخاری میں اس طرح لکھی ہے کہ رسول اللہ صلعم کی عادت مبارک تھی کہ کچھ دنوں کا کھانا لیجاتے اور غار حرا میں کئی روز تک ملت حنیفیہ کے موافق اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے کہ آپکے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہنے لگے کہ پڑھ آپنے فرمایا میں تو پڑھا ہی نہیں ہوں پھر فرشتے

Marfat.com

ربك الذی خلق خلق الانسان من علق
اقرء وربك الاكرم (صحیح بخاری)

نے آپ کو خوب زور سے بھینچا حتی کہ آپ کا
یا اُس فرشتے کا سانس رکنے لگا پھر اُس
فرشتے نے آپ کو چھوڑ دیا۔ اور کہا کہ پڑھ آپ نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں پھر
اُس نے دوبارہ بھینچا پھر چھوڑ کر کہا پڑھ آپ نے پھر بھی فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں
پھر تیسری دفعہ اُس نے اسی طرح زور سے بھینچا پھر چھوڑ کر کہا پڑھ اپنے رب کے نام
سے جس نے پیدا کیا انسان کو جمے خون سے پڑھ اور تیرا رب بڑا بزرگ ہے۔ دیکھو اس حدیث
سے کیا صاف صاف نظر آرہا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم
کے جسم مبارک کو زور کے ساتھ بھینچا اور زبان مبارک سے فرمایا ہے کہ پڑھ۔ کیا بھینچنے والا
کوئی سایہ یا چھاؤں تھی معاذ اللہ۔ ثم معاذ اللہ۔ ایسا اعتقاد تو مہندوں کا ہے۔ کہ
فلاں فلاں چیز کا سایہ انسان پر پڑ جاتا ہے۔ تو وہ انسانی ہوش و حواس
کھو بیٹھتا ہے۔ ایسا اعتقاد سخت گمراہی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرشتہ کو
اپنی آنکھ سے اپنے روبرو دیکھنا بڑی ضروری بات ہے کیونکہ اس سے موانست اور
اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

اس کے بعد کچھ مدت تک وحی بند رہی اسے زمانہ **فترت** کہتے ہیں۔ پھر وحی متواتر
طور پر ہونے لگی چنانچہ اسکی نسبت صحیح بخاری میں اس طرح مروی ہے کہ رسول اللہ
فرماتے ہیں کہ ایک دن جب میں باہر چل

بینا انا امشی اذ سمعت صوتا من السماء
فرفعت بصری فاذا الملك الذی جاءنی
بحراء جالس علی کرسی بین السماء
والارض فرعبت منه (صحیح بخاری)

رہا تھا جاتے جاتے آسمان سے ایک آواز
سنی جب نظر اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ
جو میرے پاس غار حرا میں آیا تھا آسمان
و زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا نظر آیا۔ پس میں اس سے ڈر گیا۔ یہ واقعہ
دوسری دفعہ کی وحی کا ہے +

Marfat.com

واضح ہو کہ رسول اللہ ؐ نے حضرت جبرئیل کو اُنکی اپنی مَلکی صورت میں دو دفعہ دیکھا ہے۔ ایک بار تو اوائل وحی میں۔ جسکا بیان اوپر کی حدیث میں گذر چکا ہے اسی کی نسبت سورۂ تکویر میں فرمایا "بیشک ہمارے پیغمبر ؐ نے جبرئیل فرشتہ کو آسمان کے مطلع صاف میں دیکھا ہے"۔ اور اسی کی

ولقد راٰہ بالافق المبین (سورۂ تکویر)
فاستوٰی وھو بالافق الاعلٰے (نجم)

بابت سورۂ نجم کے شروع میں فرمایا "کہ جس وقت وہ فرشتہ آسمان کی ایک طرف اچھی اونچی جگہ میں تھا تو اپنی اصلی صورت میں سارے کا سارا پیغمبر ؐ کے سامنے آکھڑا ہوا"۔ دوسری دفعہ شبِ معراج میں آسمان پر سدرۃ المنتہے کے پاس دیکھا۔ چنانچہ اس کا بیان بھی سورۂ نجم میں اس طرح فرمایا "بے شک اس

ولقد راٰہ نزلۃ اخرٰی عند سدرۃ المنتہے عندھا جنۃ المادٰی (نجم)

پیغمبر ؐ نے جبرئیل ؑ کو سدرۃ المنتہے کے پاس جہاں جنۃ المادی ہے ایک اور دفعہ بھی انکی اپنی اصلی صورت پر دیکھا ہے"۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اس رؤیت کا ذکر بھی آیا ہے۔ بغرض اختصار اس جگہ نقل نہیں کیا گیا۔

صحیح بخاری باب بدء الوحی میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلعم سے پوچھا گیا۔ کہ آپ پر وحی کس طرح آتی ہے تو آپ نے منجملہ اور صورتوں کے ایک یہ فرمائی کہ "کبھی

واحیانا یتمثل لی الملک رجلا فیکلمنی فاعی ما یقول (صحیح بخاری)

میرے پاس وہ فرشتہ آدمی کی صورت میں ہو کر آتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے۔ پس جو کچھ وہ کہتا ہے میں یاد کر لیتا ہوں"۔ اسی طرح صحیح بخاری کے اسی باب میں حضرت ابن

فاذا انطلق جبریل قرء النبی کما قرء (بخاری)

عباس سے مروی ہے "کہ جب جبرئیل ؑ قرآن شریف سکھا کر آپ کے پاس سے چلے جاتے تو پیچھے نبی صلعم پڑھا کرتے جو کچھ جبرئیل ؑ نے پڑھا ہوتا اسی طرح صحیح بخاری کے اسی باب میں حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے

کان رسول اللہ ؐ اجود الناس وکان

کہ رسول اللہ ؐ عموماً سب لوگوں سے

Marfat.com

اجود ما یکون فی رمضان حین یلقاہ جبریل وکان یلقاہ فی کل لیلۃ من رمضان فیدارسہ القرآن (صحیح بخاری)

سے زیادہ سخی تھے اور خاصکر رمضان شریف میں جب آپکے پاس حضرت جبریلؑ آتے تو بہت ہی سخاوت کرتے اور جبریلؑ کا معمول تھا کہ رمضان میں ہر رات آپکے پاس آتے اور قرآن شریف کا دور کرتے

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم رسول اللہ صلعم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ناگاہ ایک شخص بڑے سفید کپڑوں والا اور بڑے سیاہ بالوں والوں آیا۔ اسپر کوئی اثر سفر کا بھی معلوم نہ ہوتا تھا۔ اور نہ ہی ہم میں سے کوئی اسکو پہچانتا تھا۔ یہانتک کہ آپؐ کے پاس دوزانو ہوکر بیٹھ گیا۔ اس طرح کہ اپنے زانو آپؐ کے زانوؤں سے ملا دیے اور اپنے ہاتھ رانوں پر رکھے۔ اور آپؐ سے اسلام پھر ایمان پھر احسان کی بابت سوال کرکے قیامت کی بابت پوچھا۔ رسول اللہ صلعم اُس کے ہر سوال کا جواب فرماتے اور وہ اسکی تصدیق کرتا۔ پھر وہ شخص چلا گیا۔ رسول اللہؐ نے مجھ سے پوچھا یا عمر اتدری من السائل یعنی اے عمر کیا تو جانتا ہے کہ یہ پوچھنے والا کون تھا۔ میں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی جانے۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ جبریلؑ تھا تم کو دین سکھانے کے لئے آیا تھا۔ اس حدیث کو امام بخاریؒ امام مسلمؒ۔ امام ابوداؤد۔ امام ترمذی۔ اور امام ابن ماجہ نے اپنی اپنی کتاب میں روایت کیا۔ **نیز** ابوداؤد اور ترمذی میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جبریلؑ بیت اللہ کے پاس دو دفعہ میرے امام بنے۔ دیکھو یہاں کس طرح صریح صریح نزول ثابت ہو رہا ہے۔ کیونکہ چھاؤں یا عکس کے پیچھے نماز تو وہی پڑھے گا جو مخبوط الحواس ہو حالانکہ رسول اللہ صلعم نے برابر دس **نمازیں** جبریل علیہ السلام کے پیچھے پڑھیں۔ جیسا کہ اس حدیث میں آگے مذکور ہے اور یہ حدیث تعلیم اوقات کی ہے۔ اس کا اصل بخاری اور موطا امام

Marfat.com

مالک میں بھی ہے۔ یہ ایک ایسی بیّن دلیل ہے کہ عقلمند کو اسکے ماننے سے چارہ نہیں ہے معراج کی حدیث حضرت ابوذر اور انس بن مالک اور مالک بن صعصعہ سے بخاری اور مسلم میں روایت کی گئی ہے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل ؑ آئے اور مجھے براق پر سوار کرکے پہلے بیت المقدس میں لے گئے پھر پہلے آسمان پر پھر دوسرے آسمان پر اسی طرح ساتویں آسمان پر پہنچ کر اپنے مقام معلوم یعنے سدرۃ المنتہیٰ پر پھر گئے ۔ معراج جسمانی کا ثبوت ۔ مالہ سلم الوصول میں بہت تحقیق کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ شائق تفصیل اسکا مطالعہ کرے۔

حضرت جبرئیل ؑ کے پاس حضرت عیسیٰ ؑ کی ولادت باسعادت کی بشارت کے لئے حضرت جبرئیل ؑ کے نزول کی کیفیت اللہ تعالےٰ نے سورہ مریم میں اس طرح بیان فرمائی کہ "ہم نے اُسکے پاس روح القدس یعنی جبرئیل ؑ کو بھیجا پس وہ مریم کے سامنے ایک پورے جوان البشر کی شکل میں آ کھڑا ہوا"

فارسلنا الیہا روحنا فتمثل لہا بشراً سویا (مریم)

ان سب آیات و احادیث سے نزول جبرئیل ایسا عیاں ہے کہ محتاج بیان نہیں (۲) ملائکہ کی دوسری خدمت دشمنان خدا و رسول کو ہلاک کرنا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم ؑ کے مہمانوں کا قصہ قرآن شریف میں تیرہ جگہ وارد ہے۔ اسکی تفصیل اس طرح ہے۔ کہ کچھ فرشتے بصورت بشری حضرت ابراہیم ؑ کے پاس آئے آپ نے ان کو مہمان تصور کیا۔ اور بہت جلدی ایک موٹا تازہ بچھڑا ذبح کرکے اور اسکے کباب بھون کر اُن کے سامنے لا حاضر کیا۔ جب آپ نے ان کے ہاتھ کھانے کی طرف بڑھتے نہ دیکھے تو آپ ڈرے کہ مبادا دشمن ہوں۔ انہوں نے کہا ڈرو نہیں ہم تو تمہارے پروردگار کے فرشتے ہیں آپ کو ایک لڑکے یعنی حضرت اسحاق ؑ کے پیدا ہونیکی بشارت دینے اور لوط ؑ کی قوم کو عذاب کرنے کے لئے آئے ہیں

ابراہیم ؑ نے اُن سے غذا کے بارے میں گفتگو کی۔ پھر وہ حضرت لوط ؑ کے پاس گئے اُنکی قوم اُن کو خوبرو لڑکے دیکھ کر اُن کے اندر گھس آئی۔ حضرت لوط ؑ نے منت کی کہ میرے مہمانوں کو نہ ستاؤ۔ فرشتوں نے حضرت لوط ؑ سے کہا کہ آپ کچھ خوف نہ کریں ہم تمہارے پروردگار کے فرشتے ہیں یہ لوگ آپ تک ہرگز نہ پہنچ سکینگے۔ ہم اس بستی کو اُلٹا کر ہلاک کرنے کے لئے آئے ہیں۔ ویسا ہی ہوا۔

یہ سارا قصہ قرآن شریف میں موجود ہے اس سے صاف طور پر ثابت ہے کہ فرشتے زمین پر اترتے ہیں ورنہ حضرت ابراہیم ؑ کو اُن کے معلوم کرنے میں غلطی نہ لگتی اور آپ اُن کے سامنے بچھڑا کباب کرکے نہ رکھتے اور قوم لوط اُن کو خوبرو لڑکے تصور کرکے اُن پر نہ کود پڑتی۔ کیا یہ سب معاملہ اچھا تھا یا تمکس کے ساتھ کرتے گئے۔ فتدبر یا اھل العقل!!.....

(۳) تیسری قسم کی فرشتوں کی وہ مخلوق ہے جو اعمال بنی آدم کی نگہبانی پر مامور ہے

وان علیکم لحافظین کراما کاتبین یعلمون ما تفعلون

کہ ہم نے تمہر محافظ کراماً کاتبین بزرگ لکھنے والے جو جانتے ہوتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔ وہ سب جانتے ہیں۔ بخاری باب الملائکہ میں حضرت ابوہریرہ رضی مروی ہے

الملائکۃ یتعاقبون ملائکۃ باللیل وملائکۃ بالنھار ویجتمعون فی صلوۃ الفجر والعصر ثم یعرج الیہ الذین باتوا فیکم فیسالھم وھو اعلم فیقول کیف ترکتم عبادی فیقولون ترکناھم یصلون واتیناھم یصلون (بخاری باب الملائکہ)

کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ کچھ فرشتے دن کو اور کچھ رات کو یکے بعد دیگرے آتے ہیں اور عصر اور فجر کے وقت آپس میں ملتے ہیں یعنی عصر کے وقت رات کے آنے والے دن کے چلے جاتے ہیں اور فجر کو رات کے چلے جاتے ہیں اور دن کے آجاتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ اُن سے باوجود

Marfat.com

جاننے کے اُن سے پوچھتا ہے کہ میرا بندہ کس حال میں تھا وہ کہتے ہیں کہ آپکی ہم جب گئے تھے تب بھی وہ نماز میں تھا۔ اور جب آئے ہیں تب بھی نماز میں تھا۔" دیکھو اس تبدیلی اور جانے آنے سے جسمانی نزول ثابت ہوتا ہے یا عکس۔ اگر عکس ہی نازل ہوتا ہے تو اس تبدیلی کے کیا معنے؟ ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ ہر بندے پر دو فرشتے ہیں جو اعمال لکھتے جاتے ہیں ایک نیکی اور دوسرا بدی نیکی والا دائیں کندھے پر اور بدی والا بائیں کندھے پر ہے۔ اسی طرح سورہ قٓ میں فرمایا:۔ "انسان جو کچھ بولتا ہے

ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید (ق)

لکھنے والا فرشتہ جو اُسپر ایک تیار محافظ ہے اسکو جھٹ لکھ لیتا ہے"۔

(۴) ملائکہ کی چوتھی خدمت مُردوں کا حساب ہے اُنکو منکر نکیر کہتے ہیں چنانچہ جامع ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب لوگ مُردے کو دفن کرکے واپس آجاتے ہیں تو اُس کے پاس دو فرشتے سیاہ رنگ والے نیلی آنکھوں والے آتے ہیں ایک کا نام منکر ہے اور دوسرے کا نکیر۔ اس حدیث کا اصل صحیح بخاری میں ہے

(۵) ملائکہ کی پانچویں خدمت قبض ارواح ہے چنانچہ سورۂ الٓمٓ السجدۃ میں فرمایا:۔ "اے پیغمبر ان سے کہدو کہ تم کو

قل یتوفکم ملک الموت الذی وکل بکم ثم الی ربکم ترجعون (الٓمٓ)

قبض کریگا ملک الموت جو تم پر مقرر کیا گیا ہے"

جانکندن اور حساب قبر کی کیفیت حدیث شریف میں اس طرح آئی ہے:۔

عن البراء بن عازبؓ قال خرجنا مع النبی صلے اللہ علیہ وسلم فی جنازۃ رجل من الانصار فانتہینا الی القبر ولما یلحد فجلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجلسنا حولہ کان علی

"براء بن عازب کہتے ہیں کہ ہم انصار یعنے مدنی اصحاب میں سے ایک شخص کے جنازے پر نبی صلعم کے ساتھ گئے۔ ہم قبر پر پہنچگئے اور ابھی وہ دفن نہیں کیا گیا تھا۔ پس رسول اللہ صلعم بیٹھ گئے اور ہم بھی آپؐ کے گرد ایسی حالت

رؤسنا الطیر وفی یدہ عود ینکت بہ
فی الارض فرفع رأسہ فقال استعیذوا
باللہ من عذاب القبر مرتین او ثلثا ثم قال
ان العبد المؤمن اذا کان فی انقطاع من الدنیا
واقبال من الاخرۃ نزل الیہ ملائکۃ
من السماء بیض الوجوہ کان وجوھھم
الشمس معھم کفان من اکفان الجنۃ و
حنوط من حنوط الجنۃ حتی یجلسوا منہ
مد البصر ثم یجیء ملک الموت حتی
یجلس عند رأسہ فیقول ایتھا
النفس الطیبۃ اخرجی الی مغفرۃ من اللہ
ورضوان قال فتخرج تسیل کما تسیل
القطرۃ من السقاء فیاخذھا فاذا اخذ
لم یدعوھا فی یدہ طرفۃ عین حتی یاخذوھا
ویجعلوھا فی ذالک الکفن وفی ذالک
الحنوط ویخرج منھا کطیب نفحۃ
مسک وجدت علی وجہ الارض قال
فیصعدون بھا فلا یمرون یعنی
بھا علی ملاء من الملائکۃ
الا قالوا ما ھذا الروح الطیب
فیقولون فلان بن فلان باحسن

ہیں بیٹھ گئے کہ گویا ہمارے سروں پر
پرندے ہیں یعنی نہایت ادب کے ساتھ
چپ چاپ بیٹھے تھے۔ اور آنحضرت صلعم
کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جسکے ساتھ
متفکرانہ طور پر زمین میں کریدتے تھے
اور خط کھینچتے تھے۔ تو پھر آپنے اپنا سر
اُٹھا کر دو یا تین بار فرمایا۔ کہ عذاب قبر سے
اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو۔ پھر فرمایا کہ جس وقت
کوئی مومن دنیا سے علاقہ توڑ کر آخرت
میں جانے کو ہوتا ہے۔ تو اسکی طرف
فرشتے اترتے ہیں اُن کے چہرے آفتاب
کی طرح نورانی ہوتے ہیں اور اُن کے
پاس بہشت کے کپڑوں سے کفن اور
جنت کی خوشبو ہوتی ہے حتی کہ اُس
قریب المرگ مومن کے سامنے نظر کی
دوری تک بیٹھ جاتے ہیں پھر ملک الموت
آتا ہے اور اُس کے سر کے پاس بیٹھ جاتا
ہے اور کہتا ہے کہ اے پاک جان
چل اللہ تعالیٰ کی بخشش اور خوشنودی کی
طرف۔ پس وہ پاک جان ایسی سہولت
سے نکلتی ہے جسطرح پانی کی مشک سے قطرہ

Marfat.com

الاسماء التی کانوا یسمونہ بھا فی الدنیا حتی ینتھوا بھا الی السماء الدنیا فیستفتحون لہ فیفتح لھم فیشیعہ من کل سماء مقربوھا الی السماء التی تلیھا حتی ینتھی بہ الی السماء السابعۃ فیقول اللہ اکتبوا کتاب عبدی فی اعلی علیین واعیدوہ الی الارض فانی منھا خلقتھم وفیھا اعیدھم ومنھا اخرجھم تارۃ اخری قال فتعاد روحہ فی جسدہ فیاتیہ ملکان فیجلسانہ فیقولان لہ من ربک فیقول ربی اللہ فیقولان لہ ما دینک فیقول دینی الاسلام فیقولان لہ ما ھذا الرجل الذی بعث فیکم فیقول ھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیقولان لہ وما علمک فیقول قرأت کتاب اللہ فآمنت بہ وصدقت فینادی منادٍ من السماء ان صدق عبدی فافرشوہ من الجنۃ والبسوہ من الجنۃ وافتحوا لہ بابا الی الجنۃ قال

پس ملک الموت اس جان کو قبض کرلیتا ہے اور اس سے وہ دوسرے فرشتے جھٹ ایک لمحہ میں لے لیتے ہیں اور اس کفن اور خوشبو میں لپیٹ لیتے ہیں۔ اور اس سے ایسی عمدہ کستوری کی خوشبو نکلتی ہے کہ روئے زمین پر کہیں پائی نہ جائے پس وہ اسکو لے چڑھتے ہیں اور فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں وہ سب کہتے ہیں کہ کیا ہے یہ **پاک روح**؟ وہ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ فلاں بن فلاں کی روح ہے اور اس کو اس نیک لقبوں سے یاد کرتے ہیں جن سے وہ دنیا میں پکارا جاتا تھا اسی طرح سوال وجواب ہوتا جاتا ہے حتی کہ اسکو پہلے آسمان تک لے پہنچتے ہیں پس ان کے لئے آسمان کا دروازہ کھولا جاتا ہے پس ہر آسمان کے بعض مقرب فرشتے دوسرے آسمان تک اس روح کے ساتھ ہو لیتے ہیں حتی کہ اسکو ساتویں آسمان تک لے پہنچتے ہیں اور جناب الٰہی میں پیش کرتے ہیں پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے کا اعمالنامہ **علیین** میں

Marfat.com

فتاتیہ من روحها وطیبها فیفسح
له فی قبره مد بصره قال ویاتیہ
رجل حسن الوجه حسن الثیاب طیب
الریح فیقول ابشر بالذی یسرك
هذا یومك الذی کنت توعد فیقول
له من انت فوجهك الوجه یجیئ
بالخیر فیقول ربّ اقم الساعة
حتی ارجع الی اهلی ومالی قال
وان العبد الکافر اذا کان فی
انقطاع من الدنیا واقبال من الآخرة
نزل الیه من السماء ملائکة
سود الوجوه معهم المسوح
فیجلسون منه مد البصر ثم یجیئ
ملك الموت حتی یجلس عند راسه
فیقول ایتها النفس الخبیثة اخرجی
الی سخط من الله قال فتفرق
فی جسده فینتزعها کما ینزع
السفود من الصوف المبلول
فیاخذها فاذا اخذها لم یدعوها
فی یده طرفة عین حتی یجعلوها
فی تلك المسوح وتخرج منها

ثابت رکھو اور اسکی روح کو زمین کیطرف
جہاں اسکا بدن مدفون ہے واپس لیجاؤ
کیونکہ میں نے ان کے بدنوں کو مٹی ہی سے
پیدا کیا ہے اور اسی میں پھر بھیجتا ہوں اور
پھر دوسری بار قیامت کو اسی سے نکالونگا
پھر آں حضرت صلعم نے فرمایا کہ اسکی روح
بدن کی طرف واپس لائی جاتی ہے پس
اس کے پاس دو فرشتے منکر اور نکیر آتے
ہیں اور اسکو بٹھلاتے ہیں پھر اس سے
پوچھتے ہیں کون ہے رب تیرا؟ وہ مومن
کہتا ہے میرا رب اللہ ہے پھر پوچھتے ہیں
تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے میرا دین اسلام
ہے پھر پوچھتے ہیں کہ جو شخص تم میں رسول
بنا کر بھیجا گیا وہ کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ
رسول اللہ ہے پھر فرشتے کہتے ہیں
کہ تو نے یہ کس طرح جانا۔ وہ کہتا ہے کہ
اللہ کی کتاب پڑھی۔ اور اسپر ایمان لایا
اور اسکی دل سے تصدیق کی پھر [illegible]
سے ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ
میرے بندے نے سچ کہا پس اسکے
لئے جنت میں سے بچھونا بچھاؤ اور اسکو

Marfat.com

کا نتن ریح خبیثۃ وجدت علی وجہ
الارض فیصعدون بہا فلا یمرون
بہا علی ملاء من الملائکۃ الا
قالوا ما ھذا الروح الخبیث فیقولون
فلان بن فلان باقبح اسمائہ التی
کان یسمی بہا فی الدنیا حتی ینتہی
بہ الی السماء الدنیا فیستفتح لہ
فلا یفتح لہ ثم قرأ رسول اللہ صلعم
لا تفتح لہم ابواب السماء ولا یدخلون
الجنۃ حتی یلج الجمل فی سم الخیاط
فیقول اللہ عزوجل اکتبوا کتابہ
فی سجین فی الارض السفلی فتطرح
روحہ طرحا ثم قرأ ومن یشرک
باللہ فکانما خر من السماء فتخطفہ الطیر
او تہوی بہ الریح فی مکان سحیق
فتعاد روحہ فی جسدہ ویاتیہ ملکان
فیجلسانہ فیقولان لہ من ربک فیقول
ھاہ ھاہ لا ادری فیقولان لہ ما دینک
فیقول ھاہ ھاہ لا ادری فیقولان لہ
ما ھذا الرجل الذی بعث فیکم فیقول
ھاہ ھاہ لا ادری فینادی منادمن

جنت ہی کا لباس پہناؤ۔ اور اُس کیلئے
جنت کی طرف دروازہ کھولدو۔ فرمایا
آنحضرت ؐ نے کہ پس اسکو جنت کی ہوا اور
خوشبو آتی ہے اور اسکی قبر اسکی نظر کی دوری
تک کشادہ ہوجاتی ہے اور اُسکے پاس ایک
شخص خوبصورت اچھے لباس والا خوشبو
والا آتا ہے اور اسکو کہتا ہے تجھو ان چیزوں
کی خوشخبری ہو جن سے تو خوش ہووے
یہ وہی دن ہے جسکا تجھ کو وعدہ دیا جاتا
تھا۔ پس وہ مومن اس خوبرو شخص کو
پوچھتا ہے تو کون ہے تیرا چہرہ بہت اچھا ہے
اور بھلائی کی خبر لاتا ہے پس وہ کہتا ہے
کہ میں تیرا **عمل صالح** ہوں۔ پس وہ
شخص کہتا ہے کہ الٰہی مجھے تھوڑی مہلت
دے تا میں اپنے اہل وعیال کی طرف
لوٹ جاؤں اور انکو اس حال سے خبردار
کروں۔ اور اپنا مال تصدق کروں۔
پھر آنحضرت ؐ نے فرمایا کہ جسوقت کافر
آدمی دنیا کو چھوڑ کر آخرت کی طرف جانے
کو ہوتا ہے تو اُسکے پاس آسمان سے فرشتے
آتے ہیں اُن کے مُونہہ سیاہ ہوتے ہیں

Marfat.com

السماء ان کذب فافرشوہ من النار وافتحوا لہ بابا الی النار فیاتیہ من حرہا وسمومہا ویضیق علیہ قبرہ حتی تختلف فیہ اضلاعہ ویاتیہ رجل قبیح الوجہ قبیح الثیاب منتن الریح فیقول ابشر بالذی یسوءک ھذا یومک الذی کنت توعد فیقول من انت فوجھک الوجہ یجیئ بالشر فیقول انا عملک الخبیث فیقول رب لا تقم الساعۃ وفی روایۃ نحوہ وزاد فیہ اذا اخرج روحہ صلی علیہ کل ملک بین السماء والارض وکل ملک فی السماء وفتحت لہ ابواب السماء لیس من اھل باب الا وھم یدعون اللہ ان یعرج بروحہ من قبلھم و تلعنہ یعنی الکافر مع العروق فیلعنہ کل ملک بین السماء والارض وکل ملک فی السماء وتغلق ابواب السماء لیس من اھل باب الا وھم یدعون اللہ ان لا یعرج روحہ من قبلھم

(رواہ احمد و مشکوۃ)

اور ان کے پاس ٹاٹ ہوتے ہیں پس نظر کی دور تک بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت آتا ہے اور اسکے سر کے پاس بیٹھ جاتا ہے پس کہتا ہے کہ اے خبیث جان چل اللہ کے غضب کی طرف پس وہ ناپاک جان بدن میں چھپتی پھرتی ہے۔ پس ملک الموت اسکو اس طرح سختی سے کھینچتا ہے جس طرح گیلے صوف میں سے لوہے کی گرم سلائی کھینچی جائے اور وہ صوف اسکے ساتھ چمٹ جاتی ہے اور سیخ صوف کے ساتھ نکل نہیں سکتی۔ پس ملک الموت اس جان کو لے لیتا ہے اور وہ دوسرے فرشتے جھٹ ایک لمحہ میں اس کو لیکر ٹاٹ میں لپیٹ لیتے ہیں۔ پس اس روح سے مردار کی سی ایسی گندی بدبو نکلتی ہے کہ روئے زمین پر کہیں پائی جائے۔ پس اسکو اوپر لے چڑھتے ہیں اور فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گذرتے ہیں وہ سب کہتے ہیں کہ کیا ہے یہ خبیث روح پس فرشتے کہتے ہیں کہ فلاں بن فلاں کی روح ہے اور اسکو ان برے ناموں اور لقبوں سے یاد کرتے ہیں جن سے

Marfat.com

وہ دنیا میں بلایا جاتا تھا حتیٰ کہ اسکو پہلے آسمان تک لے پہنچتے ہیں۔ پس اُسکے لئے آسمان کا دروازہ نہیں کھولا جاتا۔ پھر آں حضرت ؐ نے سورۂ اعراف کی آیت پڑھی کہ اُن کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائنگے اور وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکینگے جس طرح کہ سوئی کے ناکے سے اونٹ نہیں گذر سکتا۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ثابت رکھو اعمالنامہ اس کا سجین میں پھر اسکی روح زور سے پھینکی جاتی ہے۔ پھر آنحضرت ؐ نے سورہ حج کی یہ آیت پڑھی اور جو شخص شریک بناوے ساتھ اللہ کے پس گویا کہ وہ گرا آسمان سے پس اُچک لیتے ہیں اُسکو پرندے یا پھینکتی ہے اسکو ہوا کسی دور کے مکان میں۔ پس اسکی روح پھر اُسکے جسم میں پھونکی جاتی ہے اور اُس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور وہ اسکو بیٹھا کر پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کافر کہتا ہے ہاہ! ہاہ! میں نہیں جانتا۔ پھر پوچھتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے ہاہ! ہاہ! میں نہیں جانتا پھر وہ پوچھتے ہیں کہ جو شخص تم میں رسول بنا کر بھیجا گیا اسکی نسبت تیرا کیا اعتقاد ہے؟ وہ کہتا ہے ہاہ! ہاہ!! میں نہیں جانتا۔ پس ایک آسمان سے پکارنیوالا پکارتا ہے کہ اس نے سب کچھ جھوٹ کہا۔ پس اُسکے لئے دوزخ کا فرش بچھاؤ۔ اور دوزخ کی طرف دروازہ کھولدو۔ پس اسکو دوزخ کی گرم اور زہریلی ہوا آتی ہے اور اُسکی قبر یہانتک تنگ کی جاتی ہے کہ اسکی پسلیاں متقابل میں ایک دوسری میں پھنس جاتی ہیں۔ اور اس کے پاس ایک شخص نہایت بُری شکل والا گندے لباس والا گندی بو والا آتا ہے اور کہتا ہے کہ اس چیز کی خبر سُن جو تجھے بُری لگے۔ پس وہ کافر اسکو پوچھتا ہے تو کون ہے کہ تیرا چہرہ برائی لاتا ہے وہ کہتا ہے۔ تیرا بُرا عمل ہوں۔ پس وہ کہتا ہے کہ اے میرے رب قیامت قائم نہ کیجیو۔" + ابو داؤد اور ترمذی نے حضرت ثوبان سے روایت کیا کہ رسول اللہ ؐ ایک جنازہ پر نکلے تو آپ نے کچھ لوگوں کو سوار دیکھ کر فرمایا الا تستحیون ان ملائکۃ اللہ علی اقدامھم وانتم علی ظھور دوابکم یعنی کیا تم حیا نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے پیدل چلتے

Marfat.com

ہیں اور تم سواریوں پر ہو۔ دیکھو حدیث کیسی وضاحت کے ساتھ بتا رہی ہے کہ فرشتے اپنے جسم کے ساتھ زمین پر اترتے ہیں۔

(۶) بعض فرشتے مومنوں کے ساتھ ذکر الٰہی میں شامل ہونے کیلئے زمین پر نازل ہوتے ہیں چنانچہ صحیح بخاری کے باب الملائکہ میں ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ کہ جمعہ کے دن

اذا کان یوم الجمعۃ کان علی کل باب من ابواب المسجد الملائکۃ یکتبون الاول فالاول فاذا جلس الامام طووا صحفھم وجاؤا یستمعون الذکر (بخاری)	مسجد کے ہر دروازے پر فرشتے ہوتے ہیں جو آنیوالے نمازیوں کے نام لکھتے رہتے ہیں پس جب امام خطبہ پڑھنے لگتا ہے تو اُن کتابوں کو لپیٹ لیتے ہیں۔ اور وعظ سننے

ہیں اور ذکر میں مومنوں کے ساتھ شامل ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ ذکر اور احادیث موجود ہے

(۷) بعض فرشتے لوگوں کو آفات سے محفوظ رکھنے کے لئے نازل ہوتے ہیں چنانچہ

لہ معقبات من بین یدیہ ومن خلفہ یحفظونہ من امر اللہ (الرعد رکوع ۱)	سورۂ رعد میں فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے آگے اور پیچھے فرشتے مقرر کئے ہیں جو اللہ

کے امر سے اسکی حفاظت کرتے ہیں۔

(۸) بعض فرشتے میدان جنگ میں مومنوں کی مدد کے لئے نازل ہوتے ہیں چنانچہ فرمایا

اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملئکۃ مردفین (سورۃ الانفال ع ۱)	"جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول کی کہ میں تمہاری مدد کرونگا ایک ہزار فرشتوں

سے تمہاری مدد کرینگے"۔ تفسیر جامع البیان میں اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے

فقد نقل عن علی رض ان جبریل فی الف عن میمنۃ النبی صلعم وفیھا ابوبکر ومیکائیل فی الف عن میسرتہ وانا فیھا (جامع البیان)	کہ حضرت علی رض فرماتے ہیں کہ اس جنگ میں رسول اللہ صلعم کے دائیں طرف ایک ہزار فرشتے کے سرلشکر حضرت جبرئیل تھے اور حضرت ابوبکر رض بھی اسطرف تھے اور بائیں طرف حضرت میکائیل ایکہزار فرشتے کو لئے ہوئے تھے اور میں انمیں تھا

Marfat.com

دیکھو حضرت علی رضؓ نے ان سب کو دیکھا۔ ایک اور روائت میں آیا ہے کہ ہمپر کوئی کافر چڑھکر آتا تو رستے ہی میں اس کا سر کٹ جاتا ہم حیران ہوتے (وہ قاتل فرشتے ہی تھے) ایک اور روائت میں ہے کہ ہم فرشتوں کو دیکھتے تھے کہ سیاہ پگڑیاں ان کے سر پر ہیں اور ہمارے دشمنوں کو مار رہے ہیں۔

(۲) بعض فرشتے صرف اس کام پر لگے ہوئے ہیں کہ مومنوں کی طرف سے جو کچھ درود شریف پڑھا جاتا ہے وہ رسول اللہ تک پہنچا دیتے ہیں چنانچہ سنن نسائی میں ہے ان للہ ملئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام یعنی رسول اللہ فرماتے ہیں کہ بعض فرشتے ایسے ہیں جو زمین میں سیر کرتے رہتے ہیں اور جہاں کوئی میری اُمت میں سے مجھپر درود پڑھتا ہے وہ مجھے پہنچاتے ہیں۔

الغرض قرآن شریف کی کئی آیات اور کئی صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ فرشتے اپنے جسم کے ساتھ زمین پر نازل ہوتے ہیں۔ دیگر آیات و احادیث بوجہ اختصار اس جگہ نہیں لکھی گئیں۔

اعلان

اگر مرزا صاحب ان رسائل ثلاثہ یعنی شہادت القرآن اور سلم الوصول اور نزول الملائکہ کے دلائل کو ضعیف اور غلط ثابت کرکے ان رسائل کے مدعا کے خلاف کو بدلائل قرآنیہ یا بہ ثبوت تک پہنچا دیں تو بندہ اپنے قلم کو توڑ دے گا اور مسیح علیہ السلام کے رفع آسمانی اور رسول اللہ صلعم کے معراج جسمانی کے خلاف پر اعتقاد کر لینے میں ہرگز تامل نہیں کریگا۔ اور میں اس امر کو نہایت زور سے باوار بلند ظاہر کرتا ہوں کہ **مرزا صاحب اس امر میں کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکینگے اور ہرگز نہیں ہو سکینگے۔ رسالہ شہادت القرآن کا جواب مرزا صاحب کی لیاقت علمی سے باہر ہے۔** وانا العبد المفتقر الی اللہ الکریم محمد ابراہیم السیالکوتی۔

Marfat.com

جنگ ہفتاد و دو ملت

... میں جمہوری سلطنت کی بنیاد جنرل برگوین کی گرفتاری۔ جنگ بحری میں امریکہ کی ... ذکر فرانس کی گرفتاری۔ جنرل واشنگٹن کا استعفا دیکر فوج سے علیحدہ ہونے ... بیان ہے۔ قیمت (۸)

مطالعہ فطرت

... طبعی کے بیان میں ہے اس میں (۱) خدا کے تعشق یا (۲) حق تعالیٰ کی صفات (۳) ... شانی زندگی (۴) ہمارے فرائض (۵) حیات بعد الممات (۶) نیکی و بدی (۷) حیات ... بدی (۸) بہشت و دوزخ کا بیان ہے۔ قیمت ..... (۶ر)

شہادت القرآن

... علیہ السلام کا زندہ آسمان پر اٹھایا جانا لاجواب دلائل سے صرف قرآن مجید سے ... ثابت کیا گیا ہے۔ واقعی ایک بے نظیر کتاب ہے منگا کر دیکھئے۔ قیمت ... (۶ر)

عرب کا جغرافیہ۔ قیمت ۸ر نماز اور اسکی حقیقت ۴ر

تحفہ ارکان اسلام

... مولوی سراج الدین صاحب ایڈیٹر زمیندار۔ یہ کتاب بھی دیکھنے کے قابل ہے قیمت (۹ر)

الوہیت مسیح اور تثلیث کا رد۔ قیمت (۴ر) گلیور صاحب کی سیر حصہ

... دنیا کے دور دراز حصہ کی عجیب الخلقت مخلوق کا بیان ہے مصنف نے اپنے چشم دید واقعات ... قلمبند کئے ہیں قیمت (۴ر) حالات چین مع تصاویر اس میں چینی آدمیوں بچوں اور ... جانوروں کا بیان ہے قیمت (۸ر) عجائبات امریکہ قیمت (۴ر) تسخیر القمر قیمت ۴ر

Marfat.com

الھادی

اگرچہ پنجاب و ہندوستان میں کئی اسلامی ماہوار رسالے جاری ہیں اور ہر ایک اپنی عمدگی مضامین اور خوبی بیان سے شائقین کو فریفتہ کر رہا ہے۔ مگر چونکہ ہر شخص کا مذاق اور طرز سخن الگ ہوتا ہے۔ لہذا موجودہ رسائل پر نظر کرنے سے معلوم ہوا کہ بعض ضروری مضامین ابھی تک اچھوتے پڑے ہیں اور فاضل ایڈیٹران کی توجہ ابھی تک اُن کی طرف منعطف نہیں ہوئی۔ لہذا مناسب سمجھا کہ ایک ماہوار رسالہ جو اپنی طرز میں آپ ہی اپنا نمونہ ہو جاری کیا جاوے۔ چنانچہ بفضلہ تعالیٰ **الھادی** جس کے چند پرچے ہدیہ ناظرین ہو چکے ہیں۔ پنجاب پریس شہر سیالکوٹ سے ہر انگریزی مہینہ کی ابتدا تاریخوں میں اپنے دفتر سے جاری ہوتا ہے۔ اسکے اغراض و مقاصد حسب ذیل ہیں:-

شرح قیمت سالانہ	اغراض و مقاصد
(۱) عام خریداروں سے . . . . . عہ	(۱) یہ ثابت کرنا کہ رسول اللہ صلعم نے دنیا کو ظلمتِ جہل سے نورِ علم کیطرف ہدایت کی اور تعلیم معاش معاد کیلئے آپ سے بڑھکر عملی نمونہ کوئی نہیں ہے
(۲) شہرداروں سے . . . . . عہ	(۲) یہ کہ تہذیب اخلاق اور حفاظت نظرت کے لئے قرآنی تعلیم سب سے احسن و ابلغ ہے۔
(۳) ذی استطاعت علماء اور طلباء سے عہ	(۳) غیر مذہبوں کے اعتراضات کے مہذبانہ تحقیقی جوابات
رؤسا و ذوی الاقتدار علماء عہ عام شرح کے جسقدر عنایت فرماویں	(۴) یہ ظاہر کرنا کہ اسلامی علماء اسکی صداقت کا ثبوت ہیں
(۴) غیر مستطیع علماء جو الھادی کی اشاعت میں	
(۵) کوشش فرماویں اُنسے صرف خریداک	

شرائط (۱) قیمت سالانہ پیشگی ہمراہ درخواست آنی چاہئے۔ (۲) نمونہ ڈاکخانہ کے ٹکٹ پر روانہ ہوگا جو سالانہ خریدار کو مجرا دیئے جائینگے (۳) جملہ خط و کتابت وارسال رقم منشی فیض علی منیجر مالک کے نام ہونی چاہئے۔

منشی فیض علی منیجر پنجاب پریس شہر سیالکوٹ

Marfat.com

Marfat.com

چند قابل قدر کتابیں

تفسیر کبیر جلد اول کا اردو ترجمہ

جو لوگ مذہب اسلام کے سچے اصولوں کو خلاف عقل خیال کرتے ہیں یا جن کو ان پاک اصولوں میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں ان کو چاہئے کہ امام فخر الدین رازی کی اس عظیم الشان تفسیر کا مطالعہ کریں۔ اس تفسیر میں قرآن کریم کی جملہ آیات کی تفسیر اصول فلسفہ اور سائنس سے کیگئی ہے جن آیات یا مسائل پر مخالفین اسلام نے اعتراض کئے ہیں یا جسقدر شکوک کسی آئت پر وارد ہوسکتے ہیں اُن کے جواب نہایت زبردست عقلی دلائل سے سوال وجواب کے طور پر دیئے گئے ہیں بعض مشکل اور دقیق مضامین جیسے ثبوت واجب الوجود ثبوت نبوت حضرت محمد رسول اللہ۔ ثبوت ملائکہ و شیاطین سحر و معجزات کی تشریح بمع ثبوت ناسخ و منسوخ کی کیفیت حشر و نشر کا عقلی ثبوت۔ بہشت و دوزخ کا ثبوت اور ان کی ضرورت زمین و آسمان کے عجائبات کا انکشاف وغیرہ کو بالکل اصول فلسفہ اور سائنس کے مطابق حل کیا گیا ہے بعض مفسروں کے جھوٹے قصے اور من گھڑت روائتوں کی پوری قلعی کھولی گئی ہے۔ بعض مسائل پر متقدمین کی بحث و مباحثہ اور ان پر امام رازی کی جرح و تعدیل قابل دید ہے۔ غرض تمام جہان کے مفسر قرآن رازی کی طرز تحریر زبردست فلسفی دلائل کا لوہا مان گئے ہیں۔ جو طرز امام رازی نے ایجاد کیا ہے اسکا نمونہ ملنا بالکل محال ہے اسلئے اس تفسیر کے ہوتے ہوئے کسی دوسری تفسیر کی ضرورت نہیں صفحات ۴۰۰ قیمت للہ

بدور السافرہ کا اردو ترجمہ

یہ کتاب امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے امام ممدوح نے قرآن کریم کی ان جملہ آیات کو جنمیں حشر نشر حساب کتاب۔ پُلصراط۔ حوض کوثر شفاعت۔ میزان۔ نشر اعمال بہشت دوزخ کا بیان ہے اسمیں جمع کرکے حدیث نبوی کیساتھ انکی تفسیر کردی ہے اس کتاب کے ۱۰۰ باب ہیں ہر ایک باب کا انتساب آئت قرآن کریم سے کیا گیا ہے احوال برزخ میں جلد کتاب ہے ۳۸۸ تقطیع کلاں قیمت للہ

Marfat.com

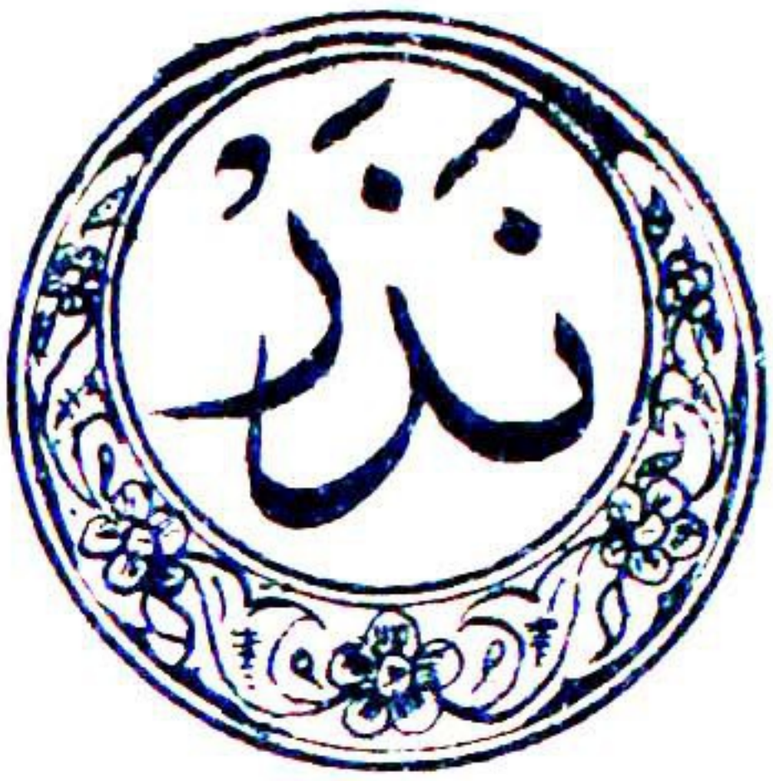

"اُمّ الاِلٰہ" مصنفِ اُمّہاتُ المؤمنین کی نذر ہے۔ اِس لئے کہ ہمیں یقین ہے کہ انزال روح القدس بصورت آتشیں[1] زبان دریدہ دہن مصنف مذکور میں ہوُا۔ اور اُسنے اردو لٹریچر میں قابل نفرین اضافہ کیا۔ "اُمّ الاِلٰہ" سے اون کی اصلاح مقصود

---

[1] تحقیق :۔ بائبل کی خاص اعجازی اختراعوں میں سے "زبان" کی دلچسپ تاریخ بھی قابل ذکر ہے چنانچہ پیدائش باب ۱۱ میں اس طرح مذکور ہے کہ ابتدا میں لوگ صرف ایک ہی زبان بولتے تھے لیکن طوفان نوح کے بعد سب لوگ ایک جگہ جمع ہوئے۔ اور ایکدوسری سے کہنے لگے کہ آؤ ایک پختہ مینار بنائیں جو آسمان کا جگر پھاڑتا ہوا بلند ہو۔ مدعا یہ تھا۔ کہ اگر دوبارہ طوفان آیا۔ تو اسپر چڑھ کر بچ جائیں گے چنانچہ اونہوں نے تعمیر کا کام شروع کردیا۔ مگر "یہوداہ" کو سخت ناگوار گذرا۔ کہ اب خیر نہیں اگر انسان اپنے ارادہ میں کامیاب ہوا تو ایک نہ ایک دن آسمان پر چڑھائی کریں گے اور اللہ میاں سے اپنے باپ دادوں کا انتقام لینگے۔ اس لئے ان پر روح نازل ہوئی اور وہ سب دُنیا کی مختلف زبانیں بولنے لگے ایک تو سنسکرت کے شلوک پڑھتا تھا تو دوسرا یونانی زبان بولتا تھا۔ ایک لاطینی اور دوسرا عربی اور تیسرا فارسی اور علی ہذا القیاس ایک عجب گڑبڑ مچگئی کوئی ایک دوسرے کا مطلب نہ سمجھ سکتا تھا اور شاید وہ خود بھی نہ سمجھ سکتے تھے۔ وہ حیران تھے یہ ہو کیا رہا ہے اور ہر ایک شخص متحیر تھا۔ کہ وہ کیا بکواس کر رہا ہے۔ معمار نے

Marfat.com

ہے۔ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے ؛

(اَلمؤلف)

نوٹ: آواز دی "پتھر" تو ایک شخص چونہ اٹھا لایا۔ حیرت تو یہ ہی کہ اس شخص نے کس طرح سمجھ لیا۔ کہ معمار "چونہ" مانگتا ہے۔ دنیا میں کونسی زبان ایسی ہے کہ "پتھر" کے معنی "چونہ" سمجھتے ہیں۔ یا پانی کو "مٹی" کہتے ہیں۔ غرض یہ کہ ایک نہایت ہی نامعقول قصہ ہے۔

یہ قصہ ہے پرانے عہدنامے کی دلچسپ حکایت نئے عہدنامہ میں کسی حضرت نے یہ واقعہ مختلف پیرائیہ میں اس طرح بیان کیا ہے کہ پنٹکست (Pentcoast) کے دن گیارہ رسول یسوع کے پاس ایک جگہ جمع ہوئے اور مختلف ممالک کے یہودی اور یروشلم کے رہنے والے اونکا وعظ سننے کے لئے آئے یکایک اُن پر روح گیارہ آتشیں زبانوں کی صورت میں نازل ہو کر ہر ایک کی سر پہ آ بیٹھی اور وہ لگے مختلف بولیاں بولنے۔ لوگ حیران تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اونہیں کیا معلوم تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ وہ شاید بابل کا واقعہ بھول گئے ہونگے۔ مگر حیرت یہ ہے کہ گیارہ رسول حیران نہ ہوئے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ آخر بعض اشخاص نے یہ کہکر کہ "یہ نئی مئے کے نشہ میں ہیں" اونکا منہ بند کیا۔ مگر حضرت پطرس بولے کہ "ہم نشے میں نہیں کیونکہ ابھی پہر دن آیا ہے۔ یہ ایک نہایت دلچسپ قصہ ہے۔ اسپر ہم مفصل بحث شاگردان یسوع کے تذکرہ میں کریں گے ؛

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰنِ الرحیم

دیکھو! ایک کنواری پیٹ سے ہوگی اور بیٹا جنیگی۔ اور اُس کا نام عمانوئل رکھیں گے

عہد جدید میں (جو مقدس متی۔ مرقس۔ لوقا۔ یوحنا کی انجیلوں اور دیگر پرائیویٹ خطوط کا مجموعہ ہے) عہد عتیق (توریت) اور پرانے نوشتوں (صحف انبیاء) کے فقرات نقل کرکے یسوع ناصری کی نسبت پیش گوئیاں ظاہر کی گئی ہیں۔ چنانچہ اکثر مقامات پر واقعات کے ساتھ لکھا ہے کہ "یہ اسلئے ہوا کہ جو کچھ نبیوں نے کہا تھا۔ یا جو کچھ پرانے نوشتوں میں لکھا تھا۔ پورا ہو"

پرانے نوشتوں اور پیشگوئیوں کا تذکرہ صرف اسی لئے کیا گیا ہے کہ ثابت ہو جاوے کہ یسوع ایک ایسا شخص تھا جسکی سوانح عمری اوسکی ولادت سے صدہا سال پیشتر لکھی جا چکی تھی۔

اِس میں کچھ شک نہیں کہ یہودی ایک عرصہ سے ایک ایسے شخص کے منتظر تھے جسکی نسبت اونکی مذہبی کتابوں اور دیگر روائتوں سے پایا جاتا ہے کہ وہ مثیل موسیٰ ہوگا۔ سردار قوم (سید القوم) ہوگا اور اُن تمام برکتوں کا وارث ہوگا۔ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ اور اُن کی اولاد پر کیں۔ اور وہ تمام عہد جو خدائے تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ سے باندھے اون کے پورا ہونیکا وقت اُس کے ظہور اور بعثت پر منحصر تھا۔ اور اسوقت کے بنی اسرائیل نہایت اشتیاق اور بے صبری کے ساتھ منتظر تھے۔

ہر ایک نبی سے جو حضرت موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل میں مبعوث ہوا۔ پہلا سوال یہی تھا۔ کہ تو کون ہے؟ اور کیا تو وہی ہے جسکی آمد کا وعدہ عہد عتیق میں کیا گیا ہے چنانچہ یحییٰ

لہ ملاکی نبی (باب ۳۔ آیت ۱ اور باب ۴ آیت ۵ اور یسعیاہ باب ۴۰۔ آیت ۳ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح کے پہلے ایک ایسے نبی کا ظہور ضروری تھا۔ جو مثیل الیاس ہو۔ اور مسیحائی یوحنا کو مثیل الیاس کہتو

Marfat.com

(یحییٰ) بپتسمہ دینے والے سے بھی یہی سوال کیا گیا اور جس طرح ہر ایک نبی نے نفی میں جواب دیا۔ یحییٰ نے بھی یہی کہا کہ "چہ نسبت خاک را با عالم پاک" یہ مسلمہ اور یقینی امر ہے کہ مثیل موسیٰ کا ظہور نہیں ہوا تھا۔ لیکن بنی اسرائیل آج بھی ویسے ہی منتظر ہیں جیسے وہ اُس زمانہ میں یا اُس سے پیشتر تھے مگر عیسائی دنیا میں اس معہود کو یسوع ناصری کا وجود ثابت کرنیکی کوشش کی گئی ہے جسکا نتیجہ یہ ہے کہ وہ آیا۔ دُنیا میں رہا۔ اور گذر گیا۔ اگرچہ دنیا میں نظر آیا مگر بنی اسرائیل اُسے پہچان نہ سکے اور اس لئے اُس پر ایمان نہ لائے۔ مگر اُس نے آنا تھا۔ اور آیا اور کچھ عرصہ زندہ رہکر مر گیا یا مارا گیا۔

کیا اب بنی اسرائیل کا انتظار بیفائدہ ہے؟ نہیں! معہود دوبارہ دنیا میں آئے گا۔ اور اسوقت بنی اسرائیل کی آنکھیں کھلی ہونگی وہ اُسے پہچان کر ایمان لائینگے۔ کیا یہ سچ ہے اسوقت کیا صحیح آثار اور علامات شناخت کا باعث ہونگی؟

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عہد عتیق کی پیش گوئیاں یا پُرانے نوشتے جہاں تک اوسکا تعلق موعود کے ساتھ ہے۔ ابھی تک پوری نہیں ہوئی۔ کیونکہ عیسائی بھی اوس کی اُسیطرح منتظر ہیں۔ جسطرح بنی اسرائیل ٭

موجودہ زمانہ میں تو عیسائیوں اور بنی اسرائیل کی حالت یکساں ہے لیکن کیا آج سے ۱۹ سو برس پیشتر بھی یہی کیفیت تھی؟ بنی اسرائیل تو بلاشبہ اسوقت بھی اسیطرح منتظر تھے لیکن یسوع کے شاگردوں کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اونہیں یقین تھا۔ کہ عہد عتیق کی پیش گوئیاں یسوع کے حق میں کی گئی تھیں ٭

ہیں جو صریحاً غلط ہے۔ کیونکہ یوحنا نے جب اون سے دریافت کیا گیا کہ تو الیاس ہے تو صاف انکار کیا دیکھو یوحنا باب ۱ آیت ۲۲۔ البتہ حضرت عیسےٰ مثیل الیاس ہو سکتے کیونکہ دونوں کے واقعات زندگی بہت مشابہ ہیں۔ یہانتک کہ کہا گیا ہے کہ دونوں آسمان پر چلے گئے ٭

یہ تو ممکن ہے کہ یسوع کی نسبت بحیثیت ایک بزرگ نبی۔ اولوالعزم پیغمبر کچھ نہ کچھ عہد عتیق میں مذکور ہو۔ مگر سوال یہ ہے۔ کہ آیا یسوع وہی معہود تھا جسکے بنی اسرائیل منتظر تھے اور ہیں؟ اسکا جواب ہم مقدس متی۔ مرقس۔ لوقا۔ یوحنا اور دیگر عیسائی رسولوں سے طلب کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا مقدس بزرگوں نے یسوع کی سوانح عمری لکھی ہے ان میں سے کسی ایک نے بھی ایسے مفصل واقعات قلمبند نہیں کئے جنکا علم آئندہ نسلوں کے واسطے ضروری تھا۔ یہ چار کتابیں چند اوراق کے رسالے ہیں جنمیں ایک ہی واقعہ مختلف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے اور انصاف تقاضا کرتا ہے کہ ہم ایسے واقعہ کی صحت پر شبہ نہ کریں جسکی تائید یہ بزرگ کرتے ہیں مگر بصورت اختلاف انصاف اس امر کا بھی تقاضا کرتا ہے کہ ایسا واقعہ سفید جھوٹ۔ زمانہ مابعد کی ایزاد تحریف وغیرہ خیال کریں +

یہ چار کتابیں جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اُن کے مصنف مذکورہ بالا مقدس بزرگ تھے اور جنکی تصنیف یا تالیف روح القدس کی تائید سے ہوئی ہے ایسی ضخیم جلدیں نہیں کہ مصنف لکھتے وقت واقعات کو بھول جائے۔ بلکہ ایسی مختصر تحریر ہے کہ دروغ گو کا حافظہ بھی غلطی نہیں کرتا۔ ایسی حالت میں اگر اختلاف ہو۔ تو یقیناً اُن کی شہادت غیر معتبر ہے۔

اِن نوشتوں کو بجائے کتاب کے[1] خط کہنا زیادہ موزوں ہے مقدس یوحنا تو صاف صاف الفاظ میں اعتراف کرتا ہے کہ بیشمار ایسی باتیں ہیں۔ جو یسوع نے کیں اور لکھی نہیں گئیں اور اگر قلمبند

---

[1] مقدس لوقا کی انجیل تو بلاشک و شبہ ایک خط ہے جو بخدمت عالی مرتبت جناب "تھیوفلس" لکھا گیا ہے ڈاکٹر وہٹین صاحب مفسر انجیل اس شخص کی نسبت لکھتے ہیں کہ غالباً حضرت لوقا کا مرید تھا اور جسکے الفاظ میں مقدس لوقا اُسے مخاطب کرتا ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی بڑا صاحب اثر اور امیر آدمی تھا۔ رسولوں کے اعمال بھی مقدس لوقا کی تصنیف ہیں اور یہ بھی ایک خط اسی تھیوفلس

کی جائیں تو اسقدر ضخیم جلدیں تیار ہو جائیں کہ دنیا کی لائبریری میں سما نہ سکتیں (یوحنا۔ ۲۱۔ ۲۵)

اختصار پسند سوانح نگاروں نے کسی جگہ صراحتاً یا اشارتاً ذکر نہیں کیا کہ یسوع وہی موعود تھا جسکے منتظر بنی اسرائیل تھے اور کسی جگہ اس دعوی کو اُن دلائل سے ثابت نہیں کیا جسے بنی اسرائیل تسلیم کرتے اور کسی مقام پر یسوع کے وجود میں اُن صفات کا تذکرہ نہیں کیا۔ جو معہود کی شناخت کا آسان ذریعہ تھا۔ اور جس سے بنی اسرائیل بخوبی واقف تھے۔ اور کسی طرح توریت کتاب استثنا باب ۱۸۔ آئت ۱۵ الغائت ۱۸ کی اس پیشگوئی کو کہ :۔

"اُون کے بھائیوں میں سے تجھہ سا نبی پیدا کرونگا اور اپنا کلام اوسکے منہہ میں ڈالونگا (کیا یہ صحیح یا غلط ہے) ۔ اور جو کچھہ میں اُس سے کہونگا۔ وہ ان سے کہدیگا۔ اوسکی مانیو" (اعمال باب ۷۔ آئت ۳۷)

یسوع پر عائد نہیں کیا اور نہ اوسکے واقعات زندگی ثابت کرتے ہیں کہ یہ پیشگوئی اُس کے حق میں کہی گئی ہے۔ مگر ہم اسجگہ اُن پیشگوئیوں پر بحث نہیں کرتے جنکا ذکر مقدس سوانح نگاروں نے پہلی چار کتابوں میں نہیں کیا۔ بلکہ صرف انہی پرانے نوشتوں پر غور کریں گے جنکا حوالہ مقدس متی اور دیگر سوانح نگار اپنے انجیلوں یا پرائیویٹ خطوط میں دیتے ہیں۔

مقدس متی (باب ۱۔ ۱۸۔ لغائت ۲۲) تحریر فرماتے ہیں :۔

"جب مسیح کی ماں مریم کی ماں منگنی یوسف کیساتھہ ہوئی تو اس سے پہلے کہ وہ ہمبستر ہوں روح القدس

کے نام ہے اسمیں مقدس لوقا چند ایسے مقامات کا تذکرہ کرتا ہے۔ جو نواح روم دارالسلطنت اٹلی میں واقع تھے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تھیوفیلس اُنسے اچھی طرح واقف تھا اور اس لئے خاص روم کا باشندہ تھا (لوقا ۱۔ آئت ۱۔ ۴ ۔ اعمال ۱۔ ۱ و ۲۸۔ ۱۵)

کیا یہ تحریریں پرائیویٹ خطوط نہیں ؟ اور کیا ایسی حالتمیں اونکی حیثیت الہامی کتاب ہو سکتی ہے۔

لہ کیا یہ شاعرانہ مبالغہ ہے یا امر واقعہ کا اظہار ؟

ع مذکورہ بالا پیشگوئی میں بعض جگہ "تیرے درمیان" کا فقرہ بھی لکھا ہے۔ جو صریح تحریف ہے کیونکہ :۔ (بقیہ صفحہ)

Marfat.com

حاملہ پائی گئی تب اُس کے شوہر یوسف نے جو راستباز تھا اور نہ چاہا کہ اوسکی تشہیر کرے ارادہ کیا کہ اُسے چپکے سے چھوڑ دے۔ وہ ان باتوں کی سوچ میں تھا۔ کہ خداوند کے فرشتہ

(ا) توریت استثنا باب ۱۸۔ آئت ۱۵ میں یہ فقرہ نہیں ہے اور یہ خدا تعالی کا کلام ہے

(۲) اعمال باب ۳۔ آئت ۲۲ میں یہ فقرہ نہیں ہے اور یہ پطرس حواری کا کلام ہے۔

(۳) اعمال باب ۷۔ آئت ۳۷ میں یہ فقرہ نہیں ہے اور یہ استفنس کا کلام ہے۔

(۴) معتبر ترجمہ توریت بزبان یونانی مسمی بہ سپٹواجنٹ (Sefotuagnt Version) میں یہ فقرہ نہیں اور یہ ترجمہ یسوع کی ولادت سے تین سو سال پیشتر کا ہے۔

(ب) پیشگوئی مذکور میں بھائیوں سے مراد بنی اسمعیل ہیں کیونکہ:۔

(۱) یہ بات ثابت ہے کہ بنی اسرائیل کے درمیان سے یہ نبی معہود پیدا نہ ہوگا۔

(۲) بنی اسرائیل کو بحیثیت ایک قوم کے مخاطب کیا گیا ہے اسی قوم کے بھائی جنپر برکت کا وعدہ تھا وہ بنی اسمعیل ہی تھے (دیکھو پیدائش باب ۱۶۔ آئت ۱۲ + استثنا باب ۱۵۔ آئت ۷۔ استثنا باب ۱۷ آئت ۱۵)

(۳) بنی قطورہ اور بنی ادوم سے کوئی وعدہ برکت کا نہیں کیا گیا وہ معضوب قومیں تھیں۔ اِس لئے یہ پیشگوئی صرف بنی اسمعیل کے حق میں ہے اکتاب مبدء بنی باب اول۔

پیدائش باب ۲۵ آئت ۱ + پیدائش باب ۱۶ آئت ۱۰ + پیدائش باب ۱۷ آئت ۲۰

" " ۲۱ " ۲۰ + استثنا " ۳۲ ۔ ۲۱ + متی " ۲۱ " ۴۳

" " ۱۲ " ۱۳ + پیدائش " ۱۸ ۔ ۱۸ +

" " ۲۳ " ۱۸

(۴) یہ بھائیوں سے مراد بنی اسرائیل نہیں ہو سکتی کیونکہ خدا تعالی کے کلام میں توریت میں کسی جگہ بنی اسرائیل کو اسطرح مخاطب نہیں کیا گیا۔ ہاں بنی اسرائیل ایکدوسرے کو بھائی کہتے تھے اور جس جگہ اسطرح بنی اسرائیل

سنے اس پر خواب میں ظاہر ہو کر کہا "اے یوسف داؤد کے بیٹے! اپنی جورو مریم کو اپنے ہاں لانے سے
مت ڈر کیونکہ جو اُس کے پیٹ میں ہے سو روح قدس سے کہا ہے اور وہ بیٹا جنیگی تو اوس کا

بھائی کہا گیا ہے وہاں بنی اسرائیل کا لفظ بھی ساتھ ہی لکھ دیا ہے (استثنا باب ۳- آیت ۱۸ +
سلاطین باب ۱۲- آیت ۲۴)

(ج) پیشگوئی مذکور میں لفظ نبی کا اطلاق یسوع پر نہیں ہو سکتا کیونکہ نبی ہمیشہ بشر رہتی ہیں اور عیسائی یسوع کو خدا اور خدا کا بیٹا کہتے ہیں موسیٰ نبی بشر تھا اور یسوع کو ایسا نہیں کہتے موسیٰ کو والدین تھے اور یسوع کو کنواری کا بیٹا کہتے ہیں کسی نبی کو خدا یا خدا کا بیٹا نہیں کہا گیا اور ہر ایک نبی بشر کہ علاوہ کچھ اور نہیں سمجھا گیا۔
حالانکہ یسوع کی نسبت یہ خیال نہیں ہے۔

(د) اِس پیشگوئی کا اطلاق یسوع پر نہیں ہو سکتا بلکہ حضرت محمد پر ہوتا ہے بوجوہات ذیل۔

(ا) حضرت موسیٰ نبی تھے اور بشر تھے۔

(اا) حضرت محمد نبی تھے اور بشر تھے (میں تمہاری طرح ایک بشر ہوں صرف فرق یہ ہے
کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی وحی نازل ہوئی ہے (قرآن)

(اا) یسوع کو بشر نہیں کہتے جو اور انسانوں کی مانند ہو۔ اور نہ وہ بشر نبی تھا۔

(ا) حضرت موسیٰ صاحب شریعت تھے۔

(اا) حضرت محمد صاحب شریعت تھے۔ جو ایک مکمل شریعت لیکر آئے (آج کے دن میں نے
تمہارا دین اکمل کر دیا" (الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی۔ قرآن)

(اا) یسوع صاحب شریعت نہ تھے بلکہ اونکی تعلیم مکمل نہیں (یوحنا ۱۶- آیت ۲۵) سوائے
چند پہیلیوں کے اور کچھ نئے عہدنامہ میں نہیں۔

(۳) حضرت موسیٰ نے بمعہ اپنی معتقدین کے مصر سے بوجہ ظلم فرعونیاں ہجرت کی۔
(اا) حضرت محمد نے بمع اپنی معتقدین کے مکہ سے بوجہ ظلم کفار ہجرت کی۔

Marfat.com

نام یسوع رکھنا۔ کیونکہ وہ اپنے لوگوں کو گناہوں سے بچاویگا۔

"یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا۔ پورا ہوا۔" کہ دیکھو ایک کنواری پیٹ سے ہوگی اور بیٹا جنیگی اور اوسکا نام عمانوئیل رکھینگے، جسکا ترجمہ یہ ہے 'خدا ہمارے ساتھ'۔"

مقدس مرقس اور لوقا اور یوحنا نے اس واقعہ اور اور جو کچھ نبی کی معرفت کیا گیا تھا

(۱) یسوع کو یہ واقعات معلوم نہیں آئے

(۲) حضرت موسیٰ کا تعاقب ہوا۔

(۳) حضرت محمد کا تعاقب ہوا۔

(۱) یسوع کی سوانح عمری میں ایسے واقعات نہیں ہوئے۔

(۲) حضرت موسیٰ کے دشمن ہلاک ہوئے اور خصوصاً فرعون

(۳) حضرت محمد کے دشمن ہلاک ہوئے اور خصوصاً ابوجہل

(۱) یسوع خود ہلاک ہوا۔ اور لعنتی کی موت مرا۔

(۲) حضرت موسیٰ کو کفار پر نمایاں فتوحات حاصل ہوئیں۔

(۳) حضرت محمد کو کفار پر نمایاں فتوحات حاصل ہوئیں۔

(۱) یسوع خود محکوم رومی رعیت تھا۔ وہ نہایت مفلوک الحال تھا۔ شاگردوں کو دھوکے میں رکھا کہ بنی اسرائیل کا بادشاہ ہونگا اور داؤد کا تخت مجھے ملیگا۔ بجائے تخت کے تختہ ملا اور شاگرد بدظن ہوکر اوسکا انکار کرنے لگے اور اسپر لعنت کی۔

(۲) حضرت موسیٰ کے جانشین بادشاہ ہوئے (۳) حضرت محمد کے جانشین بادشاہ ہوئے۔

(۱) یسوع کے جانشین ہی گبر ہیں اور نہایت ذلیل وخوار اور جاہل ناخواندہ

(۲) حضرت موسیٰ نے روحانی اور جسمانی بادشاہت قائم کی۔ چنانچہ داؤد سلیمان اور انبیاء اولوالعزم

Marfat.com

نہیں لکھا معلوم ہوتا ہے کہ اُنکی خاموشی معنی دار ہوگی در گفتن نمی آید

یہ عبارت کہ دیکھو ایک کنواری پیٹ سے ہوگی اور بیٹا جنیگی اور اوسکا نام عمانوایل رکھینگے"

یشعیاہ نبی کی کتاب باب آیت ۱۴ سے لی گئی ہے۔

اس پیشگوئی میں جس لفظ کا ترجمہ کنواری کیا گیا ہے وہ عبرانی زبان میں "علمہ" ہے

اور اسپر کل علماء یہود اور اکثر علماء مسیحی کا اتفاق ہے کہ "علمہ" کے معنی "جوان عورت" کے ہیں ڈاکٹر

بادشاہ اور برگزیدہ بندے پیدا ہوئے اور عظیم الشان سلطنت قائم کی۔

(ب) حضرت محمدؐ نے روحانی اور جسمانی بادشاہت قائم کی اور جنگ بھی چنانچہ خلفاء راشدین

اور اُن کے جانشین بزرگ اور مقدس بادشاہ گذرے ہیں اور عظیم الشان سلطنت قائم کی۔

(ا) عیسیٰ کی نسبت یہ کہنا بالکل بیجا ہے کہ "نہ خطا ہی ملا نہ وصال صنم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

بادشاہت دینوی تو کبھی نصیب نہ ہوئی۔ روحانیت کا یہ حال ہے کہ اوسکو اپنے شاگرد اُس سے

متنفر ہوگئے۔ بھاگ گئے۔ انکار کیا۔ لعنت بھیجی۔

(۹) حضرت موسیٰ نے توحید کی تعلیم دی۔

(ب) حضرت محمدؐ نے توحید کی تعلیم دی۔

(ا) عیسیٰ نے تثلیث اور شرک کا فتنہ بپا کیا۔

(۱۰) حضرت موسیٰ نے پیشگوئی کی کہ خدا سے الہام پاکر میری مانند ایک نبی بنی اسرائیل کے بھائیوں یعنی

بنی اسماعیل میں سے پیدا ہوگا۔ اور خدا اُسکے منہ میں اپنا کلام ڈالیگا اوسکی سنیو (توریت استثنا)

(ب) حضرت محمدؐ نے دعوی کیا خدا سے الہام پاکر کہ میں موسیٰ کی مانند نبی ہوں اور جو کچھ خدا کا

کلام مجھپر نازل ہوتا ہے میں لوگوں کو سنا دیتا ہوں (انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما

ارسلنا الی فرعون رسولا۔ وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی)

(ا) عیسیٰ نے کبھی اپنی نسبت الہام کا دعوی نہیں کیا۔ البتہ مردوں سے پرند کا معاملہ ضرور ہے۔

Marfat.com

کیسن ڈیاور (Canon Driver) تحریر فرماتے ہیں کہ :-

لفظ علمہ ایسا نہیں ہے جو عبرانی میں بالعموم کنواری کے معنوں میں آتا ہو۔ اور یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ بتول و شیزہ ہو۔ اسکا اطلاق ہوتا ہے

بشپ انڈریوز (Bishop Andrews) اگرچہ اسکے معنی کنواری ہی کرتے ہیں مگر تسلیم کرتے ہیں کہ علماء یہود کا ان سے اتفاق نہیں۔ ترجمہ ای کوئیلا سامی ہفتاد میں ہوا اور ترجمہ تھیوڈوشن میں بھی جو ۱۸۰ء میں ہوا۔ اور ترجمہ سمیکس جو ۲۰۰ء میں ہوا۔ اور بائبل میں بھی ایک جگہ (امثال ۳۰ : ۱۹) علمہ کا ترجمہ جوان عورت ہی کیا گیا ہے اور حبقوق نبی کی کتاب باب آیت ۲ کو پڑھا جاوے۔ جہاں سے یہ عبارت سرقہ کی گئی ہے اور اوس واقعات پر غور کیا جاوے۔ جن کے متعلق یہ پیشگوئی ہے تو علمہ کا ترجمہ جوان عورت ہی کیا جائے گا۔ کنواری سے معنی نہیں ہے۔

کسی جوان عورت کا حاملہ ہونا۔ اور اس سے کچھ چھپا ہوا الٰہی علم باقی نہیں ہوتا کہ کسی کو تعجب نہیں ہوتا۔ اور صرف ایک بیوقوف آدمی ہی اسکے برخلاف خیال کریگا۔

اشعیاہ نبی کی کتاب کے ساتویں باب میں مندرج ہے کہ جب اخاز یہود کی بادشاہت پر تھا۔ بادشاہ ارام اور بقح بادشاہ اسرائیل نے باتفاق یروشلم پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا۔ تو اخاز بادشاہ یہودا بہت گھبرایا۔ اس زمانہ میں اشعیاہ پیغمبر نکلے اور اخاز سے ملاقات کی۔ انہوں نے تسلی دی اور فرمایا کہ تو خوف نہ کر تیرے دشمن تجھ پر غالب نہ ہونگے۔ اور اس خوف کے رفع ہونے کی بابت اور اپنے قول کی صداقت کا یہ نشان بتایا کہ ایک کنواری (جوان عورت) حاملہ ہوگی اور بیٹا جنیگی اور اوسکا نام عمانوایل رکھا جائیگا۔ اور جب وہ ذرا ہوشیار ہوگا تو دونوں دشمنوں سے ہی جاتا رہیگا اور تیرے لئے بہت اچھے دن آئینگے۔

پھر اسی کتاب کے آٹھویں باب میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اشعیاہ نبی نے

Marfat.com

دو شاہدوں کے روبرو جنکو نام اوریاہ اور ذکریاؔ تھے ایک شہادت نامہ لکھا اور اوسپر مہر دہ بچہ کا نام ماہیر شالال۔ حاش۔ بر لکھا اور پھر اپنی جورو کے پاس (جو ایک جوان عورت تھی) گیا۔ اور وہ حاملہ ہوئی۔ لڑکا جنا اور اوسکا نام ماہیر شالال حاش بر رکھا۔

بشپ لوتھر صاحب تسلیم کرتی ہیں کہ پیشگوئی مذکور کا لفظی اور صریح مطلب یہی کچھ ہے صاف ظاہر ہے کہ اشعیاہ نبی کی پیشگوئی صرف اونکی اپنے زمانہ کے متعلق تھی اور واقعات مذکورہ بالا بھی یہی تقاضا کرتی ہیں اگر ولادت یسوع کی نسبت جو اشعیاہ نبی سے سات سو سال بعد ہوئی سمجھا جائے تو بالکل بے معنی ہوگا +

اس پیشگوئی میں کچھ ایسا اعجاز نہیں پایا جاتا۔ اس میں صرف ایک مدت معیّن کردی گئی ہے کہ اس عرصہ کے بعد دشمنوں کا خوف جاتا رہیگا۔ اور یہ اتنا عرصہ تھا جتنے عرصہ میں ایک عورت حاملہ ہو۔ بچہ جنے اور وہ ذرا ہوشیار ہو۔ شہادت نامہ بھی اسی لئے لکھا گیا تھا۔ کہ نوپیدا لڑکے کی تاریخ ولادت سے اوسکے ہوشیار ہونیکی زمانہ تک احاز کے مخالفوں کے برباد ہونیکی پیشگوئی کی تصدیق ہوجائے۔

اس پیشگوئی کا اطلاق ولادت یسوع پر کسیطرح نہیں ہوسکتا۔ بالفرض اگر تسلیم کیا جائے کہ "علمہ" کے معنی کنواری کے ہیں پھر بھی کوئی اعجاز نہیں۔ اُس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جبتک ایک کنواری کسی مرد سے ہمبستر نہ ہو اور حمل کے بعد بچہ جنے اور وہ ذرا ہوشیار ہو تب تک احاز کے دشمن برباد ہوجائینگے

اسصورت میں بھی اسکا اطلاق ولادت یسوع پر نہیں ہوسکتا اور اشعیاہ نبی کی کتاب

لہ کوئی عیسائی یہ اعتراض نہیں کرسکتا کہ لڑکی کا نام عمانویل کیوں نہ رکھا۔ اول تو عمانویل صفاتی نام ہے دوسرے یہ اعتراض خود انپر ہوتا ہے کہ یسوع کا نام عمانویل کیوں نہ رکھا

+

Marfat.com

سے یہ ظاہر نہیں ہوتا۔ کہ جس عورت کے ساتھ وہ ہمبستر ہوئی وہ کنواری تھی یا بیاہتا۔ وہاں صرف یہ لکھا ہے۔ کہ وہ بنیہ کے پاس گیا اور وہ حاملہ ہوئی۔ اس لئے وہ اوسکی جورو ہوئی ممکن ہے۔ کہ انہوں نے کسی کنواری سے شادی کی اور وہ حاملہ ہوئی۔

بالفرض اگر یہ بھی مان لیا جاوی۔ کہ اشعیاہ نبی نے یہ پیشگوئی کسی کنواری کے حق میں کی کہ حاملہ ہوگی اور بچہ جنیگی اور اوسکا نام عمانوئیل رکھینگے۔ تو یہ کسطرح ظاہر ہوتا ہے کہ وہ روح القدس سے حاملہ ہوگی اور جب ہم سمجھ لینگے کہ ایک باکرہ کا پہلی دفعہ بچہ جننا اور ایک ایسی عورت کا جس کے پہلے کئی بچے موجود ہوں حاملہ ہونا کیا فرق رکھتا ہے تو آسانی سے اس پیشگوئی کے معنی سمجھ لینگے +

اور بالفرض محال یہ بھی مان لیا جاوی کہ ایک کنواری بغیر ہمبستر ہوئی کسی مرد سے حاملہ ہوگی اور بچہ جنیگی تو یہ کہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ یسوع ایسی ہی کنواری سے پیدا ہوئی پیشگوئی تو واقعات کو ثابت نہیں کرتی۔ بلکہ واقعات پیش گوئی کو ثابت کرتے ہیں اور واقعات کا ثبوت معتبر شہادت پر منحصر ہے لیکن حضرات عیسائیوں کا عجیب منطق ہے کہ پیشگوئی سے واقعات اور واقعات سے پیشگوئی ثابت کرتے ہیں۔

اب ہم واقعات پر بحث کرتے ہیں اور اس معتبر شہادت پر غور کرتے ہیں۔ جو مقدس شاگرد ان یسوع پیش کر سکتے ہیں۔

مقدس مرقس اور یوحنا نے تو اسی مضمون پر بالکل سکوت اختیار کیا ہے البتہ مقدس متی اور لوقا کچھ لکھتے ہیں۔ مگر ان کی بھی چشمدید شہادت نہیں یہ حضرات سنی سنائی باتیں لکھتے ہیں اور نہایت سادہ دلی سے صاف صاف الفاظ میں اسکا اقرار بھی کرتے ہیں لو یہ بات واقعات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ولادت یسوع کو اعجازی پیرایہ میں شائع کرنیوالوں نے اگر اسی خود اختراع نہیں کیا تو ضرور یوسف یا مریم یا یسوع سے سنا ہوگا۔

Marfat.com

یوسف بجار اور مریم کا تو کہیں تذکرہ نہیں کہ حواریوں کو یہ دلچسپ حکایت سُنایا کرتے تھے۔
اور نہ یہ اُن روایتوں کے راوی ہیں۔ یسوع کی نسبت کہیں مذکور نہیں کہ اسکی متعلق کبھی
ایک لفظ بھی منہ سے نکالا ہو۔ یہ ممکن ہے کہ یسوع نے چپکے حواریوں کے کان میں کہہ دیا ہو

سُتم ہستہ نام نہیں لیتو کہ سُن نہ کوئی
چپکے چپکے تمہیں یہ بات سُنا دیتے ہیں

اور اسی لئے مقدس شاگرد خاموش تھے اور لوقا نے اس واقعہ کو لکھکر تشہیر کیا۔ اگرچہ
اوستاد کے منشا کے برخلاف تھا۔ مگر سوال یہ ہے کہ مرقس اور یوحنا کیوں خاموش ہیں۔
ان حضرات کا ایسے اہم واقعہ کی نسبت جو عیسائیت کی جان ہے ایک لفظ بھی نہ لکھنا بامعنی
نہیں ہو سکتا۔ اور ابن اللہ کی شان سے یہ بات بہت بعید معلوم ہوتی ہے کہ اپنے باپ کا نام ظاہر
کرنے سے شرمائیں۔ اور صرف ایک دو آدمیوں کو وہ بھی چپکے چپکے کان میں خلوت میں
اس راز سے آگاہ کریں۔

یوسف بجار کی نسبت بھی صرف اسقدر لکھتے ہیں کہ جب اوسکی شوہر یوسف نے دیر تک
تنہا اور نہ چاہا کہ اوسکی تشہیر کرے ارادہ کیا کہ اُسے چپکے سے چھوڑ دے۔ وہ ان باتوں
کی سوچ میں تھا کہ خداوند کے فرشتہ[1] نے اُس پر خواب میں ظاہر ہو کر کہا اے یوسف

[1] نہیں سمجھ سکتے کہ روح القدس کو یوسف کی خاطر اسقدر کیوں منظور تھی کہ خدا کا فرشتہ خواب
میں آکر اُسے تسلی دیتا ہے۔ اور بدظنی رفع کرتا ہے۔ بدظنی تو تمام دنیا کی دور کرنی چاہیئے تھی۔
جو باوجود یوسف کے تعلق کے کسی طرح یقین نہ کر سکتی تھی کہ کنواری روح القدس سے حاملہ ہوئی
یوسف اگر مریم کو چھوڑ دیتا تو وہی صورت قائم رہتی جو اپنی گھر میں کنواری حاملہ ثابت تو یہ کرتا ہے کہ
کنواری حاملہ ہوئی یوسف کا خواب تو کسطرح ثابت نہیں کر سکتا۔ اور اگر یوسف مریم کو چھوڑ دیتا۔ تو
کوئی اور مریم کا خواستگار ہوتا اور کیوں نہ ہوتا جب اس امر کا ثبوت مل جاتا کہ روح القدس

Marfat.com

یوسف کے بیٹے! اپنی جورو مریم کو اپنے ہاں لانے سے مت ڈر کیونکہ جو اولاد اسکے پیٹ میں ہے روح قدس سے ہے۔ اسکے اور مقدس متی لکھتا ہے کہ جب یوسف سوتے سے اوٹھا تو جیسا خداوند کے فرشتے نے اُسے فرمایا تھا کیا اور اپنی جورو کو اپنے یہاں لے آیا پر اوسکو نہ جانا جبتک وہ اپنا پوتھا بیٹا نہ جنی

مقدس مرقس لوقا اور یوحنا نے اس واقعہ کو نہیں لکھا اور نہ کسی جگہ اشارتاً ذکر کیا ہے کہ یوسف مریم سے پھر گیا اور اپنی جورو سے قطع تعلق کرنا چاہا اگر ایسا ہوتا تو ضرور ہے کہ یہ واقعہ جو ہوا ہو انہوں نے لکھا ہوتا کبھی نہیں شاید وہ کبھی جو کہتے کہ خداوند کے فرشتے نے اس آدمی کو شک رفع کر دیا۔

مقدس متی بھی ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے جو کسی طرح ملاقات یسوع کو اخلاقی ثابت نہیں کرسکتے وہ یوسف کو پرہیزگار شوہر اور مریم کو پوسف کی جورو لکھتا ہے اور یہ بھی کہ یہ فرشتہ کو جب یوسف خواب سے بیدار ہوا۔ تو اپنی جورو مریم کو اپنے ہاں لے آیا۔ کیا ایسی حالت مرد اور عورت باہم رہتی ہے جبکہ اُن کی حرمت مشکوک ہو۔ اور اس اشتباہ کو کیا کہتے ہیں؟

ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ یوسف اپنی جورو مریم کو اپنے ہاں لانے سے ہچکچایا اور جھجکا۔ اگر یہ سچ ہے کہ بہتر ہونے سے پیشتر اس نے مریم کو حاملہ پایا۔ تو وہ اوس کے دل میں یہی خیال پیدا ہونا چاہیئے تھا۔ کہ اُسے چھوڑ دے۔ لیکن وہ خود بخود کیوں ہو گیا؟ اپنی جورو کو اپنے گھر میں لانے سے وہ کیوں ڈرتا تھا؟ شاید یہ بھی استبار کا نتیجہ ہو۔

اب رہا خدا کا فرشتہ معلوم نہیں کہ یہ حضرت کس شکل و صورت میں نمودار ہوئے خواب میں یا بیداری میں۔ غالباً بصورت انسان ہی نظر آئے ہونگے۔ بصورت دیگر تو اس بیان کی صداقت پر شک کرنے کی گنجائش باقی ہو جاتی۔ اگر وہ خواب میں بھی ہم سے مخاطب ہوئے تھے تو فرشتہ

نوٹ: معاملہ ہی ایسا ہے لیکن صرف ایک شخص کا خواب اتنی بڑی بات ثابت نہیں کر سکتا اور نہ دنیا تسلیم کریگی۔

Marfat.com

ظاہر ہوتا تو یہ کچھہ بات تھی رات کے وقت اور وہ بھی خواب میں صرف یوسف سارا استباز آدمی ہی اسپر اعتبار کر سکتا ہی اگرچہ موجودہ زمانہ میں کوئی شخص خواہ وہ کیسا ہی راستباز ہو مذکورہ بالا صفات اور واقعات میں کبھی اعتبار نہ کریگا خواہ خود خدا خواب میں آئے ایک انسانی شکل کا خواب میں آنا معمولی بات ہی اور ہر ایک عقلمند خواب سے بیدار ہوکر یہی کہتا ہی کہ یہ خواب تھا جسکی کچھہ حقیقت نہیں" اگر یوسف کو یہ یقین نہوتا کہ مریم اوسکی جائز منکوحہ ہے اور جو کچھہ اوسکے پیٹ میں ہے وہ اسکا اپنا لطفہ تحقیق ہے اور اوسکی جورو بدکار نہیں۔ تو ایک فرشتہ کیا آسمان و زمین اور جنت و دوزخ کے تمام فرشتے بھی ملکر اوس کے خواب میں آتے۔ تو وہ ہرگز یقین نہ کرتا کہ اوسکی جورو روح القدس سے حاملہ ہی۔ صاحب ہوش و حواس کا تو کیا ذکر ہے ایک احمق بھی (بشرطیکہ وہ راستباز یعنی بے غیرت نہ ہو) کبھی اعتبار نہ کریگا کہ اوسکی جورو یا منگیتر جس سے آجتک وہ ہمبستر نہیں ہوا۔ روح القدس سے حاملہ ہے خواہ تمام جہان کے فرشتے۔ آدمی جن اور پری اور بھوت وغیرہ خواب میں آکر اس کی شہادت دیں۔ یہ انسانی پنجرہ ہے اور جو کچھہ یہ تقاضا کرتی ہے۔ انسان اوس کی تعمیل میں مجبور و معذور ہی اپنے افعال پر اوسے اختیار ہو۔ تو ہو۔ مگر خیالات خواہ وہ نیک ہوں یا بد کسی طرح دل میں پیدا ہونے سے رک نہیں سکتے +

لفظ "راستباز" کے معنے جو کچھہ کتب لغت سے ظاہر ہوتے ہیں وہ بائبل کی ڈکشنری سے بہت مختلف ہیں۔ اس جگہ اس لفظ کے معنی "بے غیرت" کے لئے گئے ہیں کسیطرح سمجھہ میں نہیں آتا۔ کہ راستباز کا تعلق اپنی جورو کو چپکے چھوڑ دینے سے کیا ہے؟ اگرچہ اس راستبازی کا ثبوت اوس نے نہیں دیا اور اپنی جورو کو نہیں چھوڑا اسے کیا کہتے ہیں؟ یہ انوکھی راستبازی ہے کہ یوسف کو چپکے اپنی جورو کو چھوڑ دینے کی سوجھی۔ اگر یہ راستباز آدمی اوسکی تشہیر کے درپے نہ تھا۔ تو کیا چپکے سے چھوڑ دینے سے اوسکی تشہیر نہ ہوتی۔ خوب ہوتی بلکہ اوس سے بڑھکر ہوتی۔ جتنی کہ علی الاعلان چھوڑنے سے متصور ہو سکتی ہی۔

Marfat.com

پیشتر اسکے کہ ہم ولادت یسوع کی حقیقت بیان کریں اور یوسف کی شہادت پر مزید کوشش کریں نامناسب معلوم ہوتا ہے کہ دیگر مقدس سوانح نگاروں کی تحریروں کو ایک سرسری نظر سے نہ دیکھ لیں۔ حضرت مرقس اور یوحنا تو ولادت یسوع کی نسبت ایک حرف بھی نہیں لکھتے اُن کے نزدیک تو یہ سب کچھ قابل ذکر بات ہی نہیں کاش انہیں معلوم ہوتا۔ کہ ایک زمانہ میں واقعہ ولادت یسوع عیسائیت کی جان ہوگا۔ اور اُن تمام معجزات کو جنکا بار بار تذکرہ کرتے ہوئے وہ نہیں تھکتے اور اپنے دعاوی کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ پس پشت ڈالدیگا۔ مقدس لوقا اس طرح تحریر فرماتے ہیں کہ جب خدا کا فرشتہ مریم کے پاس آیا جسکی منگنی یوسف نامی ایک مرد سے جو داؤد کے گھرانے سے تھا ہوچکی تھی اور اُسے بشارت دی کہ دیکھ تو حاملہ ہوگی اور بیٹا جنیگی اور اوسکا نام یسوع رکھیگی وہ بزرگ ہوگا اور خدا کا بیٹا کہلائیگا اور خداوند خدا اُس کے باپ داؤد کا تخت اُسے دیگا۔ اور وہ سدا یعقوب کے گھرانے کی بادشاہت کریگا اور اوسکی بادشاہت آخر نہ ہوگی تب مریم نے کہا یہ کیونکر ہوگا جبکہ میں مرد کو نہیں جانتی؟ فرشتے نے جواب میں اُس سے کہا کہ روح القدس تجھ پر اتریگی اور خدا تعالیٰ کی قدرت کا سایہ تجھ پر ہوگا۔ (لوقا باب آیت ۲۶-۳۵)[1]

مقدس لوقا نے کہیں یوسف کی گھبراہٹ اور اس راستباز آدمی کی انوکھی تجویزوں کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ صرف یہی لکھا ہے۔ کہ خدا کا فرشتہ آیا۔ (غالباً خواب میں) اور

---

[1] جن الفاظ کے نیچے خط کھینچا گیا ہے وہ غور طلب ہیں۔ اگر یسوع یوسف کا بیٹا نہ تھا تو کسطرح صادق نہیں آتا کہ خدا اوس کے باپ داؤد کا تخت اُسے دیگا۔ اور وہ سدا یعقوب کے گھرانے کی بادشاہت کریگا۔ اگرچہ اُسے نہ کوئی تخت نصیب ہوا۔ اور نہ بادشاہت ملی۔ بلکہ نہایت ذلت اور بے عزتی سے زندگی بسر کرتا رہا۔ لیکن اس سے انکار نہیں ہوسکتا۔ کہ وہ داؤد اور یعقوب کی نسل سے تھا دیکھو شجرہ نسب متی باب آیت (۱)

Marfat.com

بشارت دی کہ تو حاملہ ہوگی اور بیٹا جنیگی اور اوسکا نام یسوع رکھیگی اور وہ اپنے باپ دادوں کے گناہوں سے نجات دیگا۔

آیئے ہم مقدس متی اور لوقا کی شہادت پر غور کرتے ہیں۔ مقدس لوقا کی رو سے یوسف کی شہادت جسکا ذکر مقدس متی نے کیا ہے ثابت نہیں ہوتی اور چونکہ مقدس مرقس اور یوحنا نے بالکل خاموشی اختیار کی ہے۔ اس لئے صاف ظاہر ہے کہ یوسف کے متعلق جسقدر مقدس متی نے تحریر کیا ہے۔ وہ بالکل غلط ہے یا کم از کم یوسف کی پرہیزگاری اور راست بازی کی گواہی کے لئے ناکافی ہے۔ لیکن ہم فرض کر لیتے ہیں جو کچھ مقدس متی اور لوقا نے لکھا ہے صحیح ہے اس صورت میں بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ واقعات یسوع اعجازی تھے۔ ہم اس واقعہ کو مقدس متی اور لوقا کے الفاظ میں لکھتے ہیں۔ اور اپنی طرف سے چند فقرات جن سے کسی خیالی کو انکار نہیں ہو سکتا زیادہ کرتے ہیں۔ اور وہ بھی اس لئے کہ مطلب صاف ہو جاوے

بات اصل میں یہ ہے کہ مریم ایک ایسے خاندان سے تھی جسمیں زہد اور تقوی کا دین راسخ چلا آتا تھا۔ اور اوسکی قریبی رشتہ دار سردار کاہن اور امام تھے اسکے گھرانوں میں ہر وقت چرچا اور اوسکی ہر خطا پر نگاہ رکھنے کے فقرات گونجتے تھے اسکے دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور تقدس کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ وہ خود بچپن سے پرہیزگار، عابدہ۔ اور زاہدہ تھی اوسکی منگنی یوسف بڑھئی سے ہو چکی تھی اور یہ بزرگ بھی فی الواقع ایک راستباز اور خدا ترس آدمی تھا اور خدا کا خوف اوسکے دل پر غالب رہتا تھا۔

ایک رات جبکہ مریم اپنی معمولی عبادت سے فارغ ہو کر اپنے کمرہ میں اپنے متعلقین سے علیحدہ اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ اوسکے اپنی آئندہ زندگی کا خیال آیا۔ اوسکی منگنی ہو چکی تھی اور وہ چند دن بعد اپنے خاوند کے گھر جانیوالی تھی (رسمی) باپ سے سنا تھا کہ اس کا ہونیوالا خاوند پرہیزگار عورتوں کے دل میں قدرتاً اپنے خاوند اور ممکن ہو کہ ہونیوالی اولاد کا خیال آیا۔ لیکن اگر اسکے خیالات

Marfat.com

نو وارد نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ تجھے ایک صالح لڑکا بخشیگا اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے

اتنا کہہ کر نو وارد عالم نورانی میں غائب ہوگیا۔ اور وہ تمام مثالی کیفیتیں سلب ہوگئیں۔ اور اسنے پھر عالم اجسام کیطرف رجوع کیا اور اوسکی آنکھ لگ گئی۔

صبح اس خواب کا پوچھا اسنے اپنے گھر والوں میں ہوا جب یوسف نے سنا تو بہت گھبرایا۔ لیکن اوسکی گھبراہٹ اسوجہ سے نہ تھی کہ اسنے اپنی عورت کی عصمت پر شبہ پیدا ہوا۔ بلکہ اسوجہ سے

ملا ۔ اس حقیقت آیک خواب تھا اور چونکہ مریم اسوقت کنواری تھی قدرتاً اسنے خیال پیدا ہوا۔ کہ موجودہ صورت میں لڑکا پیدا ہونا ناممکن ہے اور اسی لئے اسنے کہا کہ ابھی تو میرے خاوند نے مجھے ہاتھ تک نہیں لگایا اور نہ میں بدکار ہوں۔ تو کسطرح بچہ پیدا ہوگا۔ جسطرح قدرت نے قانون باندھ رکھا ہے مقدم تھی اور اوقاتی تجربہ سے ظاہر نہیں ہوتا کہ خدا کا فرشتہ کس شکل و صورت میں دکھائی دیا۔ قرآن شریف نے دونوں باتوں کو صاف کر دیا ہے کہ فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۔ یہ مسلمہ امر ہے کہ روح کو ہم دیکھ نہیں سکتے جبتک کہ وہ کسی صورت میں ظاہر نہ ہو۔ اور اسکی دو ہی صورتیں ہیں یا عالم مثال میں یا عالم اجسام میں۔ عالم اجسام میں ضرور ہے کہ وہ مادی لباس پہنے اور اوسپر وہ تغیرات وارد ہوں جو انسان پر پیدائش سے بڑھاپے تک ہوتے ہیں یا دوسرے لفظوں میں اسطرح کہو۔ وہ دنیا میں اسی طرح آئیگا جس طرح دوسرے انسان آتے ہیں اور رہتے ہیں۔ دوسری صورت عالم مثال کی ہے اور لفظ تمثل صاف ظاہر کر رہا ہے کہ اسجگہ یہی صورت ہے۔ اور یہ واقعہ عالم مثال میں ہوا۔ اور روح نے ایک مثالی صورت بشر اختیار کی اور یہ حالت بیداری میں ناممکن ہے یعنی جبتک حواس ظاہری معطل نہ ہوں عالم مثال میں دخل نہیں ہو سکتا۔ اسطرح معنی یہ ہوئے کہ جسوقت مریم اپنے لواحقین سے علیحدہ اپنے کمرہ میں تھی اوسپر غنودگی کا غلبہ ہوا اور اسنے عالم مثال میں ایک بشر کو دیکھا جو الٰہی اسپر ظاہر ہوا تھا تمثل ہوا۔

Marfat.com

کہ وہ راستباز[1] آدمی تہا۔ اور نہایت ہی سیدہا سادہا دیندار تہا اُسے خیال پیدا ہوا کہ اونکی منسوبہ اللہ تعالیٰ کی نظروں میں برگزیدہ اور پاک ہو اور اس لئے کمال بڑا دلی ہے کہ ایسی عورت سے معاملہ زن و شوئی ہرگز نہ رکھے اگرچہ یہ اوسکی غلط فہمی تہی۔ مگر وہ ڈرتا تہا۔ کہ ایسا نہ ہو کہ اوسپر غضب الٰہی نازل ہو۔ اور اس خیال نے یہانتک اوسکے دل و دماغ پر قبضہ و غلبہ کیا ہوا تہا۔ کہ وہ اپنی منسوبہ سے قطع تعلق کرنے پر آمادہ ہوگیا۔ لیکن خواب میں بقول مقدس متی خدا کی فرشتہ نے اُسے کہا "اے یوسف داؤد کے بیٹے اپنی جورو مریم کو اپنے یہاں لے آنے سے مت ڈر" (متی باب ۱ آیت ۲۰)

"تب یوسف نے سونے سے اٹھکر جیسا کہ خداوند کے فرشتہ نے اُسے فرمایا تہا کیا اور اپنی جورو کو اپنے یہاں لے آیا" (متی باب ۱ آیت ۲۴)

اب سوال یہ ہے کہ مقدس متی نے یہ کس لئے لکہدیا کہ مریم پیشتر اسکے کہ وہ یوسف کے ہمبستر ہو۔ روح القدس سے حاملہ پائی گئی۔ اسکا جواب نہایت آسان اور چند لفظوں میں یہ ہے کہ

---

[1] راستباز آدمی انگریزی کے متنی بہی ہیں جو ہمنے لکہی ہیں لیکن یہاں پر دوسرا ہی معنی ہونگے جسکی تشریح ہم کرچکے ہیں۔

لفظوں میں کہ رہا ہو کہ یہ حالہ خواب تہی یا رویا اور اسکا دیکہنے والا صرف مریم کی ذات تہی نہ کسی اور شخص نے دیکہا۔ نہ کسی اور سے کہا تہا۔ اور اس لئے کوئی اور دیکہہ بہی سکتا تہا۔ اور یہ کیفیت صرف خواب اور رویا کی ہوسکتی ہے۔ اگر روح حاملہ جسم میں ظاہر ہوئی تو ضرور تہا کہ اسکو دوسرے بہی دیکہتے اگر اونہیں دیکہنے کا موقع ملتا۔ لیکن لفظاً و اصطلاحاً ایسا کچہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ وہ بشر کس شکل و صورت کا تہا وہ نہایت ہی خوش شکل اور نورانی چہرہ والا تہا جسکو دیکہکر سب اختیار اللہ تعالیٰ کی حمد منہ سے نکلتی ہے اوسکا قد و قامت موزوں اور اسکو تمام عالم شباب کی ہی۔

یہ فقرہ پیشتر اسکے کہ وہ یوسف سے ہمبستر ہو کسی نیک دل عیسائی کی اختراع ہے جو یسوع و دیگر حواریوں کی وفات کے بعد روح القدس کے معنی نہ سمجھ سکا اور یہ فقرہ خیال خود عبارت کا مطلب صاف سمجھنے کے لئے حسبیان کر دیا۔ اور صرف اس ایک فقرہ نے تمام عبارت میں بالکل ہی نئے معنی پیدا کر دئے اور اگر یہ فقرہ نکال دیا جاوے تو اسکے معنی جو حقیقی معنی ہیں بالکل صاف ہو جاتے ہیں۔ دیکھو استفراڈ سطبوعہ ۱۸۶۵ء جلد ۲ صفحہ ۳۲۳ میں بھی یہ فقرہ نہیں اور یہ نہایت قوی دلیل اسبات کی ہے۔ کہ یہ فقرہ زمانہ بعد میں درج کیا گیا۔ کیونکہ اسکے بغیر بھی کسی قسم کا نقص عبارت میں پیدا نہیں ہوتا لیکن ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ فقرہ بھی حضرت متی کے قلم کا لکھا ہوا ہے تو جسطرح کہ ہمنے اصل واقعہ بیان کیا ہے وہی مطلب ہوگا۔ اور مقدس متی کی عبارت اس طرح ہوگی:۔

"اب یسوع مسیح کی پیدائش اسطرح ہوئی کہ جب اوسکی ماں مریم کی منگنی یوسف کیساتھ ہوئی تو ایسا ہوا کہ وہ اسکے گھر جانے سے پہلے ہی حاملہ ہوئی"

اور مقدس لوقا کا بیان تو بالکل صاف ہے مقدس متی تو صرف اسقدر لکھتے ہیں کہ وہ روح القدس سے (نہایت پاک) حاملہ ہوئی۔ حضرت لوقا مفصل لکھتے ہیں کہ کسطرح فرشتہ نے آکر اور مریم کو یہ خبر دیکر کہ تو خدا کے فضل سے حاملہ ہوئی اور جو کچھ مقدس لوقا لکھتے ہیں۔ وہ متی کی تفسیر ہے اور اس سے وہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مریم روح القدس سے (نہایت پاک) حاملہ ہوئی۔

الغرض یوسف کی شہادت سے ثابت نہیں ہوتا کہ کنواری حاملہ ہوئی۔ اور نہ یوسف کی شہادت کو ہم کسی اور مقدس شاگرد یسوع سے لیتے ہیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ مریم کی نسبت حضرت متی و لوقا کے بیان کے سوا تمام انجیل کو پڑھا ایک ایک لفظ کو دیکھا لیکن کہیں ہمارے نظر سے نہیں گذرا کہ مریم نے کسی مقدس شاگرد سے کہا ہو کہ میں حاملہ ہوئی ہوں لیکن اگر ہر کچھ کہتی تو کیا تھی نہ ہوتی کہ اوسنے فرشتہ کی زبانی یا جسطرح سے [illegible] حاملہ ہوئی ہے وہ اسطرح سے کہہ سکتی ہے کہ خدا کا فرشتہ کس شکل و صورت میں

Marfat.com

کمزور نہ ہونا پسند کرتے ہیں۔ اگر فرشتہ انسانی شکل میں ظاہر نہیں ہوا۔ تو واقعی مریم عجیب جبکہ اور گبرائیل عجوبہ ہیں کہ دیکھکر بیہوش نہ ہو گئی۔ کم از کم چیخ نہ اٹھی اور اگر وہ انسانی ہیئت میں ظاہر ہوا تو کیا مریم نے فوراً پہچان لیا کہ وہ کون ہے؟ اور بیچارہ خطاب کرنیوالے کو چور چور یا بدکار سمجھکر شور و غوغا نہ کیا۔ اور کسیکو امداد کیلئے طلب نہ کیا۔

مگر مقدس نوشتوں سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ وہ خاموش رہی صرف ایک دو لمحہ کیلئے سوچتی رہی چہ خوش!

نتیجہ یہی ہے کہ مریم نے ایک عجیب الخلقت حیوان یا انسان کو دیکھا اور کچھ عرصہ کے بعد حمل کے آثار نمودار ہوئے۔

اب مریم تو یہی کہتی ہے کہ میں نے ایک فرشتہ کو دیکھا کیونکہ وہ کہتا تھا کہ میں فرشتہ ہوں۔ لیکن نو ماہ بعد بچہ کا تولد ہونا صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہ حضرت انسان ہی کی کرتوت تھی۔

اب ذرا غور کرو۔ کہ ایک عورت جو لوگوں میں کنواری مشہور ہے اور سب جانتے ہیں کہ وہ کسی سے ہمبستر نہیں ہوئی کچھ عرصہ بعد حاملہ ہو گئی۔ اب لوگ اسکی نسبت کیا خیال کرینگے اور اگر وہ عورت یہ بیان کرے کہ اوسکو میں خدا کا فرشتہ آیا اور وہ روح القدس سے حاملہ ہوئی تو اسے بیوقوف کہینگے اور وہ ہی ایام جہالت (Dark ages) میں کوئی نقاش نہ کہیگا ایسی عورت کا تو بہائت سادہ لوح۔ بھولی بھالی ہوگی یا پہلے درجہ کی چالاک اول الذکر صورت میں تو معمولی عقل کا انسان بھی خیال کر سکتا ہے کہ کسی بدمعاش نے اسکو دھوکا دیکر بیحرمت کیا ہوگا۔ اور بیوقوف عورت کو دام فریب میں لایا اور وہ خراب کر حالت حمل میں اسقاط کرنے کی کوشش کی ہوگی چالاک عورت لوگوں کو احمق بنانے اور اپنی عصمت کا ثبوت دینے کیلئے ایسی ایسی واقعات کو بیان کرتی ہے کہ ان پر سوائے احمق کے کوئی اعتبار نہیں کرتا۔ اور ایسے ایسے سوال پیدا ہوتے ہیں کہ جنکا جواب نہیں ہو سکتا اور سیدھے نہیں ہو سکتے کہ کیا کوئی عورت ہو گی چالاک عورت لوگوں کو احمق بنانے اور اپنی عصمت کا ثبوت دینے کیلئے ایسی ایسی واقعات کو بیان کرتی ہے کہ ان پر سوائے احمق کے کوئی اعتبار نہیں کرتا۔ اور ایسے ایسے سوال پیدا ہوتے ہیں کہ جنکا جواب نہیں ہو سکتا اور سیدھے نہیں ہو سکتے کہ کیا کوئی عورت ہو گی

Marfat.com

غرض نہ تو مریم اور نہ یوسف اور نہ یسوع کی شہادت سے یہ ثابت ہوتا ہی کہ جو کچھہ نبیوں نے کہا تہا وہ پورا ہوا اور اوسکی تائید دیگر مقدس نوشتوں سے ہوئی ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ عام لوگوں کا اسوقت کیا خیال تہا۔ کسی مقدس سوانح نگار نے نہیں لکہا اور نہ کسی متبرک نوشتے سے ظاہر ہوتا ہی کہ لوگوں کا خیال تہا۔ کہ یسوع ابن اللہ ہی اور یوسف نجار اور مریم کا بیٹا نہیں نہ صرف یہی بلکہ صاف صاف الفاظ میں لکہا ہی اور متعدد مقامات پر لکہا ہی کہ وہ یوسف نجار کا بیٹا تہا۔ اور ایک آدمی دوسرے آدمیوں کی طرح تہا۔ اگر ایک کنواری بیٹا جنتی تو دنیا میں حیرت اور تعجب کی نگاہ سے دیکہا جاتا اور ہمعصر مؤرخ ضرور اسکا تذکرہ کرتے لیکن کسی مؤرخ نے ایک لفظ بہی نہیں لکہا۔ اگر یہ صحیح تہا۔ کہ بنی اسرائیل ایک ایسے شخص کے منتظر تھے جو کنواری کے پیٹ سے بوساطت روح القدس پیدا ہوگا۔ تو کیوں بنی اسرائیل کو نہیں بتایا گیا اور وہ کیوں اس سے بیخبر رہی۔ کیا یہ ایسا واقعہ ہوسکتا ہی کہ دیگر ممالک کے لوگ تو کیا خود یسوع کے اپنے پڑوسی اور ہموطن اس سے لاعلمی ظاہر کریں۔ ہم اُس زمانہ کے مورخین کا ذکر نہیں کرتے۔ بلکہ ہم مقدس سوانح نگاروں کے متبرک نوشتوں کو دیکہتے ہیں۔ مورخین کا انکار کردینا سہل ہی۔ لیکن متبرک نوشتوں کو عیسائی مانتے ہیں اور یہ اونکے لئے حجت ہونگے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اسوقت لوگوں کا خیال یسوع ناصری کی نسبت کیا تہا۔

خود متی (باب ۱۳ آیت ۵۲ لغائت ۵۸) تحریر فرماتے ہیں :۔

اور ایسا ہوا۔ کہ جب یسوع یہ تمثیلیں کہہ چکا تو وہاں سے روانہ ہوا۔ اور اپنے وطن میں آکر اُس نے اُن کے عبادت خانہ میں انہیں ایسی تعلیم دی کہ وے حیران ہوئے اور کہنے لگے کہ ایسی حکمت اور معجزے اس نے کہاں سے پائے۔ کیا یہ بڑہئی کا بیٹا نہیں؟ اور اُسکی ماں مریم نہیں کہلاتی؟ اور اوسکے بہائی یعقوب اور یوسیس اور شمعون اور یہوداہ؟ اور اس کی سب بہنیں ہمارے ساتہہ نہیں ہیں؟ پس اس نے یہ سب کچھہ کہاں سے پایا؟ انہوں

Marfat.com

لے اُس سے ٹھوکر کھائی۔ پر یسوع نے انہیں کہا کہ نبی اپنے وطن اور گھر کے سوا اور کہیں بے عزت نہیں ہے۔ اور اُس نے اُن کی بے اعتقادی کے سبب وہاں بہت معجزے نہیں دکھائے"

بجائے اسکے کہ ہم مذکورہ بالا آیات مقدس پر کچھ حاشیہ چڑھائیں ہم مناسب خیال کرتے ہیں کہ اسے معترض ہی چھوڑ دیں کیونکہ اس سے زیادہ صاف لفظوں میں اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ یسوع کے ہموطن اسے ایک نجار اور مریم کا بیٹا جانتے تھے اور نہ صرف یہی بلکہ اوسکی بہائیوں اور بہنوں سے بھی واقف تھے اور صاف ظاہر ہے کہ یہ الفاظ ایسے شخصوں کے منہ سے نکلے ہیں جو یسوع کے خاندان سے بخوبی واقف تھے ہر ایک کا نام جانتے تھے اور ان سے میل جول رکھتے تھے "اور اُسکی سب بہنیں ہمارے ساتھ ہیں"۔ ایسے لفظ ہیں جنکے معنی ہر ایک عیسائی دیندار اچھی طرح سمجھ سکتا ہے نہ صرف یہی بلکہ خود یسوع اپنی بے عزتی اور رسوائی کا رونا روتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں:۔ کہ

"نبی اپنے وطن اور گھر کے سوا اور کہیں بے عزت نہیں"

اِن لفظوں پر جنکے نیچے ہمنے خط کھینچ دئے ہیں غور کرو۔ کیا ان کا اطلاق "ابن اللہ" اور اور اُس کنواری کے بیٹے پر ہو سکتا ہے۔ جو "روح القدس" سے حاملہ ہوا۔ اور کیا اسے "عمانوئیل" کہہ سکتے ہیں؟ اور اگر کہہ سکتے ہیں تو کن معنوں میں؟

ایسی کھلی کھلی آیات کے ہوتے یسوع کو پھر بھی ابن اللہ اور کنواری کا بیٹا سمجھنا سخت نادانی ہے۔ یسوع نے بالکل سچ کہا کہ نبی کی اپنے وطن اور گھر میں مطلق عزت نہیں۔ دیندار عیسائی حیران ہونگے۔ کہ اُن کے خدا نے یہ کیا بے معنی بات کہی۔ آج تو اونکی عزت خدا کی [illegible] میں یہ ہے کہ اوسکو اپنے گھر والا اور ہموطن اسے ایک بشر یوسف نجار اور مریم کا بیٹا جانتے ہوں اور سوائے چند ماہی گیروں کے کوئی بھی اوسکی نبوت پر ایمان نہ لایا۔ اس سے زیادہ اور کیا بے عزتی ہوگی کہ ایسا

Marfat.com

اولوالعزم پیغمبر اور یہ تعداد ایماندارلوں اور اُن کی یہ اوقات - لیکن اگر فروغ اور عزت حاصل ہوئی تو دیگر اقوام غیر ممالک اور بہت زمانہ بعید میں جبکہ کسی شخص کو اصلی حالات سے آگاہی نہ تھی - اور اس لئے ایسے بے خبر اور جاہل مطلق خدا کا بیٹا یا خدا سمجھنے لگ گئے تو کچھ تعجب کی بات نہیں - خود مسیح کی شہادت اپنی نسبت یہی ہے - کہ وہ ایک نبی ہے - خدا کی طرف سے پیغام لیکر آیا ہے اور جس طرح اُس سے پہلے انبیاء اور پیغمبر اپنے گھر اور وطن میں بے عزت ہوئے - اس طرح اوسکا حال ہوا - صاف صاف الفاظ میں یسوع اپنے آپکو دیگر انبیاء کی مثل ظاہر کرتا ہے اور ان میں اور اپنے آپ میں کچھ فرق نہیں کرتا - اگر وہ اپنے آپ کو فی الحقیقت ابن اللہ سمجھتا تھا اور نبی سے بڑھکر خیال کرتا تھا - تو کس لئے یہ ضرب المثل اپنے حق میں کہی اگر وہ انبیاء کی جماعت میں سے نہ تھا - تو اسکا اطلاق کسیطرح اوسپر صحیح نہیں ہوسکتا - مگر یہ یسوع کے اپنے الفاظ ہیں اسکا اپنا اقبال ہے اور ہم اسکو بصدق دل سے تسلیم کرتے ہیں

اسی واقعہ کو مقدس مرقس (باب ۶ - آیت الغایت ۶) اس طرح تحریر فرماتے ہیں :-

"پھر وہاں سے روانہ ہوا - اور اپنے وطن میں آیا اور اوسکے شاگرد اُس کے پیچھے ہولئے جب سبت کا دن ہوا - وہ عبادت خانہ میں وعظ کرنے لگا - اور بہتوں نے سُن کے حیران[1] ہوکر کہا کہ یہ باتیں

---

[1] افسوس ہے کہ اس حیرت انگیز وعظ یا لیکچر کو کسی حواری نے نقل نہیں کیا ورنہ ہم بھی اس حیرت کا اندازہ کرلیتے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جن معجزوں پر آج عیسائی دنیا کو ناز ہے اسوقت لوگ اُسے حکمت ہی سمجھتے تھے اور فی الحقیقت یہی بات ہے کیونکہ مقدس سوانح نگاروں نے اگرچہ یسوع کا وعظ نقل نہیں کیا مگر اُن معجزوں کا ذکر ضرور کیا ہے کہ چند بیماروں کو اچھا کیا اس سے پہلے وہ بیان فرماتے ہیں کہ عبادت خانہ کے سردار کی بیٹی مرگئی اور وہ اسوقت یسوع کے پاس تھا اور اپنی بیٹی کی بیماری کا حال بیان کر رہا تھا کہ لوگ آئے اور اُسے اس حادثہ جانکاہ کی خبر دی - حکیم حاذق یسوع تشخیص کر چکا تھا کہ سردار کی لڑکی کس عارضہ میں مبتلا ہے اسے فوراً معلوم ہوگیا

Marfat.com

اُس نے کہاں سے پائیں؟ اور یہ کیا حکمت ہے۔ جو اُسے ملی ہو کہ ایسی کرامات اُس سے ظاہر ہوئی ہیں؟ کیا یہ مریم کا بیٹا بڑھئی نہیں؟ اور یعقوب اور یوسیس اور یہوداہ و شمعون کا بھائی نہیں؟ اور کیا اوسکی بہنیں ہماری یاں یہاں نہیں ہیں؟ اور انہوں نے اُس سے ٹھوکر کھائی۔ تب یسوع نے انہیں کہا۔ نبی بے عزت نہیں ہو۔ مگر اپنے وطن میں اور اپنے کنبے اور اپنے گھر میں (اس لئے کہ دایہ کے آگے پیٹ چھپ نہیں سکتا۔ اور کنبے اور گھر والوں کو حضرت کا سب حال پیدائش سے معلوم تھا) اور وہ کوئی معجزہ وہاں نہ دکھلا سکا۔ سوا اُسکے کہ تھوڑے سے بیماروں پر ہاتھ رکھ کے اُنہیں چنگا کیا اور اُس نے اُن کی بے ایمانی سے تعجب کیا اور اُس پاس کے گاؤں میں وعظ کرتا پھرا۔"

مقدس یوحنا (باب ۲۔ آیت ۱۴ لغائت ۴۳) تحریر فرماتے ہیں کہ:-

(کیونکہ سردار علامات اور آثار اور سب مرض بیان کر چکا تھا) کہ لڑکی کو سکتہ کا عالم ہے اور جاہل لوگ اُن سے مردہ سمجھتے ہیں۔ اس لئے وہاں سے اُٹھ کر سردار کے گھر آیا۔ گھر میں کہرام مچا ہوا تھا۔ یسوع نے کہا کہ کیوں بیفائدہ شور و غل کرتے ہو۔ لڑکی تو سوتی ہے لڑکی مر نہیں گئی بعض جاہل ہنسے۔ مگر یسوع نے جو کچھ کہا تھا ثابت کر دیا اور لڑکی تندرست ہو گئی (مرقس باب ۵ آیت ۳۵ لغائت ۴۳)

یہ ہے وہ عظیم الشان معجزہ جسے عیسائی دنیا فخریہ بیان کرتی ہے کہ "خداوند یسوع نے مردے زندہ کئے" حالانکہ خود حکیم صاحب فرماتے ہیں کہ

"لڑکی مر نہیں گئی بلکہ سوتی ہے"

پیراں نمے پرند مریداں می پرانند

Marfat.com

"تب یہودی اُس پر کُڑکُڑائے اِس لئے کہ اُس نے کہا وہ روٹی جو آسمان سے اُتری میں ہوں اور

انہوں نے کہا کیا یہ یسوع یوسف کا بیٹا نہیں جسکے باپ ماں کو ہم جانتے ہیں؟"

پھر وہ کیونکر کہتا ہی کہ میں آسمان سے اترا ہوں یعنی خدا کا فرستادہ یا پیغمبر یا رسول اللہ ہوں)

انہی آیات کے آگے یسوع یہودیوں کی غلط فہمی یہ کہکر دُور کرتی ہیں۔ کہ آسمان سے اُترنے

سے مراد وہی کچھ ہے جو تم گذشتہ انبیاء کی نسبت سمجھتے ہو۔ جن پر آسمان سے صحیفے نازل ہوئے۔

اب نہ کسی نے ان صحیفوں اور نہ اُن رسولوں کو آسمان سے نازل ہوتے دیکھا۔ لیکن تم شک نہیں

کرتے کہ وہ منجانب اللہ تمہاری ہدایت کیواسطے آئے (یوحنا باب ۶۔ آیت ۴۳ لغایت ۴۷)

انہی آیات کے آگے یسوع نے کچھ ایسی بے تکی ہانکی ہی کہ نہ صرف یہودی علماء اُس سے

متنفر ہوگئے بلکہ اوسکے اپنے شاگرد بھی برگشتہ ہوگئے یسوع وعظ فرماتے ہوئے شیخی بگھارنے لگے

کہ "تمہارے باپ دادوں نے بیابان میں من کھایا اور مرگئے۔ روٹی جو آسمان سے اترتی ہی

وہ ہے کہ کوئی آدمی اُسے کھاکے نہ مرے۔ میں ہوں وہ جیتی روٹی جو آسمان سے اُتری"

(یوحنا باب ۶ آیت ۴۸ لغایت ۵۱)

بھلا بنی اسرائیل سی غیور قوم کو اتنی تاب کہاں تھی کہ اپنے باپ دادا کی نسبت ایسے کلمات

سنیں اور چپکے رہیں لعنت اور نفرین کرتے ہوئے چلے گئے مگر (یوحنا اسی باب کی آیات ۶۰ الخ

تک بیان کرتی ہیں کہ) تب اوسکے شاگردوں میں سے بہتوں نے سن کے کہا یہ سخت کلام ہے

اوسے کون سُن سکتا ہی؟

یسوع نے فوراً بات بدل دی اور کہا کہ یہ تمہاری غلط فہمی ہے کہ تم یہ سمجھ بیٹھے ہو۔ کہ تمہارے

باپ دادا مرگئے اور میں نہیں مرونگا۔ نہیں بلکہ میری مراد روحانی زندگی سے ہے جسم تو ضرور

مریگا۔ لیکن وہ جو مجھ پر ایمان لائیگا۔ روحانی زندگی پائیگا۔

اگرچہ یسوع نے بہت کچھ کہا سُنا دم دلاسا دیا۔ مگر وہ کب مانتے تھے چنانچہ یوحنا لکھتی ہیں کہ

اُسوقت سے اسکے شاگردوں میں سے بہتیرے الٹے پھر گئے اور بعد اسکے اسکے ساتھ نہ چلے (یوحنا باب ۶۔ آیت ۶۶ لغائت ۶۰)

چاروں مقدس سوانح نگار لکھتے ہیں کہ جب یسوع کی وعظ کا لوگوں میں چرچا ہوا۔ تو وہ شخص جو یسوع کے حسب نسب سے بخوبی آگاہ تھے اور یسوع اور اونکو دیگر رشتہ داروں کو جانتے تھے۔ کہنے لگے کہ کیا یہ بڑھئی کا بیٹا نہیں۔ اسکی ماں مریم نہیں اور اس کے بھائیوں اور بہنوں کے ہم آشنا نہیں؟ تو پھر یہ حکمت کہاں سے سیکھ کر آیا ہے جو ایسے ایسے بھاری کواچہا کرتا ہے"

پھر ہیرودیس بادشاہ نے جب سُنا تو کہا ہو نہ ہو یوحنا بپتسمہ دینے والا مردوں سے جی اوٹھا۔ تف ہے اس بزدلی پر انجام جہلا نے کہا کہ "الیاس ہے"

اور جو لوگ آپ پر ایمان لائے انہوں نے کہا کہ۔

"یہ ایک نبی ہے یا نبیوں میں سے کسی کی مانند ہے"

مذکورہ بالا آیات سے واضح ہو جائیگا کہ یسوع کی نسبت لوگوں کا کیا خیال تھا اس کے اپنے گھر اور خاندان کے آدمیوں نے اسکے کیا سمجھ رکھا تھا اور اسکے ہموطن اُسے کیا کہتے تھے اور اسکے شہر والے تو حضرت کو جانتے ہی نہ تھے کہ کس باغ کی مولی ہیں۔ اگر کنواری حاملہ ہوتی اور عمانوئیل اوسکے پیٹ سے برآمد ہوتے۔ تو شہر میں ایک غلغلہ ہوتا اور ہر ایک گھر میں چرچا ہوتا اور لوگ انگلیاں اٹھاتے۔ کہ

---

۵ متی باب ۱۳۔ مرقس باب ۶۔ آیت ۳ لغائت ۱۶ یوحنا باب ۶۔

۶ ہیرودیس بادشاہ نے یوحنا بپتسمہ دینے والے (حضرت یحییٰ ابن ذکریا) کو قتل کروا دیا۔ بغیر ناحق اُسے ہر وقت ستاتا تھا اور اس لئے اُسنے یسوع کی نسبت خیال کیا کہ یحییٰ مردوں سے جی اوٹھا اور ایسے ایسے کام کرتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اُسے یحییٰ کی موت پر کسیقدر یقین تھا مگر چونکہ ناحق کے خون میں مبتلا رہتا جو اسکی بھائی کی جورو تھی اور اس نے کلیج کا خواہاں تھا اور حضرت یحییٰ

"وہ کنواری کا بیٹا آتا ہے" مگر یہاں تو معاملہ برعکس ہے۔ یسوع اپنے آپکو ایک نبی اور بے عزت نبی کہتے ہیں۔ جنہیں لوگ لعنت ملامت کرتے۔ منہ پر تھوکتے تھپڑوں سے منہ لال کرتے اور لکڑ کوب سے خوب درگت بناتے اور آپس میں کہتے کہ دیکھو ایک بڑھئی کا بے حیثیت بیٹا آج سردار کاہنوں اور اماموں کے سامنے ٹر ہہ ٹڑہہ کر باتیں بناتا ہی۔ اسکی بہی وہی مثل ہی۔ چھوٹا منہ بڑی بات۔ جو کچھہ ہم بیان کر آئے ہیں۔ اگر انصاف پسند طبیعت غور سے مطالعہ کری۔ تو کچھہ شک نہیں کہ اُسی نتیجہ پر پہنچیگا۔ جسپر ہم پہنچے ہیں اُسے یقین ہو جائیگا۔ کہ یسوع ناصری یوسف اور مریم کا بیٹا تہا۔ اور اوسکی اعجازی پیدائش محض جھوٹی کہانی اور زمانہ مابعد کی اختراع اور ابلہ فریب باتیں ہیں مقدس نوشتوں سے کسی جگہ ظاہر نہیں ہوتا کہ کبہی یوسف یا مریم نے کسی سے اس اعجازی ولادت کا ذکر کیا ہو۔ یسوع ناصری ہمیشہ اپنے کو ایک بے عزت نبی کہتا رہا۔ مقدس متی اور لوقا اور مرقس اور یوحنا نے جو کچھہ اس امر کی تائید میں لکہا ہے ہم لفظ بہ لفظ لکہہ آئے ہیں اور اب اسکا فیصلہ منصف مزاج نیک دل عیسائیوں پر چھوڑتے ہیں۔ دیکہئے وہ کیا کہتے ہیں ممکن ہے کہ ہٹ دہرم عیسائی یہ کہیں کہ اگرچہ یسوع نے صاف صاف الفاظ میں اپنے آپ کو نبی کہا۔ مگر آدمی کا لفظ نہیں کہا اول تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک یسوع کو ہم بشر نہ کہیں۔ جسقدر شہادتیں ہم پیش کر چکے ہیں۔ اون کی رو سے بہی ثابت ہوتا ہی کہ یسوع ایک نبی تہا۔ یا نبیوں کی مانند ایک تہا "خدا"۔ یا "خدا کا بیٹا"۔ اور اعجازی مولود گپ ہے ان معتبر شہادتوں سے نتیجہ پیدا کرنا کہ وہ خدا تہا یا خدا کا یا کنواری کا بیٹا تہا جو روح القدس سے حاملہ ہوئی تہی۔ صریحاً انصاف کا خون ہے۔ مگر ہم چاہتے ہیں کہ "تا بہ خانہ بائد رسانید" کے مقولہ پر کاربند ہوں اور وہ آیات بہی مقدس نوشتوں سے نکال کر پیش کریں۔ جسمیں یسوع اپنی نسبت "آدمی" کا لفظ

نوٹ

لے اس نکاح کو ناجائز قرار دیا۔ اس لئے اُس زانیہ کے کہنے پر حضرت یحییٰ کو قتل کروایا۔ مگر پشیمان بہت ہوا۔

استعمال کرتا ہے۔

مقدس متی (باب ۱۶ - آیت لغائت ۱۵) فرماتا ہے کہ

"اور یسوع نے قیصریہ فلپی کی اطراف میں آکر اپنے شاگردوں سے پوچھا کہ لوگ کیا کہتے ہیں کہ میں جو آدمی کا بیٹا ہوں کون ہوں؟ انہوں نے کہا کہ بعضے کہتے ہیں کہ تو یوحنا بپتسمہ دینے والا ہے۔ بعضے الیاس اور بعضے یرمیاہ یا نبیوں میں سے کوئی"

اس سے زیادہ اور صاف لفظ کیا ہو سکتے ہیں کہ یسوع اپنی نسبت "آدمی کا بیٹا" کہتا ہے یہ ممکن ہے۔ کہ وہ عیسائی جو کنواری کا حاملہ ہونا ناممکنات سے خیال نہیں کرتے ہیں "آدمی کے بیٹے" کے معنی بیل یا لوٹر یا اور کوئی عجیب الخلقت حیوان ظاہر کریں مگر معمولی عقل کا انسان اور ایک بچہ بھی کہہ دیگا۔ کہ آدمی کا بیٹا آدمی ہی ہوتا ہے۔ یسوع نے اپنی نسبت آدمی کا بیٹا" کہکر درحقیقت اُن تمام شبہات اور شکوک کو رفع کر دیا۔ جس میں عیسائی آج کل پھنسے ہوئے ہیں یہ بالکل حضرات عیسائیوں کی طبیعت کا مقتضی تھا۔ کہ لفظ "آدمی" (اگر یسوع اس لفظ سے اپنی ذات کو تعبیر کرتا) کے معنی یہ کرتے۔ کہ روح القدس نے جامہ انسانی پہنا"۔ یا روح القدس آدمی کی شکل و صورت میں نمودار ہوئی۔ مگر یسوع نے اس تاویل کی ہی گنجائش نہ رکھی اور صاف کہدیا کہ "میں آدمی کا بیٹا ہوں"۔ یعنی روح القدس سے میری ماں حاملہ نہیں ہوئی۔ بلکہ ایک آدمی کے نطفہ سے اونکا حمل ہوا۔ اور جو کچھ اوسکا نتیجہ ہوا۔ وہ یسوع ناصری تھا۔

"آدمی کا بیٹا" ایک ایسا جامع لفظ ہے جسمیں سچی اور قدرتی تثلیث کے معنی ہیں

لہ اگرچہ یہ تاویل بھی ہمارے معنوں کے مخالف نہیں۔ کیونکہ ہر ایک روح نے جامہ انسانی پہنا ہوا ہے اور ہر ایک آدمی اپنے اندر روح رکھتا ہے۔ لیکن چونکہ عیسائی اس بات کو بغور اور نا سمجھ واقع ہوئے ہیں اس لئے اور زیادہ کھول کھول کر سمجھانے کی ضرورت پیش آئی۔

یعنی باپ۔ ماں اور بیٹا یسوع نے اسواسطے یہ جامع الفاظ استعمال کئے۔ کہ اوسکے والدین کی نسبت کسی کو شک و شبہ نہ رہے مگر ہم ان یا وہ گو عیسائیوں کو کیا کہیں جو اُسکے باپ کا سرے سے انکار کرتی ہیں۔ وہ یاد رکھیں کہ کسی شخص کو یہ کہنا کہ تیرا باپ نہیں ہے۔ نہائت مغلظ گالی ہے جسے کوئی باعزت شخص ٹھنڈے دل سے نہیں سُن سکتا۔

مقدس نوشتوں میں بیسیوں مقامات پر یسوع مسیح اپنے آپ کو آدمی کا بیٹا کہتا ہے مقدس مرقس (باب ۸۔ آیت ۳۱) تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"پھر وہ انہیں سکھلانے لگا کہ ضرور ہے کہ آدمی کا بیٹا (یسوع) بہت سا دکھ اٹھاوے اور وہ بزرگوں اور سردار کاہنوں سے رد کیا جائے"

مقدس لوقا (باب۔ آیت ۳۳ لغایت ۳۵) لکھتے ہیں کہ (یسوع نے کہا کہ)

"کیونکہ یوحنا بپتسمہ دینے والا آیا جو نہ روٹی کھاتا اور نہ پانی پیتا تھا۔ اور تم کہتے ہو اسپر ایک شیطان ہے ابن آدم آیا جو کھاتا پیتا ہے اور تم کہتے ہو کہ دیکھو ایک بڑا کھاؤ اور مے خوار آدمی اور محصول لینے والوں اور گنہگاروں کا دوست"

یسوع نے نہ صرف اپنی آپکو آدمی کا بیٹا اور آدمی ظاہر کیا بلکہ یہ بھی کہا کہ تمہاری طرح کھاتا پیتا ہوں اور مے نوشی کرتا ہوں[1]۔ ایک معمولی آدمی ہوں۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ کیا یسوع نے کبھی اپنی الوہیت سے انکار کیا اگرچہ مذکورہ بالا شہادتوں کے بعد اس امر کی کچھ ضرورت نہیں۔ لیکن قیاس ہو سکتا ہے کہ جس طرح نئی زمانہ پیرپرست اپنے اُستاد کو خدا بلکہ خدا سے بھی بڑھکر رتبہ دیتی ہیں ممکن ہے۔ کہ کسی خوش اعتقاد شاگرد نے مجذوب کی طرح بڑھانک دی ہو۔ کہ آپ تو خدا ہیں۔ بلکہ

---

[1] اس میں کچھ شک نہیں کہ یسوع خورندہ بھی بڑا کا تھا۔ جو کچھ سامنے آتا چٹ کر جاتا۔ باوجود اسکے کہ سردار کاہنوں اور فریسیوں وغیرہ کا سخت دشمن تھا۔ اور ہمیشہ اونکی نسبت نہائت ناملائم

خدا کے بھی باپ ہیں اور نادان عیسائیوں کے ذہن تک سند آگئی ہو۔ اگرچہ کسی شاگرد کا اسیطرح یا وہ گوئی کرنا فی الحقیقت صحیح جہک مارتا ہو اور نہ تو اوسکی ذات خواہی پر کوئی توجہ ہوگا۔ اور نہ وہ معتبر شہادت ہوسکتی ہو۔ مگر ہم نہیں چاہتے کہ عیسائیوں کو ایسی ایسی کمزور دلائل کے پیش کرنیکا بھی موقع دیں۔

چاروں مقدس سوانح نگار لکھتے ہیں کہ جب یسوع نے اپنے شاگردوں سے پوچھا کہ یہ تو بتاؤ کہ میں جو ایک آدمی کا بیٹا ہوں۔ چنانچہ سب لوگ اور کنبہ والے مجھے جانتے ہیں اور سردار کاہن اور امام اور دیگر بزرگ بھی میری ماں مریم اور باپ یوسف اور دیگر بھائی بہنوں کے آشنا ہیں تو عوام کالانعام کا میری نسبت کیا خیال ہے۔ شاگردوں نے کہا۔ کہ مختلف روائتیں اور افواہیں ہیں۔ کوئی تو کہتا ہو کہ یہ حضرت پیغمبر دینوالا ہے کوئی کہتا ہو الیاس ہو۔ کوئی کہتا ہو کوئی نبی ہو۔ غرض کوئی کچھ اور کوئی کچھ جتنے منہ اتنی ہی باتیں۔ یسوع نے پھر کہا کہ خیر وہ تو جاہل ہیں اور جانتے نہیں کہ میں کون ہوں۔ تم ہی بتاؤ کہ میں کون ہوں؟ (متی باب ۱۶۔ آیت ۱۵) اور مرقس باب ۔ آیت ۲۹)

نوٹ: اور بات اسکے الفاظ استعمال کرتا رہا مگر جہاں کسی نے کھانسنے کے لئے منہ کھولا یا کوئی جماہی اور بعض اوقات تو اُن نادان میں تیز اور ہاتھ چل کرتے۔ رشتہ دار اور خاص عورتوں کا حال ہوا کہ پہر ہی ہنسا۔ اور جب اُن کے کہنے اور سمجھانے کی تو نصیحت سے فارغ ہوتی۔ تو پھر تکلف اُن کی تائید کرتا۔ اور بے نوشی کا الزام لگاتا کہ سٹھیا گئی ہی اور نہ سے یہ کام نکلتی ہوئی۔ وقت رہتے اپنے فرض سے تعلق نبھا۔ اور ہر وقت اوسکی محبت اور الفت میں سرشار بلکہ مست رہتی۔ اوسکی ہر حرکت اور ہر کلمہ اوسکی آنکھ کی پتلی ہوتا۔ اگر دنیا میں بجائے پانی کے بہتی۔ اور چونکہ آنکھ کو شبنم کا ملنا ہی آتا ہے۔ اس لئے اوسکے دل شکستہ شراب بنکر ایک بات کو تو نہ سب اور میل کو آنے نہ دیا۔ اور کسی مقدس حواری نے اپنے اوستاد کی حرکات و سکنات اور قول و فعل کا اس حالت میں فوٹو نہیں کھینچا۔ ورنہ یہ بات

یسوع کا اپنے شاگردوں سے اس طرح سوال کرنا اور پھر یہ جتلانا کہ میں آدمی کا بیٹا ہوں، ضرور دھوکے میں ڈالتا ہے۔ مگر مقدس شاگرد اس قسم کی پہیلیوں کے سلجھانے اور ایسے معمے حل کرنے کے عادی تھے وہ فوراً سمجھ گئے۔ کہ یسوع کا مطلب کیا ہے وہ اپنے حسب نسب اور اپنے والدین اور دیگر رشتہ داروں کی نسبت نہیں پوچھتا بلکہ اپنی نسبت سوال کرتا ہے کہ میں کون ہوں؟ انہوں نے یہ اچھی طرح سمجھ لیا تھا اور حالات بھی ایسا تقاضا کر رہے تھے کہ وہ یہ سمجھیں کہ وہ اپنے مرتبہ کی نسبت سوال کر رہا ہے چنانچہ شمعون[1] پطرس نے جواب دیا کہ "تو تو مسیح ہے" (مرقس باب آیت ۳۰)

ف ۱ ۔۔۔ ہی دلچسپ اور خوش کن نظارہ ہوتا ہوگا۔ ہم قیاس کر سکتی ہیں کہ وہ فقرات جن سے اب بھی شراب کی بو آتی ہے۔ اور جسے سُنکر یہودی علما اور اوسکے شاگرد اسپر لعنت ملامت کرتے تھے۔ ایسی ہی حالت میں کہے ہونگے۔ جبکہ آپنے فلک سیر کہائی ہوگی۔ یہ ہے اعلیٰ نمونہ پرہیزگاری کا۔ ۱۲

[1] شمعون پطرس یسوع کے شاگردوں میں سب سے زیادہ ممتاز اور اعلیٰ درجہ رکھتا ہے اور اسمیں شک نہیں کہ اسے اپنے استاد کے ساتھ بہ لے درجہ کی الفت و عشق کے درجہ پر پہنچ گئی تھی اور ہمیشہ سایہ کی طرح اوس کے ساتھ رہتا تھا۔ اور اسلئے یسوع کے حال سے بخوبی واقف تھا۔ جہاں کہیں وفاداری اور جاں نثاری کی گفتگو ہوتی حضرت پطرس اوستاد کے پسینہ کی جگہ خون بہانے کو تیار ہو جاتے۔ اور اُن کے کہنے کی تو بھی بہلی۔ یسوع کی موجودگی میں تو ایسا اتفاق نہیں ہوا۔ کہ اون کے قول و فعل کی صداقت کا امتحان ہوتا۔ مگر اسوقت جب یسوع کو صلیب دینے کے لئے لے جاتے تھے ثابت ہو گیا کہ حضرت جو کچھ نہایت جوش و خروش کے ساتھ اپنی خلوص نیت اور وفاداری اور جاں نثاری کی نسبت ابتک فرما چکے تھے نری بڑ اور سفید جھوٹ اور زبانی جمع خرچ تھا۔ اگرچہ یہ ایسا نازک موقع اور مصیبت کا وقت تھا کہ سب شاگرد یسوع کو چھوڑ کر بھاگ گئے (متی باب ۲۶۔ آیت ۵۶) اور ایک ایک کر سب چلتے پھرتے نظر آئے۔ تعجب ہے ان گیدڑوں کی بزدلی اور بے وفاداری پر ✝

Marfat.com

یسوع نے جواب دیا کہ "خبردار میں تجھے تاکیدی حکم دیتا ہوں کہ کسی شخص سے یہہ مت کہو" (مرقس باب آئت ۴۱)

مقدس متی نے "زندہ خدا کا بیٹا" لکھا ہے۔ جو مقدس مرقس نے نہیں لکھا۔ اصول

مگر یہ امید ہو سکتی تھی۔ کہ پطرس ساجاں نثار کم از کم مرتے دم تک تو اپنے اوستاد کا ساتھ دیگا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت یہ حضرت نہایت ہی بزدل تھے اور جس طرح ایسے ڈرپوک لوگ بظاہر اپنی دلاوری اور بہادری کی ڈینگ مارا کرتے ہیں۔ اسیطرح یہ بھی نری لاف وگزاف کی باتیں کیا کرتے تھے۔ اور اور جسوقت یسوع نے اپنا ارادہ وطن کی طرف لوٹنے کا ظاہر کیا اور اپنے شاگردوں کو یہ بھی بتایا کہ ضرور ہے کہ ابن آدم بہت سا دکھ اٹھائے اور بزرگوں اور سردار کاہنوں اور فقیہوں سے رد کیا جائے مرقس باب آئت (۳۱) تو حضرت پطرس کا اسیوقت ماتھا ٹھنکا تھا۔ کہ اب آئی ہماری شامت چنانچہ مارے ڈر کے اسیوقت ریشہ خطمی ہوگئے۔ اور اپنے اُستاد (مرقس باب۔ آئت ۳۲ لغایت ۳۸) ہاتھ پکڑ کر علیحدہ لیجاکے نہایت برافروختہ ہوکر اور غصہ کے لب و لہجہ میں کہا کہ تم بھی عجب بیوقوف ہو۔ کہ اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مارتے ہو۔ میاں کچھ ہوش کرو۔ عقل کے ناخن لو۔ یہ کیسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو۔ تم تو دنیا میں حکیم عاذق مشہور ہو۔ مگر آج ثابت ہوا کہ نری گل ہو۔ ہوڑی دن ہوئے کہ وہاں سے بھاگے اور جان بچاکر نکل آئے ہمنے بھی تمہاری مانکر وطن چھوڑا۔ عزیز واقارب سے منہ موڑا۔ اب یہ آپ کے سر میں کیا سمائی ہے کہ پھر اُسی جگہ آپ سے آپ موت کے منہ میں جلتے ہو ہمنے تو یہی سمجھا تھا کہ چلو جان بچی لاکھوں پائے مگر معلوم ہوتا ہے کہ آخر ہمیں جان پر کھیلنا ہوگا مگر ایک چنا بھاڑ کا کیا بگاڑ لیگا۔ آپ ہیں کہ اس مشفقانہ نصیحت پر کان ہی نہیں دھرتے اور ہمیں کہ برابر سمجھائے جاتے ہیں اوستاد صاحب! سوچ تو سہی کہ یہودی آپ کو خون کا پیاسا آپکو کب زندہ چھوڑینگے صرف بقول آپکے آپ بہت سے دکھ ہی نہ اوٹھائینگے بلکہ یقین کامل ہے کہ جیتے نہ پھرینگے اور اسجگہ تو آپکا کچھ بازار گرم ہوتا بھاتا ہے۔ وہاں کونسی عزت ہے جو ہر

قانون شہادت کی رو سے تو دونوں کو رد کرنا چاہئے۔ مگر ہم فرض کر لیتے ہیں کہ مقدس متی نے جو کچھ لکھا ہے۔ یہی صحیح ہے۔ اگرچہ صاف معلوم ہوتا ہو۔ کہ اس جگہ صرف "مسیح" کا لفظ ہی کافی تھا۔ اور یہ الفاظ کہ "زندہ خدا کا بیٹا" زیادہ تر بعد کی اختراع

ف جاتی ہیں لوگ آوازی کستے تھے۔ بے نقط گالیاں سنتے تھے اور لام و کاف سے لگدو کوب سے آپ کی گت بناتے تھے **حاشا** ہم سے یہ بے عزتی تو برداشت ہرگز نہیں ہو سکتی خدا کیلئے اوس طرف کا خیال دماغ سے نکال دیں اور صرف ہماری نہیں بلکہ اس میں آپ ہی کی بہتری ہے اور ہم آپ ہی کے بھلے کی کہتے ہیں۔ ورنہ جہاں ہمارے سینگ سمائینگے وہاں چلے جاوینگے"

شاگرد رشید کے پند و نصائح کا اثر اوستاد پر اُلٹا پڑا۔ سمجھ لیا کہ ترا باتونی اور گاؤدی ہے۔ اور وقت پڑے ساتھ تو کیا دیگا ڈرہے کہ دشمنی پر کمربستہ نہ ہو جاوے۔ اسی نے نہایت جھنجلا کر کہا۔ کہ

اوشیطان میرے سامنے سے دور ہو کیونکہ تو خدا کی چیزوں کی نہیں بلکہ انسان کی چیزوں کی فکر کرتا ہے۔ (مرقس باب ۸ آیت ۳۳)

بزدلی اور بیحیائی لازم و ملزوم ہیں اس لئے مقدس پطرس اگرچہ سبقاً سبقاً پڑھا ہوا تھا اُستاد پر اوسکا حال آئینہ ہو گیا مگر پھر کہا۔ کہ "اجی آپ اگر نہیں مانتے تو نہیں سہی ہمنے تو سمجھانا تھا سمجھا دیا اب ہم سے یہ تو نہیں ہو سکتا۔ کہ آپکا ساتھ چھوڑ دیں"

غریب مچھوے کو یقین تھا۔ کہ یسوع ایک نہ ایک دن یہودیوں کا بادشاہ ہو دیوالہی اور جب وہ وقت آئیگا۔ تو اگر اس حکومت میں سے حصہ نہ ملا۔ تو وزارت تو کہیں نہیں گئی اور اسی امید پر اوہ کھائے بیٹھے تھے اوسکا اُستاد بھی خوب جانتا تھا کہ ان کے دل میں کیا کچھ گذری ہے اور انہوں نے زعم ناقص میں کیا بیہودہ خیال پکایا ہے اور اگرچہ وہ انہیں وقتاً فوقتاً جتاتا رہا۔ کہ اوسکا خیال خام اور غلط ہے مگر وہ نہ سمجھے اور نہ سمجھ سکتے تھے کیونکہ اوستاد اونہیں ہمیشہ پہیلیاں کہتا رہا اور تمثیلوں میں گفتگو کرتا رہا۔ بے علم جاہل کیا خاک سمجھتے۔ جب کبھی اُستاد کے منہ سے

Marfat.com

ہے۔ جو ترجموں میں زیادہ کھینچی ہے۔ اور اِس قسم کی بیسیوں مثالیں مقدس نوشتوں

بادشاہت" کا لفظ نکلتا وہ یہی سمجھتے کہ وہ وقت بہت قریب ہے۔ جب ہم بادشاہ بنینگے۔ اور

اسی لئے یسوع نے اس موقع پر پطرس کو کہا کہ شیطان! تجھے ہر وقت یہی دھن لگی ہوئی ہے

اور انسانی جاہ و حشمت کی دیکھ ہے اور یہ نہیں سمجھتا۔ کہ میں روحانی امور میں گفتگو کرتا ہوں"

بیچارہ مچھوا نہ پہلے سمجھا تھا۔ اور نہ اب سمجھا۔ اُسے یقین تھا۔ کہ اُستاد صاحب اُس سے وعدہ

فرما چکے ہیں کہ "میں تجھے زمین و آسمان کی کنجیاں دونگا۔ اور تیرا زمین و آسمان پر یکساں حکم

ہوگا" (متی باب ۱۶۔ آیت ۱۹۔ غایت ۲)

اب ہم اُس واقعہ کو بیان کرتی ہیں کہ جب یسوع وطن میں آیا اور جس بات سے کیفا پطرس کو ڈر تھا

وہی ظہور میں آیا۔ رات کا وقت تھا اور شاگرد استاد کے گرد حلقہ باندھے بیٹھے تھے یسوع نہایت دلگیر

تھا۔ کیونکہ صبح اوسکی گرفتاری کا دن تھا۔ اور اوسکا علم اُسے ہو چکا تھا اُس نے اپنے شاگردوں

کو مخاطب کر کے کہا "دیکھو کوئی دم میں صبح ہوتی ہے اور ابن آدم گنہگاروں کے حوالہ کیا جائیگا۔

یہ میری آخری وصیت ہے ثابت قدم رہنا اور ٹھوکر نہ کھانا"

پطرس نے اپنی معمولی سرداری میں جواب دیا کہ "اگرچہ سب تیری بابت ٹھوکر کھائیں۔ پر میں

کبھی ٹھوکر نہ کھاؤنگا" (متی باب ۲۶۔ آیت ۳۳)

یسوع نے اوسکی طرف دیکھکر کہا کہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ تو نہایت ہی بزدل ہے۔ اور ہمیشہ

لاف زنی کیا کرتا ہے یاد رکھ کہ جسوقت مجھے گرفتار کیا جائیگا۔ تو برملا میرا انکار کریگا۔ اور ایک

دفعہ نہیں بلکہ تین دفعہ (یعنی آخر دفعہ) اور دیکھ پو پھٹنے کو تیار ہے اور جب تک خروس بانگ دے۔ تو تین

دفعہ انکار کریگا" (متی باب ۲۶۔ آیت ۳۴)

پطرس نے جب اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اپنے دل کو ٹٹولا۔ تو عرض کیا کہ خون کی آنکھ

دھمکی ہے مگر پھر جی کڑا کر کے جواب دیا کہ "آپ کیا فرماتے ہیں اگر آپکے ساتھ مجھے مرنا بھی پڑے

Marfat.com

میں موجود ہیں - جہاں ترجمہ کرتے وقت حرارت محسوس ہوئی - کہ اصل عبارت کا لفظ اور اسکا

تو بھی آپکا انکار نہ کرونگا"۔ سب شاگردوں نے پطرس کی ہاں میں ہاں ملائی اور ہر ایک نے پطرس کے لفظ دہرائے (متی باب ۲۶ - آیت ۳۵)

اس کے بعد مقدس سوانح نگار یسوع کے غم والم اور اندوہ کا فوٹو کھینچتے ہیں کہ وہ کسطرح مرنے پر رضامند نہ تھا - مگر تقدیر اُسے کشاں کشاں دار کی طرف کھینچ رہی تھی - اُس نے بہت چاہا - اور رو رو کر دعائیں مانگیں کہ ساغر موت کے تلخ گھونٹ اُسے پینے نہ پڑیں" - (متی باب ۲۶ - آیت ۲۹) مگر وقت آپہنچا تھا - اور یہ ایسا وقت تھا کہ مسیح کی دعائیں سب بے اثر ثابت ہوئیں اگرچہ اوسکا دل اندر ہی اندر بیٹھتا جاتا تھا - مگر وہ جانتا تھا - کہ آخر مرنا ہے اس لئے یہ کہکر کہ

ہر چہ آید بر سر فرزند آدم بگذرد

مرنے کیلئے تیار ہو گیا - اور صبح ہونے سے پہلے پہلے دشمنوں کے ہاتھ گرفتار ہوا - وہ بھی اسطرح ایک شاگرد یہوداہ اسقریوطی نے دشمنوں سے صرف تیس روپیہ لیکر پتہ بتا دیا کہ حضرت اُستاد صاحب فلاں جگہ چھپے بیٹھے ہیں - اسوقت جیسا کہ یسوع کو امید تھی سب شاگرد ففر ہو گئے اور الگ ہو گئے جیسے گلہے کے سر سے سینگ - اب ہم دیکھتے ہیں کہ جاں نثار بہادر پطرس کہاں تھے اور کیا کر رہے تھے -

اسوقت جبکہ کوئی شخص یسوع کے منہہ پر تھوکتا تھا اور کوئی گھونسے مارتا تھا - اور کوئی طمانچے اور کوئی مضحکہ اڑاتا تھا اور سب کہتے تھے - کہ "اے مسیح ہمیں نبوت سے بتا کہ کس نے تجھے مارا؟ غرض اسوقت جبکہ لوگ چپکے سے اوسکے پیچھے آتے اور چپت رسید کر کے لوگوں میں غائب ہو جاتے - اسوقت جبکہ بے عزتی کا کوئی دقیقہ ان ظالموں نے اٹھا نہ رکھا - حضرت پطرس باہر دالان میں بیٹھے اُن مردود دوں کی خوش فعلیوں پر خون جگر پی رہے تھے اور "خوجی" کی طرح بار بار کہتے تھے کہ "واللہ نہ ہوئی کر دلی - ورنہ ان مردودوں کے پیٹ میں پھونک دیتا"

ترجمہ یا بعض جگہ اصل لفظ اور جو کچھ اُس سے مفہوم ہو یا بعض مقامات پر اصل لفظ اور

وہ دور ہی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ کہ ایک بوڑھیا عورت کی نظر اس پر پڑی اور قریب آکر کہا "ارے مردود تو یہاں کیا کہہ رہا ہے کیا تو بھی یسوع صلیبی کا ساتھی ہے؟"

دلاور پطرس کو اتنی تاب کہاں تھی کہ ایسی تہمت کا جواب دیوے سب کے سامنے کہا کہ تو جھوٹ کہتی ہے اور میں نہیں جانتا۔ کہ تو کیا کہتی ہے؟

دیندار عیسائی کہہ سکتے ہیں کہ ممکن ہے حضرت پطرس نے بوڑھیا کا مطلب نہ سمجھا ہو۔ اور اسلئے کہا۔ کہ میں نہیں جانتا۔ تو کیا کہتی ہے۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ یہ ممکن ہے کیونکہ بوڑھیا اُس وقت ایسی زبان میں گفتگو کر رہی تھی۔ کہ مقدس پطرس نہیں سمجھ سکتے تھے اور ابھی تک روح القدس کا نزول اوسپر بصورت زبانہ آتشیں نہ ہوا تھا۔

اسکے بعد حضرت پطرس نے خیال کیا کہ اب راز افشا ہوا چاہتا ہے اب یہاں ٹھیرنا مناسب نہیں چلو چپکے سے کھسک چلیں۔ چنانچہ اُن سے ڈرتے ڈرتے ادھر اُدھر نظر دوڑائی اور دبے پاؤں باہر کا رستہ لیا۔ مگر شامت اعمال سر پر سوار تھی۔ ایک شخص نے حضرت کو بھانپا۔ کہ چوروں کیطرح سے باہر جاتے ہیں لوگوں کو آواز دیکر کہا۔ "ہو نہ ہو یہ بھی یسوع ناصری کا ساتھی ہے"

حضرت پطرس کے قدم وہیں گڑ گئے رنگ فق ہو گیا۔ لب خشک ہو گئے۔ منہ سے کچھ کہنا چاہتے تھے۔ لیکن آواز حلق میں بند ہو گئی۔ بدن پر رعشہ طاری ہو گیا۔ اور سمجھ لیا کہ اب چھٹکارا نہیں۔ ٹھہر گئے۔ دل میں ہزاروں صلواتیں اوستاد صاحب کو دیں کہ ع

اے باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

لوگ گرد ہو گئے تو آپ نے قسم کھا کر کہا "میں تو اس شخص کو نہیں جانتا" (متی باب ۲۶ ۔ آیت ۷۲)

ان لوگوں کو آپ کی قسم پر یقین آگیا اور چلے گئے اب کیا تھا۔ حضرت پطرس کی جان میں جان آئی۔ اور خیال کیا۔ کہ بڑی بچے تھے۔ لیکن زندگی کے دن کچھ باقی تھے کہ بچ رہے ع

اوسکے ساتھہ ایک اور فقرہ تراشا گیا ہی۔ لیکن ہم اس جگہ اس پر بحث نہیں کرتی اسپر علیحدہ

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت

فقرہ "ہت تیرے اوستاد کی ایسی تیسی۔ کمبخت آپ تو ڈوبا تہا۔ مجھے بھی لے ڈوبا"

لیکن بنی اسرائیل بھی ایک ہی کائیاں تھے۔ وہ حضرت پطرس کو ایسی کب چھوڑتی تہی ایک اور شخص نے آپکو دیکھکر کہا۔ کہ "اے تو بیشک اکثر یسوع ناصری کے ساتھہ دیکھا ہی۔ لیتا۔ جانے نہ پائے"

یہ تو ممکن نہ تہا۔ کہ حضرت پطرس بہاگ کر جان بچاتے نہ اُن میں اتنی ہمت تہی۔ وہیں سے اوستاد صاحب کو بُرا بہلا کہنا شروع کیا۔ کہ "میں اس ملعون کو جانتا بھی نہیں۔ خدا کی قسم میں آج سے پہلے اس کی صورت تک نہیں دیکھی۔ لوگو! تمہیں کیا ہو گیا ہی کہ ناحق مجھہ راگیر پر بہتان باندہتے ہو۔ بہلا اِس گیدی کے ساتھہ میرا کیا تعلق۔ میں بیچارہ قسمت کا مارا ایک غریب مچھوا۔ گگڑوں کو! گگڑوں کو! گگڑوں کو!

چونکہ پطرس سب سے زیادہ معزز محترم شاگرد ہی اسلیئے اُس کے حالات لکھنے کے بعد اس امر کی ضرورت نہیں رہتی۔ کہ دیگر حواریوں کا حال لکھا جاوے۔ اسی پر سب کو قیاس کرلو۔ کہ جب مصیبت پڑی تو سب کے سب بہاگ گئے اور ایک نے تیس روپیہ لیکر پکڑوا دیا۔ اور دوسرے نے قسم کہا کہا کر اور یسوع پر لعنت بھیجکر اوسکا انکار کیا۔ کیا کوئی منصف مزاج کہہ سکتا ہی کہ ان بزرگوں کو یقین تہا کہ یہ کنواری روح القدس سے حاملہ ہوئی اور بیٹا جنی۔ جو انکا اُستاد یسوع مسیح تہا۔ حیف اُنپر اور اُن کے ایمان پر۔ یہ کیسی ریاکار جماعت تہی کہ بیچارے یسوع کو خود پکڑوا دیا۔ اور جب وہ گرفتار ہُوا۔ تو ایک ایک کر کے سب گیدی بہاگ گئے اور اِس معزز شاگرد نے برملا اسپر لعنت کی۔ کیا ایسے شخصوں کی شہادت پر اعتبار ہو سکتا ہی۔ کوئی دانا آدمی کبھی اعتبار نہ کریگا۔ یہ ناداں دوست تو یسوع کی ہلاکت کا باعث ہوئے۔ جو کچھہ اوسکی تعلیم تہی اُسے یہ جاہل مطلق نہیں سمجھ سکتے تہے۔ بہلا غریب

ہیکنگ ۔ اس جگہ ہم اِس لغویات کو بھی حضرات عیسائیوں کی خاطر تسلیم کرتی ہیں کہ شمعون پطرس

نے یہ جو کہا کہ "اے یسوع میرے پیچھے سے دور ہو جا شیطان" اس کے یہ معنی ہیں کہ "اے شیطان میرے پیچھے سے دور ہو جا" اپنے

پیچھے لگانا یہ اُس روحانی تعلیم کو کیا سمجھ سکتے۔ جسکے سمجھنے کیلئے آج عیسائی دنیا سر دُھنتی ہے

اور پھر کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتی ۔ اور وہ زمانہ ہی ایسا تھا ۔ کہ ادھر یسوع کے منہ سے اس قسم کا کوئی

کلمہ نکلا اور ادھر لوگوں نے کہا کہ یہ کفر بکتا ہے اور گھونسوں ۔ لاتوں اور طمانچوں سے خوب خبر لیتے

اِن لوگوں کو جو ایسوں کو اگر یہ تمام تعلیم نہ دیتا ۔ مگر تعلیم کا مزا کیا ہے

ہر تیر کہ ناوک نہ گیرد ہرگز نبود ز دست بد اندیشش بہ

تربیت نا اہل را چند گرد گردکان بر گنبد است

کیا اچھا کہا ہے کہ ؎

زبان شور کہ سنبل بر نیارد ۔ در و تخم عمل ضائع مگردان

یسوع کی ہر کوشش اکارت اور سب محنت ضائع اور تعلیم سب بے اثر گئی ؎

گفتہ او شنیدہ بسیار گو ۔ لیک شاگرد ی نہ شد اسرار جو

آیئے ہم بعض عیسائیوں سے یہ پوچھتے ہیں کہ یسوع کی گرفتاری کے وقت جو کچھ مقدس شاگردوں

نے اُن کے ساتھ سلوک کیا ۔ اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے کیا اسوقت اُن کے قول و فعل ایماندارانہ

کہے جا سکتے یا مردود کا فروں کے ۔ کیا جس شخص نے یسوع کا انکار کیا اور قسمیں کھا کھا کر اوسکا انکار

کیا اور اوپر سے لعنت بھیجی کیا ایسا شخص خود ملعون اور مردود نہیں ؟ اور کیا ایسے یا وہ گو اناں نہ

کی زبان کا اعتبار ہو سکتا ہے جو منافق کے دل میں کچھ ہو اور منہ پر کچھ ۔ یسوع نے کئی ایک دفعہ اپنے شاگردوں

کو کہا کہ تم بے ایمان ہو ۔ اگر رائی کے دانہ کے برابر تم میں ایمان ہو ۔ تو تم سے عجیب عجیب امور ظہور

میں آئیں ۔ یسوع نے جو کچھ کہا اس نے بالکل سچ کہا ۔ اور واقعات نے بھی یہی ثابت

کر دیا کہ یہ سب بے ایمان تھے کیا ان بے ایمانوں کی باتوں کا اعتبار ہو سکتا ہے کیا ان منافقوں کی

شہادت قابل قبول ہو سکتی ہے ہرگز نہیں ۔

Marfat.com

ی معمولی لاف زنی اور غوشامدانہ لہجہ میں یہ لفظ کہ "تو تو مسیح زندہ خدا کا بیٹا ہے" کہہ گیا ہوگا۔

م جانتے ہیں کہ "زندہ خدا کا بیٹا" کسے کہتے ہیں۔ جسوقت پطرس نے کہا کہ تو تو زندہ خدا کا بیٹا
یسوع نے نہایت تاکید کی بلکہ حکم دیا کہ خاموش رہ اور کسی سے اسکا ذکر نہ کرنا۔
یں ہے اگر یہ سچ تھا کہ وہ زندہ خدا کا بیٹا تھا۔ اور فی الواقع یوسف اور مریم کا بیٹا نہ تھا تو کیا شرم دامنگیر
تھی کہ شاگردوں کو منع کیا کہ خبردار کسی شخص سے اسکا تذکرہ نہ کرنا۔ اُسے تو ڈنکے کی چوٹ یہ کہنا چاہئے تھا۔
میرا باپ خدا ہے اور کوئی نہیں اور میری ماں مریم اوسی سے حاملہ ہوئی ہے۔ یہ کیسی شرم دامنگیر ہے جو
حقیقت بیجا ئی ہے کہ اپنے باپ کو پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا۔ بات اصل میں یہ ہے کہ یسوع جانتا تھا کہ
فی الواقع وہ یوسف اور مریم کا بیٹا ہے۔ اس لئے کوئی شخص اس صوفیانہ نکتہ کو حل نہ کرسکیگا اگر اسے اوسکے
شاگرد لوگوں کو یہ کہتے پھریں کہ وہ "زندہ خدا کا بیٹا ہے"۔ تو کون شخص اعتبار کریگا وجہ یہ کہ کوئی سمجھ
نہیں سکتا کہ اسکے کیا معنی ہیں۔ ناحق کے کفر کے فتوے صادر ہونگے اور لوگوں میں بدگمانی اور غلط فہمی
کے بجائے اصلاح کے اور فساد پیدا ہوگا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیوں منع کیا کہ خبردار کسی شخص کو اس بات
سے آگاہ نہ کرو۔ سوچو اور غور کرو۔ کیا ایک نبی مرسل۔ ابن اللہ کی شان کے شایاں ہے کہ چند مجبوروں
کی خلوت میں چپکے چپکے کچھ کہے اور پھر اُن کے منہ پر مہر سکوت لگا دے تاکہ وہ کسی کو کچھ کہہ نہ سکیں
بھولے بھالے سادہ لوح عیسائی اسکا جواب دیں کہ کیوں تاکیدی حکم دیا کہ کسی سے ایسی بات نہ کہو۔ تم
کیا ہم ہی تمہیں بتاتے ہیں لو سنو! اگر تمہارے کان سننے کے ہوں۔
جن حضرات نے علامہ محی الدین ابن عربی کی نصوص الحکم اور فتوحات مکیہ اور خواجہ محمود جتبسری کی گلشن راز
اور دیگر بزرگوں کی صوفیانہ کتب کا مطالعہ کیا ہے جنکی نظروں سے لوائح جامی، مرزا عبدالقادر بیدل کی نکات
اور چہار عنصر بلکہ کلیات اور خواجہ حافظ اور دیگر شعرا کا کلام گذرا ہے۔ اُن پر بخوبی روشن ہے کہ یہ لوگ کس
نکات پر رنگے ہوئے تھے یہ کہنا کچھ بیجا نہ ہوگا کہ ایشیائی شاعری کا اعتداد مصالح تصوف ہے۔
مولانا روم کی مثنوی سے زیادہ کوئی کتاب بقبول عام نہیں ہوئی خواہ عوام الناس اسکا مطلب

Marfat.com

لیکن اس کے جواب میں یسوع نے اُسے کیا کہا؟ یسوع نے اُسے تاکیدی حکم دیا کہ

سمجھیں یا نہ سمجھیں اُسے نہایت ذوق شوق سے پڑھتے اور سنتے ہیں ہزارہا ایسی کتابیں جنمیں وہ نکات ہمارے قیاس حل کئے گئے ہیں کہ بائیبل کو اسکی خبر بھی نہیں مگر اسپر بھی ان بزرگوں کو اولیاء اللہ اور بزرگ تسلیم کیا جاتا ہے مگر ان میں سے ایک بھی کفر کا فتویٰ بجا۔ وجہ یہ کہ جو کچھ یہ کہتے ہے۔ عام لوگ اُسے سمجھ نہیں سکتے تھے اور جو کچھ سمجھتے تھے سمجھتے تھے۔ ٹھیک اوسیطرح جس طرح فریسی یسوع کا کلام سُنکر کہتے تھے کہ یہ کفر بکتا ہے آیت ۶۵) اور اس لئے واجب القتل ہے منصور نے "انا الحق" کہا۔ اور دار پر کھینچا گیا درحقیقت خدا تھا اور خدا منصور۔ لوگوں نے نہ سمجھا۔ اور جو کچھ سمجھا۔ تو یہی کہ یہ شخص اپنے آپ ہے کفر بکتا ہے اور اس لئے واجب القتل ہے علامہ محمود جنیری نے گلشن راز میں

حل کیا ہے کہ:-

درآور وادی ایمن آتشگہ — درختے گوئدت انی انا اللہ

روا باشد انا الحق از درختے — چرا نبود روا از نیک بختے

یعنی جسوقت موسیٰ نے وادی ایمن میں آگ کا شعلہ دیکھا اور اوسکی طرف گئے تو حیران رہ گئے کا شعلہ ایک بوٹے میں مشتعل ہے مگر بوٹا جلتا نہیں۔ یہ اسی حیرت میں تھے کہ بولا ہے میں تیرا خدا اور تیرے باپ دادوں کا خدا ہوں (خروج باب ۳۔ آیت ۶)

اب یہ کیسی مضحکہ خیز بات ہے کہ ایک بوٹا حضرت موسیٰ اور اوسکے باپ دادوں کا خدا۔ کیا یہ ممکن ہے نہ حضرت موسیٰ اسکے یہ معنی سمجھے۔ بوٹا تو ایک بے حقیقت شے تھی اوسپر جلوہ آلہی سے انی انا اللہ کی آواز آنے لگی۔ فی الحقیقت نہ بوٹا خدا تھا اور نہ خدا بوٹا میں تھا۔ کہ جب اوسکے قلب پر جلوہ ہوا۔ اوسکے منہ سے انا الحق کی صدا برآمد ہوئی۔ درحقیقت نہ تھا نہ خدا منصور۔ مگر لوگوں نے یہی سمجھا کہ وہ دعوی خدائی کرتا ہے اور واجب القتل

Marfat.com

کسی شخص سے اسکا ذکر نہ کرنا (مرقس باب ۔ آیت ۳۰)
اگر یہ سچ ہوتا۔ کہ یسوع خدا کا بیٹا تھا۔ تو کیوں پطرس کو منع کیا؟ ایسا کیا

نوٹ: یسوع مسیح اور منصور کے حالات اسقدر مشابہ ہیں کہ یہ کہنا نامزدوں نہ ہوگا کہ منصور مثیل
فی مسیح تھا۔ ذیل میں ہم اُن واقعات کو لکھتے ہیں۔ جو اس مماثلت کو بخوبی ثابت کردینگے:۔

خلفاء عباسیہ کا دور دورہ تھا۔ اسوقت دار الخلافت بغداد میں مقتدر باللہ ابو الفضل جعفر ابن معتضد (۲۹۵ھ سنہ ۹۰۸ء سے ۳۲۰ھ سنہ ۹۳۲ء تک) حکمراں تھا حسین منصور جسکے نام سے بچہ بچہ واقف ہے اسی خلیفہ کے عہد میں گذرا ہے۔ پیشہ ملّاحی تھا۔ اور زہد و تقوی اور علم و فضل کی وجہ سے شہور تھا۔ اکثر جنید رح و شبلی رح کے صحبت میں رہتا۔ صاحب تصنیف تھا۔ اور تصوف کے مضامین نثر و نظم عبارت اور حقائق و اسرار و معانی و معارف کو فصاحت و بلاغت سے ادا کیا۔ علماء عصر و مشائخ کبار کا اجتماع ہوا۔ کوئی کہتا تھا کہ حلولی ہے اور کوئی اتحادی اور بہت تھوڑے تھے جو اسکے کلام کو اسرار سے سمجھ سکتے تھے انمیں ابن عطار رح عبداللہ خفیف رح شبلی رح ابو القاسم نصر آبادی قائل تھے کہ منصور حق ہے اور اسکی تصنیفات سے توحید باریتعالی کا اظہار ہوتا ہے۔ مگر علماء ظاہر کا غلبہ تھا۔ اور اس لئے حسین منصور کے برخلاف فتوی کفر طلب کیا گیا۔ اسپر جرم یہ لگایا گیا۔ کہ وہ "انا الحق" کہتا ہے تمام علماء اور اکثر مشائخ نے اس فتوی پہ اپنی مواہیر ثبت کردیں۔ اور قرار پایا۔ کہ حسین منصور حلاج واجب القتل ہے ؎

واجب القتل اُس نے ٹھیرایا
اُنکی سے روائتوں سے مجھے

خواجہ عطار تذکرۃ الاولیا میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب حسین کو صلیب پر کھینچنے کیلئے لے جارہے تھے شہر کے لوگ پتھر مارتے تھے منصور کا جسم جابجا زخمی ہوکر خون آلود ہورہا تھا۔ مگر یہ دلاور ایسا ثابت قدم رہا۔ کہ اپنے کسی فعل اور قول اور خفیف سی حرکت سے بھی اس امر کا اظہار نہ کیا کہ وہ درد کو محسوس کررہا ہے۔ اسی اثنا میں شبلی رح اسکے قریب آیا۔ اوسکے ہاتھ میں ایک پھول تھا۔ منصور کی طرف پھینکا

Marfat.com

Marfat.com

کا منع کرنا ... ہاتھ کی دلیل ہے کہ وہ خدا کا بیٹا نہ تھا۔ ورنہ اُسے توڑنے کی چوٹ

... یسوع مسیح کے ساتھ منصور کا۔ ہمیں ڈر ہے کہ کہیں حضرات عیسائی ہندوؤں کی طرح
... کرشن کی مانند یسوع مسیح نے منصور کا جنم لیا تھا۔ جو شخص حلول و اتحاد کے قائل
... کچھ بعید نہیں۔ اگر اس طرح سمجھیں۔

... (باب ۲۶) بخوبی فرماتی ہیں۔ کہ جسوقت قیافا نام سردار کاہن کے روبرو یسوع پیش ہوا
... اُس پر شہادت دی تو یسوع نے جواب میں کچھ نہ کہا۔ چپکا ہو رہا۔ آخر سردار کاہن
... خدا کی قسم دیکر کہا کہ اگر تو مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ تو ہم سے کہہ۔ "یسوع نے اُس سے
... کہا ہاں میں ہی ہوں۔ بلکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اُسکے بعد تم ابن آدم کو قادر مطلق کی دہنی طرف
... بادلوں پر آتے دیکھو گے" تب سردار کاہن نے اپنے کپڑے پھاڑے اور کہا "یہ کفر کو
... اور گواہ کیا ضرور؟ تم نے آپ اسکا کفر سنا۔ اب تمہاری کیا صلاح"؟ انہوں نے جواب
... کے لایق ہے"۔ تب انہوں نے اسکے منہ پر تھوکا اور اُسے گھونسے مارے۔ اور دوسروں
... طمانچے مارکے کہا کہ اے مسیح نبوت سے بتا کہ کس نے تجھے مارا"۔

... بعد یہودا نے دار پر کھینچا۔ تو آخری کلمہ جو اُس کے منہ سے نکلا۔ وہ یہ تھا۔

"ایلی ایلی۔ لما سبقتانی"

(اے میرے خدا۔ اے میرے خدا۔ تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا)

... یسوع کی زندگی کے واقعات ہی ظاہر کر رہے ہیں کہ دونوں ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے
... اگرچہ صوفیائے کرام نے ان نکات کو حل کیا ہے۔ مگر ساتھ ہی اسکو انہوں نے یہ بھی
... اس قسم کا کلمہ منہ سے نکالنا کم ظرفی کی دلیل ہے اور حفظ مراتب نہ کرنا زندیقی ہے ؎

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد
گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی (جامیؒ)

کہنا چاہئے تھا۔ کہ میری ماں روح القدس سے حاملہ ہوئی۔ اور

وہ واقعات جو ہم منصور اور یسوع کی شہادت کے متعلق بیان کر چکے ہیں

نے اپنی مستقل مزاجی اور سچی دلاوری کا ثبوت دیا۔ اور وہ فرانسکن

پتھر کے گھونسے پڑے اور اعضا کاٹنے کی جگہ اسے صرف چومنا کہ

اسپر بھی ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر یسوع کے متعلق

یہ ایک تاریخی واقعہ ہے۔ جو کسی طرح غلط نہیں ہو سکتا۔

فی الحقیقت یسوع نے مرتے وقت ایسی بزدلی کا اظہار کیا۔ کہ

کا تذکرہ کرتے ہوئے جنکی نسبت وہ کہتے ہیں۔ شیروں کے سامنے ڈالے

جان دی۔ شہید ہوئیں۔

مگر اس جگہ ہم ان امور پر بحث نہیں کرتے۔ مدعا صرف یہ ہے کہ

کیا ہے۔ خواہ غلط ہوں۔ یا صحیح اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ

اگر کوئی صوفی یہ کہے کہ ؎

ایک ہی نور جسکے سب جلوے ہیں — دیکھنا ہو تو جا بجا دیکھو

گر خودی ہم سے دور ہو جاوے — پھر خدا کی قسم خدا دیکھو

تو اسکے یہ معنی نہیں کہ وہ انبیاء الدین سے انکار کرتا ہے۔ ایسا

ہے۔ صرف ایک منصور ہی ایسا شخص نہ تھا جسنے ایسا دعوی کیا اور

یسوع ایسے گذرے ہیں۔ جن پر کفر کا فتوی لگا۔ اور قتل کئے گئے

کے نیچے اب تک انکی شاہد حال ہے بایزید بسطامی

تذکرۃ الاولیا۔ روضۃ الاصفیا۔ نفحات الانس

بیشمار علی الوہیت ملینگے۔ جنکے سامنے یسوع کے دعوی کی بھی

Marfat.com

اور لوگ اسے کسی اور شخص کا بیٹا خیال کرتے ہوں۔ تو معلوم نہیں کہ ایسے شخص کو

اور ہر تحریر فرماتے ہیں :۔ کہ

روز آدینہ بر سر منبر — گشت شبلی برای خطبہ سوار

کرد توحید ایزدی آغاز — کہ یکے است او چہ دو چہ ہزار

گر ز کعبہ عبید حاضر بود — گفت ای پاکباز نادر کار

تو عیانست ہر یکی مشہود — نخبہ من با تو گفتہ ام بہ نہفت

گفت مبہمات دیگانہ عبیر — سخن ہر شاعرانہ را بگذار

من ہمی نشنوم نہ ہمیگویم — نہ بود نسبہ من ہر بندہ و بار

لوح دل را ز نقش شرک بشوی — خویشتن را خدائی خوانی کار

مطلب یہ ہے کہ جمعہ کے روز شبلی نے خطبہ میں توحید کا وعظ فرمایا ہے کہ معبود واحد ہے خواہ اس کے ہزار کہو یعنی یہ تمام کثرت اسی وحدت کی ہے خواہ یہ دوسرے لفظوں میں ہمہ اوست یا وحدت الوجود کہو اس کے پیر و مرشد حضرت عبید غائبی موجود تھے۔ اور یہ توحید کے نکات سن رہے تھے۔ فرمانے لگے کہ میں تو تجھ سے یہ باتیں خلوت میں بتاتا تھا اور غرض یہ تھی کہ تو عوام الناس میں اس کا تذکرہ نہ کرے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ پھر کیوں کیا؟ جواب دیا کہ آپ کی شان سے بعید ہے کہ ایسا شرکانہ کلمہ زبان سے نکالیں غیر تو موجود نہیں لا موجود الا ھو تو میں ہی سنتا ہوں اور میں ہی کہتا ہوں۔ شعر اور مخاطب بیکار دیدہ ہے

اس سے ظاہر ہو گیا ہوگا۔ کہ صوفیوں میں یہ عام دستور تھا۔ اور اب بھی ہے کہ نکات توحید فاضل قابل میدوں کو بتاتے ہیں اور ساتھ ہی اوپر عوام الناس پر ظاہر کرنے سے منع کرتے ہیں (یہ) مولانا جامی فرماتے ہیں کہ :۔

سخن دقت مضایق الغایت با نامحرم مگو ہر جا نگاری را

(ترجمہ) یہ تو بخوبی ظاہر ہو گیا۔ اور شک و شبہ کی ذرا بھی گنجائش نہ رہی کہ کیوں سید صاحب نے ایسا کہا

Marfat.com

کیا کہینگے ؟ سردار کاہن اور اُس کے گھر اور شہر والے (جیسا کہ ہم ظاہر کر چکے ہیں)

کسی سے ظاہر نہ کرنا ۔ کیونکہ اُسے اچھی طرح معلوم تہا۔ کہ لوگ اس بات کو سمجھ نہیں سکتے اگرچہ اس سے زیادہ لکہنے کی ضرورت نہیں ۔ مگر ہمنے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ ۔ تا بہ خانہ باد رسانید

اِس لئے ہم تصوف کی معتبر کتابوں سے وہ عقائد اسجگہ نقل کرتے ہیں ۔ اور آسمانی باپ مسیح خدا کی بیٹے کے معانی پر روشنی ڈالتے ہیں ۔

علامہ محی الدین ابن عربی فصوص الحکم کی مرش عیسویہ میں لکہتے ہیں :-

فلولاہ ولولانا ✣ لما کان الذی کانا

"اگر نہ خدا ہوتا ۔ اور نہ ہم اللہ کے علم میں ہوتے ۔ تو یہ جو کچہ کہ ہے ۔ یہ بہی نہ ہوتا ۔"

فانا اعبد حقا ✣ وان اللہ مولانا

پس ہم بیشک بندے ہیں ۔ اور بیشک اللہ ہمارا مالک ہے ۔"

واناعین فاعلم اذا ما قلت انسانا

اور ہم وہی تو ہیں ۔ جو ہمارا مالک ہے ۔ پہر جب تو انسان کا نام لے تو جان لے کہ اُسکی اصلیت کیا ہے :

فلا تعجب بانسان ✣ فقد اعطاک برہانا

پہر جب تجہکو انسان کہیں تو تو شرمندہ نہو ۔ کیونکہ تجہکو تو دلیل دی گئی ہے کہ تو اور تیرا مالک ایک ہیں ۔

فکن حقا وکن خلقا ✣ فکن باللہ رحمانا

پس جبکہ تو بنظر اصل حقیقت کے خدا ہے اور صرف بسبب اوس چیز کے جس کی سبب تجہکو تو کہتے ہیں ۔ پیدا کیا ہوا بندہ ہے ۔ تو تجہکو واسطے خدا کے رحمان ہی ہونا چاہئے ۔

وعد خلق منہ ✣ تکن روحا وریحانا

اور خدا کی مخلوقات کا بقا خدا ہی سے جان اور تورٌ روحٌ یعنی پاک اور راحت ہو ۔

فاعطیناہ ما یبدو ✣ بہ قینا واعطانا

Marfat.com

اُسے یوسف نجار اور مریم کا بیٹا جانتے تھے ۔ وہ اُس کے بھائی اور بہنوں کو بھی جانتے

فصار الامر متسوما + بایاہ وایانا

پس وہ ہم میں خدا کو وہ چیز جس سے ظاہر ہوتا ہی خدا ہم میں اور خدا کی وہی چیز ہمکو دی ۔

وہ روحانیت جسکو وجود کہتے ہیں ۔ خدا اور ہم میں بٹ گیا +

فاحیاہ الذی یدری + بقلبی حین احیانا

پس جو چیز کہ میرے دل میں سمان والی ہی ۔ اُسکو زندہ کیا ہی ۔ جبکہ ہمکو زندہ کیا ہی ۔

وکنا فیہ اکوانا + واعیانا وازمانا

اور ہم ہی تو اللہ کے علم میں اور ہم ہی تھے ہونیوالے اور ہم ہی تبھی ہونیوالے اور ہم ہی ہوئی ہیں ۔

فلیس بدائم فینا + ولکن ذا الاحیانا

اور ہم میں وہ چیز ہمیشہ نہیں ہی ۔ مگر اُس نے ہمکو زندہ کیا ہی

کہ یسوع کی خصوصیت نہیں کہ وہ خدا کا بیٹا ہی اور اوسکا باپ آسمان پر ہی بلکہ وجودیوں کا عقیدہ کے مطابق ہر ایک شخص خدا کا بیٹا ہی اور اوسکا باپ آسمان پر ہی ۔ ہمہ اوست یا ہمہ از وست ۔

ہم عیسائیوں کے مبلغ علم سے بجا طور پر واقف ہیں ۔ ان کے دماغ میں کچھ بھس بھرا ہوا ہی یہ کورباطن ایسے گوہر بے بہا کی قدر و قیمت کیا جانیگے ۔ اس لئے ہم مشورہ دیتے ہیں کہ اگر وہ مذکورہ بالا اشعار کے معانی سمجھنا چاہتے ہیں ۔ تو شرح داؤد بصری ۔ شرح مولانا جامی ۔ شرح شاہ محب اللہ بہاری ۔ تا دیکھ کر فصوص الحکم کو سامنے رکھکر اور نہایت غور و فکر سے فصوص الحکمہ کا مطالعہ کریں ۔

ہمیں یقین نہیں آتا کہ باوجود ان شرحوں کے عیسائی اسے سمجھ سکتے ہیں اور ہم سمجھانا چاہتے ہیں ۔ وہ ضرور کہینگے کہ عربی و فارسی ہماری سمجھ میں نہیں آتی ۔ ہم کو تو یسوع کی شاگردی کرنا ہی کہ روح القدس بصورت زبانہ آتشین ہم پر نازل ہو ۔ اور ہمکو دنیا کی زبانیں آجائیں ۔ پھر اسکا ہمارے پاس کیا جواب ہے ۔ ۔ ۔ ذرہ بہت غور کیا ۔ کہ کس طرح ان نادانوں کو سمجھائیں ۔ آخر ہمیں ایک سہل طریقہ

تھے اور یسوع اپنی آپ کو خدا کا بیٹا کہتا تھا۔ اور اگر ان شخصوں کو معلوم ہو جاتا کہ یسوع

معلوم ہو گیا کہ زبان پنجابی میں سمجھائیں اور اردو مطلب لکھدیں۔ حضرت بلھے شاہ کی کافیاں نہایت ہی موزوں ثابت ہونگی۔

سید بلھے شاہ صاحب پنجاب میں قصبہ قصور واقع لاہور کے رہنے والے تھے۔ ان کی کافیاں بازاروں میں صوفیوں کے حلقوں میں غرض ہر ایک جگہ پڑھی جاتی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:۔

جد احد اک اسکا سی ۔۔۔ نہ روپ رسول نہ اللہ دی

نہ ظاہر کوئی تجلی سی ۔۔۔ ہن گون کھول ہزار

ہن میں لکھیا سو ہنا یار

جسدی حسن دا گرم بازار

پیار اپنیوں پیشکاں آیا ۔۔۔ آدم اپنا نام دھرایا

اللہ بیلی بن احمد آیا ۔۔۔ سر بنیاں سردار

ہن میں لکھیا سو ہنا یار

جسدی حسن دا گرم بازار

مطلب یہ ہے کہ ظہور عالم سے پیشتر اللہ واحد کی ذات تھی اور کچھ نہ تھا اوسکے اسماء صفات کا بھی ظہور نہ ہوا تھا۔ کیونکہ ہر ایک اسم رب ہے اور وہ بہ تقاضائے ظہور مربوب کو چاہتا ہے اور جبتک مربوب نہ ہو اسکا ظہور ثابت نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ خالق کا ثبوت مخلوق کے ظہور پر منحصر ہے اگر مخلوق نہ ہو۔ تو اسمی خالق کون کہیگا۔ اور اس طرح رازق و مرزوق اور دیگر اسماء و صفات پر قیاس کرو۔ غرض اللہ تعالیٰ کی ذات بلا تعین تھی۔ اور اسوقت نہ تو کوئی ظہور تھا۔ اور نہ رسول نہ اللہ کا۔ کیونکہ اوقت کسے رب یا اللہ کہنے والا کوئی رسول یا مخلوق نہ تھی۔ اسوقت کسی تجلی اسمائی یا صفاتی یا فعلی کا جیسا کہ مذکور ہوا ہے مطلق ظہور نہ ہوا تھا۔ لیکن جسوقت ظہور ہوا۔ تو وہ بے کثرت کا لباس پہنا۔ اور ظہور کا لازمی نتیجہ تھا کہ ایسا ہی ہو۔ چنانچہ جب اسم خالق کا جلوہ

ہمنے ثابت کر دیا ہی کہ یسوع کے گھر اور کنبہ والے اور شاگرد اسکو ہی یوسف
کا بیٹا اور مریم کا بیٹا جانتے تھے اور یسوع نے کبھی اونکی تردید نہیں کی۔ خود یسوع کے اقوال
سے ثابت ہے کہ وہ ایک آدمی کا بیٹا تھا۔ اور اسنے کبھی نہیں کہا کہ وہ آدمی کا بیٹا
نہیں۔ اب اگر حضرات عیسائی صاحبان یہ کہیں۔ کہ اوسکے شاگرد اُسے خدا کا بیٹا جانتے تھے۔
تو ہم کہینگے۔ کہ اونکا خیال غلط تھا۔ کیونکہ خود یسوع اونہیں حکم دیتا تھا۔ کہ کسی شخص سے
اسکا تذکرہ نہ کرو۔ ورنہ لوگ تمہیں بیوقوف بنا لینگے۔ اور اگر عیسائی یہ کہیں کہ یسوع فی الحقیقت
خدا کا بیٹا تھا۔ مگر مصلحت وقت یہ آن پڑا تھا۔ کہ وہ حق کو پوشیدہ کرو۔ تو ہم کہتے ہیں کہ متی
لوقا۔ مرقس۔ یوحنا کی انجیل اور دیگر شدہ شدہ کتب نوشتے دریا برد کردو۔ یا کم از کم انہیں
سے مستفاد باتیں نکال ڈالو کیا یہ مستند تعلیم ہیں کہ ایک جگہ "آدمی کا بیٹا" اور دوسری جگہ
"خدا کا بیٹا" کہتا ہی۔ ایک جگہ لوگ اُسے یوسف اور مریم کا بیٹا کہتے ہیں اور وہ تسلیم کرتا ہی اور
دوسری جگہ اوسکی حواری اُسے خدا کا بیٹا کہتے ہیں تو وہ اُن کو منع کرتا ہی کہ ایسا نہ کہو۔ یا کہتا ہی
کہ اس راز کو پوشیدہ رکھو۔ کیا یہ ایسے شخصوں کا کلام ہی جو روح القدس سے معمور تھے۔

مینے حاشیہ پر لکھدیا ہی کہ "خدا کا بیٹا" کسے کہتے ہیں اور یسوع نے پطرس کو کیوں
منع کیا۔ کہ وہ لوگوں سے اس راز کو نہ کہو اب ہم یہ ثابت کرتے ہیں کہ "خدا کا بیٹا" ایک ایسا عام
لفظ تھا۔ کہ جو عہد عتیق میں نبیوں اور دیگر بزرگوں کے واسطے بولا جاتا تھا اور یسوع کے زمانہ
میں ہر ایک یہودی اپنے آپکو خدا کا بیٹا سمجھتا تھا۔ زمانہ حال کا ایک محقق لکھتا ہی کہ:-

باپ کے معنے ناصح یا اصلاح کار کے ہیں۔ اور مشرقی ملکوں میں اسی مراد میں مستعمل
تھا۔ اور ایک کام کی بنیاد ڈالنے والے پر بھی بولا جاتا تھا۔ مثلاً کہتے ہیں۔ کہ شیطان جھوٹ کا

بیشمار اشعار اور ایشیائی زبانوں میں مختلف کتب کا حوالہ دیکر مذکورہ بالا دعوی کی تائید کر سکتے ہیں۔ لیکن
اس سے زیادہ ہم طول نہیں دینگے۔ جو کان سننے کے ہوں۔ سنے

Marfat.com

باپ ہے ۔۔ اور اس طرح بیٹے کا استعمال اُس چیز پر بھی جسکو اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنایا۔ اور ان پر جو ایمان لائے آیا ہے۔

تمام کتب عہد عتیق اور عہد جدید میں ایسے مقاموں میں اسی طرح پر اسکا استعمال ہوا ہے۔ سر بل نے اور ورکے بموجب اگر اوسکو تعبیر کریں گے۔ تو یوں کہینگے رب بمعنی باپ یعنی رب یعنی پروردگار کے اور ابن یعنی بیٹا بمعنی العبد المقبول بمعنی بندہ برگزیدہ کے استعمال کیا جاتا ہے۔ اور یہ استعمال ٹھیک ٹھیک کتب عہد جدید اور عہد عتیق کے مطابق ہوتا ہے چنانچہ مفصلہ ذیل مثالوں سے یہی مطلب پایا جاتا ہے۔

(۱) حضرت سلیمان کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وہ میرا بیٹا ہوگا اور میں اس کا باپ ہونگا"۔ (۱۔ تاریخ ۲۲۔ ۱۰)

(۲) یہودیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام سے کہا۔ کہ "ہمارا باپ خدا ہے"۔ حضرت مسیح نے فرمایا۔ کہ اگر خدا تمہارا باپ ہوتا۔ تو تم مجھسے پیار کرتے" (متی ۸۔ ۴۱ و ۴۲) اُن بیچاروں کو کیا معلوم تہا۔ کہ اُن کے باپ کے ہاں ایک اور بیٹا پیدا ہوا۔ اور اُسے بھائی سمجھ کر پیار کرتے مگر اُنہوں نے آسمان سے حضرت کو گرتا ہی نہ دیکھا تہا)

(۳) حضرت مسیح نے مریم سے فرمایا کہ میرے "بھائیوں پاس جا اور اُن سے کہہ کہ میں اوپر اپنے باپ اور تمہارے باپ پاس اور اپنے خدا اور تمہارے خدا پاس جاتا ہوں"۔ (متی ۲۰۔ ۱۷)

(۴) حضرت مسیح نے اپنے مریدوں کو نصیحت کی "پس جیسا تمہارا باپ رحیم ہے۔ تم بھی رحیم ہو"۔ (لوقا ۶۔ ۳۶)

(۵) حضرت مسیح نے فرمایا "اے چھوٹے گلے مت ڈر کہ تمہارا باپ تمہیں بادشاہت دینے کو راضی ہے"۔ (لوقا ۱۲۔ ۳۲)

(۶) حضرت مسیح نے اپنی نصیحت میں فرمایا "اسطرح تمہاری باپ کی جو آسمان پر ہے مرضی

Marfat.com

نمبر ۲ (متی ۵ باب ۱۴)

(۸) حضرت مسیح نے نصیحت کرتے وقت فرمایا اور زمین پر کسی کو اپنا باپ نہ کہو کہ تمہارا باپ ایک ہے جو آسمان پر ہے" (متی ۲۳-۹)

(۹) حضرت مسیح نے فرمایا "کیا ایک پیسے کی دو گوریاں نہیں بکتیں۔ اور ان میں سے ایک بھی تمہارے باپ کے بغیر زمین پر نہیں گرتی" (متی ۱۰-۲۹)

(۱۰) حضرت مسیح نے فرمایا کہ اگر دعا مانگتے وقت کسی کی تقصیر یاد آوے تو معاف کرو تاکہ تمہارا باپ بھی جو آسمان پر ہے تمہاری تقصیروں کو معاف کرے۔ اگر تم معاف نہ کرو گے۔ تو تمہارا باپ بھی جو آسمان پر ہے تمہارے قصور معاف نہ کریگا" (مرقس ۱۱ باب ۲۵ و ۲۶ اور متی ۶-۱۴-۱۵)

(۱۰) حضرت مسیح نے فرمایا تمہارا باپ جانتا ہے کہ ان سب کا تمہیں درکار ہے (لوقا ۱۲-۳۰)

(۱۱) حضرت مسیح نے فرمایا کہ ایسے تمہارے باپ سے جو آسمان پر ہے تمہیں کچھ بھل نہ ملیگا" (متی ۶-۱)

(۱۲) حضرت مسیح نے فرمایا کہ تمہارا باپ اس سے آگے کہ اس سے مانگو جانتا ہے" (متی ۶-۸)

(۱۳) حضرت مسیح نے فرمایا کہ دو تمہارے باپ کا جو آسمان پر ہے شکر کریں" (متی ۵-۶)

(۱۴) حضرت مسیح نے فرمایا "تاکہ تم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے فرزند ہو" (متی ۵-۴۵)

(۱۵) حضرت مسیح نے فرمایا "جیسا تمہارا باپ جو آسمان پر ہے کامل ہے۔ تم بھی کامل ہو" (متی ۵-۴۸)

(۱۶) یوسف کے بیٹوں نے آدمیوں کی بیٹیوں کو دیکھا (پیدائش باب ۶-۲)

(۱۷) تب خدا کو کیوں کہو کہ "خداوند نے یوں فرمایا ہے۔ کہ اسرائیل میرا بیٹا ہے بلکہ میرا پہلوٹھا ہے" (خروج ۴-۲۲)

Marfat.com

(۱۸) "میں نے کہا۔ تم سب اللہ ہو اور ہر ایک تم میں سے حق تعالیٰ کا فرزند ہے" (زبور ۸۲-۶)

(۱۹) کیونکہ میں بنی اسرائیل کا باپ ہوں اور ابراہیم میرا پہلوٹھا ہے" (یرمیاہ ۳۱-۹)

(۲۰) آدم بیٹا خدا کا (لوقا ۳-۳۸)

اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں لکھتے ہر ایک منصف مزاج اور غور و فکر کرنیوالا شخص سمجھ سکتا ہے کہ خدا کا بیٹا کے کیا معنی ہیں اور یہ کہ اگر ہم یہ تسلیم بھی کریں گے کہ یسوع خدا کا بیٹا ہے تو اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ یوسف نجار اور مریم کا بیٹا تھا۔ اور یہ بھی ہم کبھی تسلیم نہیں کر سکتے کہ اس کی ماں کنواری تھی اور یوسف سے ہمبستر ہونے سے پیشتر یسوع کو روح القدس سے

جناب

(۱) وہی محقق لکھتا ہے کہ

موسیٰ میں بھی خدا کی روح تھی (پیدائش ۴۱-۳۸)

اصبلیئل بھی خدا کی روح سے بھرا گیا (خروج ۳۱-۳ ۳۵-۲۱)

بلعام پر بھی روح خدا کی نازل ہوئی (اعداد ۲۴-۲)

ساؤل پر بھی خدا کی روح نے ظہور کیا (اسموئیل ۱۱-۶ ۱۰)

ساؤل کے نوکروں پر بھی خدا کی روح آئی (اسموئیل ۱۹-۲۰)

عزریاد عاد کے بیٹے پر خدا کی روح اتر آئی (۲-تاریخ ۱۵-۱)

موسیٰ سے خدا نے آواز سے کلام کیا (خروج ۱۹-۱۹)

داؤد کے لئے خداوند آسمان پر سے گرجا (۲-سموئیل ۲۲-۱۴)

اس سے ظاہر ہے کہ روح القدس کا نزول صرف کنواری ہی پر نہیں ہوا بلکہ اس سے پیشتر خدا کی روح بھی اس سے معمور ہو چکی تھی۔ غور کرو۔ کہ ایک عورت کیساتھ بھی اوسکا ایسا ہی تعلق تھا جیسے مردوں کے ساتھ۔ اور یہ بالکل جائز تعلق تھا۔

Marfat.com

ہم ایک اور شہادت مقدس شاگردوں کی تحریروں سے پیش کرتی ہیں۔ جس سے اس امر کی تائید ہوگی۔ کہ یسوع یوسف بڑھئی کا بیٹا تھا۔ حضرت متی (باب ۱۔ آیت الغایت ۱۶) اور حضرت لوقا (باب ۳۔ آیت ۲۳) میں یسوع کا نسب نامہ[1] لکھتے ہیں۔ اس نسب نامہ میں (متی آیت ۱۶) میں ایک جگہ یہ لکھا ہے کہ "یعقوب سے یوسف پیدا ہوا۔ جو شوہر تھا مریم کا جس سے یسوع جو مسیح کہلاتا ہے پیدا ہوا"۔ اور دوسری جگہ یہ لکھا ہے کہ "یسوع یوسف کا بیٹا تھا" (متی باب ۳۔ آیت ۲۳)

[1] ہم ذیل میں یسوع کا نسب نامہ بروئے عہد عتیق اور جدید نقل کرتی ہیں۔

نسب نامہ

بموجب عہد عتیق	بموجب مقدس متی	بموجب مقدس لوقا
۱۔ ابراہیم	۱۔ ابراہیم	۱۔ ابراہیم
۴ یہوداہ	۴ یہوداہ	
۵ تامر	۵ تامر	
۶ حارص	۶ حارص	
۱۴۔ داؤد	۱۴۔ داؤد	۱۴۔ داؤد
۱۵۔ سلیمان ناتن (ذکریاہ ۱۲۔۱)	۱۵۔ سلیمان	۱۵۔ ناتن
۱۶۔ رجعم	۱۶۔ رجعم	۱۶۔ متہا
۱۷۔ اسیاہ	۱۷۔ اسیاہ	۱۷۔ مینان
۱۸۔ اساہ	۱۸۔ اساہ	۱۸۔ ملیا
۱۹۔ یہوشافط	۱۹۔ یہوشافط	۱۹۔ الیاقیم
۲۰۔ یورم	۲۰۔ یورم	۲۰۔ یونان
۲۱۔ اخزیاہ	×	۲۱۔ یوسف
۲۲۔ یوآش	×	۲۲۔ یہوداہ

Marfat.com

اب سوال یہ ہے کہ اگر یسوع کنواری کا بیٹا تھا۔ تو اس نسب نامہ کے کیا معنی ہیں اور عہد عتیق کی وہ پیشگوئیوں کا جو اشعیاہ (۹-۶ و ۷) اور یرمیاہ (۲۳-۵) نبیوں کی معرفت

بموجب عہد عتیق	بموجب مقدس متی	بموجب مقدس لوقا
۲۳ - امعسیاہ	۲۰	۲۳ شمعون
۲۴ - عزریاہ	۲۱ - عزیاہ	۲۴ - لیوی
۲۵ - یوتم	۲۶ - یوتم	۲۵ - متھات
۲۶ - آخز	۲۳ - آخز	۲۶ - یوریم
۲۷ - حزقیاہ	۲۴ حزقیاہ	۲۷ - العزر
۲۸ - منسی	۲۵ - منسی	۲۸ - یوسس
۲۹ - امون	۲۲ - امون	۲۹ - خیر
۳۰ - یوشیاہ	۲۰ - یوشیاہ	۳۰ - المودام
۳۱ - یہوایاقیم	۲۰	۳۱ - قوسام
۳۲ - یکھنیاہ	۲۸ - یکھنیاہ	۳۲ - ادّی
۳۳ - سیالتیل	۲۹ - شیلتیل (یہلا اخبار الایام ۳-۱۷-۱۹)	۳۳ - ملکی
۳۴ - زربابل	۳۰ - زربابل	۳۴ - نیری
یہلا اخبار الایام ۳ (۱۹ و ۲۰)	۳۱ - ابیود	۳۵ - سلاتی ایل
۳	۳۲ - الیاقیم	۳۶ - زروبابل
۳	۳۳ - عزور	۳۷ - رلیسا
۳	۳۴ - صادوق	۳۸ - یوحنا
۳	۳۵ - اکیم	۳۹ - یودا

Marfat.com

مشتہر ہو چکی تھیں کہ داؤد کی سلطنت اور داؤد کی شاخ اٹھیگی۔ کیا مطلب ہے؟
مقدس لوقا کا یہ بیان کہ فرشتہ نے مریم کو کہا۔ کہ تو بیٹا جنیگی جسے خدا تعالیٰ اوسکو

بموجب عہد عتیق	بموجب مقدس متی	بموجب مقدس لوقا
×	۳۶ - الیہود	۴۰ - یوسف
×	۳۷ - العاذر	۴۱ - سمعی
×	۳۸ - متن	۴۲ متہا نیاس
×	۳۹ - یعقوب	۴۳ - یوسف
×	۴۰ - یوسف	۴۴ - عینا
×	۴۱ - یسوع مسیح	۴۵ - ملخی
×	×	۴۶ - یوری
×	×	۴۷ - متہات
×	×	۴۸ - لیوی
×	×	۴۹ - یوسف
×	×	۵۰ - یسوع مسیح

اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو چشم بصیرت اور قلب سلیم عنایت فرمایا ہے۔ وہ ایک نظر میں ہی اس انساب کو جو مذکورہ بالا نسب نامہ میں ہے دیکھ لیگا۔ پھر اون تمام پیشگوئیوں کی حقیقت جو اس نسب نامہ کے متعلق ہیں۔ کھل جائینگی۔

مقدس متی نسب نامہ تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں :۔ کہ

پس سب پشتیں ابراہیم سے داؤد تک چودہ اور داؤد سے اسوقت تک کہ بابل کو اٹھ چلے چودہ۔ اور اسوقت سے کہ بابل کو اٹھ چلے مسیح تک چودہ ہیں (متی باب ۱ - ۱۷) لیکن جو شجرہ نسب حضرت

Marfat.com

باپ داؤد کا تخت دیگا۔

اور وہ سدا یعقوب کے گھرانے کی بادشاہت کریگا (لوقا باب ۱۔ آیت ۳۳) بالکل بمعنی ہے۔ علاوہ ازیں بیشمار آیات ہیں جہاں یسوع کو ابن داؤد کہا گیا ہے۔

ہمنے ثابت کردیا ہے کہ یسوع کی ولادت اعجازی نہ تھی۔ وہ یوسف نجار کا بیٹا تھا پولوس رسول اور مقدس مرقس اور یوحنا نے ایک لفظ بھی اس اعجازی ولادت پر نہیں لکھا گویا اُن کے نزدیک یہ بات قابل ذکر ہی نہ تھی۔ وہ جانتے تھے۔ کہ جس طرح انسان پیدا ہوئے ہیں۔ اسطرح

---

۳۰ ف مؤلف کہتا ہے اسکے بموجب ابرہیم سے داؤد تک چودہ اور سلیمان سے یکنیاہ تک چودہ اور شلتیئیل سے یسوع مسیح تک۔ چودہ نہیں ہوتیں بلکہ تیرہ ہوتی ہیں۔ پس اگر یہویاقیم کا نام بڑہا دیا جاوے۔ تو یہ حساب صحیح ہوتا ہے عیسائیوں کو چاہئے۔ کہ اب اسکا اندراج کرلیں اگر یہ بات صحیح نہ ہو۔ تو ہم ایک اور تجویز بتاتے ہیں۔ "سانپ مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے" وہ یہ کہ یوسف کے بعد اور یسوع مسیح کے پہلے روح القدس لکھدیں چودہ پوری ہوجائیں گے ۔

(۲) یورم تک نسب نامہ کتب عہد عتیق کے مطابق ہے مگر یورم کا بیٹا عزیاہ نہیں (پہلا اخبار الایام ۳ - ۱۰) بلکہ یورم کا بیٹا اخزیاہ اور اوسکا بیٹا یوآش اور اُسکا بیٹا امصیاہ اور اوسکا بیٹا عزریاہ ۔

اس اختلاف کا کیا باعث ہے ؟ بعض علماء مسیحی یہ جواب دیتے ہیں۔ کہ مقدس متی کو یہ ہدایت ہوئی تھی کہ تین نام اس نسب نامہ سے چھوڑ دے (تفسیر سکاٹ مطبوعہ ۱۸۱۲ء جلد ۴ متی ۱ - ۲ لغات ۱۰) مگر اصل بات یہ ہے کہ تینوں اشخاص احاب کے خاندان سے تھے جس کی نسل کو دو دفعہ بدعا ہوئی (پہلا سلاطین ۲۱ - ۲۱ - دوسرا سلاطین ۹ - ۸) اور یہ تینوں بادشاہ تھے (دوسرا سلاطین باب ۸ - دوسرا اخبار الایام باب ۲۲ دوسرا سلاطین باب ۱۴ دوسرا اخبار الایام باب ۲۵) اور چوتھے بددعا کا اثر تین پشت تک رہتا تھا۔ اسلئے یہودیوں کے دستور کے موافق ان کے نام خارج کئے گئے۔ لیکن اس سے انکار نہیں ہوسکتا۔ کہ وہ یسوع کے اجداد میں سے تھے ۔

یسوع ناصری پیدا ہوا۔ اور اگرچہ مقدس متی اور لوقا کی تحریر قابل وقعت نہیں۔ لیکن ہمنے ان کی بھی تفسیر کردی ہے۔ اور چونکہ بیشمار دیگر شہادتیں مقدس سوانح نگاروں کی تحریر سے پیش کی ہیں جنکی رو سے ثابت ہو گیا ہے کہ یسوع ایک بشر تھا۔ اور ایک نبی اس لئے اب کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہا۔ یسوع خود اپنے آپکو ابن آدم کہتا ہے۔ لوگ اسے یوسف نجار کا بیٹا کہتے ہیں۔ علمار یہود اُسے ملحد اور کافر بتاتے ہیں۔ اوسکے شاگرد اوسکا ساتھ چھوڑتے ہیں اُسے دشمنوں کے ہاتھوں میں دیتے ہیں۔ قسمیں کھاکر اوسکا انکار کرتے ہیں۔ اوسپر لعنت کرتے ہیں۔ ان سب باتوں کا مقابلہ آج مشرک عیسائیوں سے کرو۔ تو حیرت ہوتی ہے کہ اوسے ابن اللہ اور اللہ اور کیا کچھ نہیں کہتے۔

رسولوں کے اعمال دیکھو حضرت پطرس جن کی سرگذشت ہم لکھ چکے ہیں یہودیوں کو مخاطب کرکے کہتے ہیں کہ:۔

اے اسرائیلی مردو یہ باتیں سنو کہ یسوع ناصری ایک مرد تھا جسکی رسالت تم پر ثابت ہو گئی۔ (اعمال باب ۲ ۔ آیت ۲۲)

ہمنے نہ صرف یہی ثابت کیا ہے کہ یسوع ناصری ایک بشر تھا اور یوسف کا بیٹا تھا بلکہ یہ بھی ظاہر کردیا ہے کہ وہ کسی طرح وہ موعود نہیں ہو سکتا۔ جسکی بنی اسرائیل منتظر تھے وہ نہ تو مثیل موسیٰ تھا۔ اور نہ سید قوم تھا۔ اور نہ داؤد کا تخت اور نہ یعقوب کے گھرانے کی بادشاہت اُسے نصیب ہوئی۔ اوسنے نہایت ذلت اور خواری سے زندگی بسر کی۔ یہودیوں نے اُسے ملحد اور کافر کہا اور اوسکے اپنے شاگردوں نے اوسکا انکار کیا اور پکڑوایا اور جب اُسے دار پر کھینچنے کیلئے لے جارہے تھے۔ اوسکے سر پر کانٹوں کا تاج رکھا۔ جسپر لکھا ہوا تھا کہ یہ یسوع یہودیوں کا بادشاہ ہے۔ اور یہ اسلئے ہوا کہ جو کچھ نبیوں نے کہا تھا اور پرانے نوشتوں میں لکھا تھا کہ خدا اُسے داؤد اوسکے باپ کا تخت اور یعقوب کے گھرانے کی بادشاہت دیگا۔ پورا ہو۔ نہ تو دنیاوی

جاہ وحشمت نصیب ہوئی اور نہ روحانی بادشاہت ہاتھ لگی پطرس بیچارہ سر دھنتا رہ گیا۔ کہ

گئے دونوں جہان کے کام سے ہم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

کیا ایسے روحانی بادشاہت کہتے ہیں کہ چند گنتی کے آدمی ایمان لائے اور پھر وہ بھی منتشر ہو کر علیحدہ ہو گئے اور جو باقی رہے ان کا یہ حال ایک حضرت نے تو تیس روپیہ لیکر دشمنوں کے حوالے کر دیا۔ اور دوسرے حضرت نے قسمیں کھا کھا کر اوس پر لعنت کی اور جو باقی رہے ایسے گئے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ ایسے جیتے جی تو یہ حال تھا۔ مرنے کے بعد آج عیسائی جو چاہیں بجا ہے۔

اب ہمیں صرف ایک تاریخی شہادت پر غور کرنا ہے اور وہ بھی اسی لئے کہ قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یسوع کی اعجازی پیدائش مقدس سوانح نگاروں کی تحریر سے ثابت نہیں ہوئی۔ بلکہ یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک بشر تھا۔ اور جو ع البقر کیساتھ مے نوشی بھی کیا کرتا تھا اور سب اُسے یوسف نجار کا بیٹا کہتے تھے۔ اُس کے بھائی نبیوں کے دوست تھے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ آج عیسائی اُسے کنواری کا بیٹا۔ ابن اللہ وغیرہ وغیرہ کہتے ہیں؟

بات یہ ہے کہ جیتے جی جو کچھ یسوع کی عزت تھی وہ تو ناگفتہ بہ ہے مرنے کے بعد اور وہ بھی صدہا سال بعد وہ نسلیں جنہوں نے یسوع کو دیکھا تھا۔ جو یوسف نجار سے واقف تھے۔ جو اُس کے بھائی اور بہنوں کے آشنا تھے مرکھپ گئیں تو زبانی روایتوں اور تحریری حکائتوں نے موجودہ عقائد کو رواج دیا۔ یہ کسیطرح ثابت نہیں ہوتا کہ موجودہ انجیل یسوع کی وفات کے چند سال بعد لکھا گیا۔ ڈاکٹر ڈی (Dr. Geo Rhead) (انجیل بحوالہ قرآن صفحہ ۱۱) تحریر کرتے ہیں کہ "اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ جسوقت نیا عہدنامہ قلم بند ہوا۔ اور جسوقت کلیسیا نے اُسے اپنے سایۂ حمائت میں لیا۔ اسمیں تغیر و تبدل اور تحریف شروع ہو گئی" تاریخ شاہد

Marfat.com

ہے کہ یہ زمانہ چوتھی صدی عیسوی سے شروع ہوتا ہی - سب سے پُرانا قلمی نسخہ اِس سے پیشتر کا نہیں ملتا - تین سو برس کے عرصہ میں اور وہ بھی ایسے زمانہ میں جسے ڈارک ایجز کہتے ہیں یعنی جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی اسی قسم کے خیالات کا پیدا ہونا تعجب انگیز نہیں ؛

پروٹسٹنٹ توکل کی پیدائش ہیں - کیتھولک پُرانا مذہب ہے - اگرچہ اول الذکر صرف چار کتابوں ہی کو مانتے ہیں - اور اسی لئے ہمنے صرف انہی چار کتابوں سے شہادتیں پیش کی ہیں - کہ ان سے کیتھولک کو بھی انکار نہیں - مگر موخر الذکر اُن روائتوں اور حکایتوں کو نہایت شوق و ذوق سے بیان کیا کرتے ہیں جن کا ماخذ "اپوکریفل" انجیلیں ہیں اور جنمیں سے "پیدائش مریم"[1] اور "پروٹیوانجیلین"[2] مشہور کتابیں ہیں اور دوسری صدی عیسوی

---

[1] "پیدائش مریم" کا خلاصہ یہ ہی کہ مریم کی ماں کا نام "اینا" تھا جس کے خاوند کا نام یوشم تھا جو ایک امیر آدمی تھا - بیس برس تک اُن کی ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی - یہودی مسخرے چھبتیاں اڑاتے تھے اور شرمندہ ہوکر یوشم اپنی جورو کو چھوڑ کر جنگل اور صحرا کی خاک چھانتا پھرا - اوسکی عدم موجودگی میں خدا کا فرشتہ "اینا" پر ظاہر ہوا - جب یوشم واپس آیا - تو اپنی جورو کو روح القدس سے حاملہ پایا - نو ماہ بعد ایک لڑکی تولد ہوئی جس کا نام مریم رکھا -

مدعا صرف یہ ظاہر کرنا ہی کہ مریم کو وہ گناہ جو بنی آدم وراثتاً والدین سے لیتے ہیں ارث میں نہیں ملا اور وہ بالکل معصوم تھی اور اسلئے یسوع بھی بالکل معصوم تھا - اور اس میں ابتدائی گناہ کی ملاوٹ نہ تھی - لیکن اگر یسوع کو معصوم قرار دینے کے لئے ایک معصوم ماں کی ضرورت ہے تو مریم کی ماں

[2] پروٹیوانجیلن (یعنی ابتدائی حصہ خوشخبری کا) میں یہ مذکور ہی کہ جب مریم پر حمل کے آثار ظاہر ہوئے تو یوسف بجار پیشوا کاہنوں اور اماموں نے یہ الزام لگایا کہ یہ سب کچھ اُسی کی کرتوت ہی اُسنے تردید کی تو اوسکو وہ پانی پلایا گیا - جسکا مفصل ذکر کتاب گنتی باب پنجم میں ہی - اس پانی کی تاثیر یوسف پر کچھ نہ ہوئی اور وہ بری کیا گیا اور بعد ازاں اپنی جورو کو ساتھ لیکر بیوداہ کی حدود شناکرتا ہوا چلا گیا -

Marfat.com

میں ان کی محبت پر کسی قسم کا شک نہیں ہوتا۔ ان میں سے موحد اور مذکر کا اسم مذکر بہت
جیسے بتایا جاتا ہے۔ جو ایسے ناصری ہوا ہوا تی ہوتا ہے خوش نصیبی کا تعلق ہوتا ہے
آخر تک کیتھولک کا ایمان ہے۔ اور جو ایسے باطل عقائد کی اشاعت کا باعث ہوتے ہیں
لیکن سوال یہ ہے کہ ایسی کیا ضرورت ہی۔ کہ ان خیالات باطل کی اشاعت ہوتی ہے
اسکا جواب یہ ہے کہ اس زمانہ کی تاریخ کا مطالعہ کرو۔ تو معلوم ہو جائیگا۔ کہ عیسائیت کو ان
اقوام کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اور ان کے کیا عقائد تھے۔ اور وہ کس طرح عقلی
توہمات پرستی کا شکار۔ یونانی اور رومی کیتھولک تھے ان کو عیسائیت کے
دیوتاؤں اور اوتاروں کی ضرورت تھی۔ اور ظاہر ہے کہ ان کی
انہیں ان کے خداؤں کا مکمل مثال ہے۔ تمام خدا اور دیوتا اور اوتار خوبصورت نوجوان
کنواری عورتوں کے بیٹے تھے۔ جو آسمانی خدا کا ہے ہوتے ہیں۔ جو مصلوب ہوتے ہیں
ان کا خدا تھا۔ جو کرشن کی طرح ہر ایک خوبصورت کنواری کا بیٹا ہے
ہے کہ ممکن نہیں ہو سکتا۔ اس سے خوبصورت عورتوں کا مطلب ہے کہ
سوائے جو یسوع کے ساتھ ایک بیل کی شکل میں آیا اور اس کی
والکمو کہ جب کسی طرح وہ عیسائیت کا مقابلہ کرو۔ تو ان کے خداؤں کے
کا مقابلہ کرو۔ جو ہر ایک خدا اپنا جداگانہ اپنا معاون حکم ہوا ہے
اس حیالات کے زمانہ میں عقلی دلائل پیش کرنا بیکار ہے

نوٹ: یہ کاپی ہے فرصت نہ ہوگی۔ اور اصل جو اسلامیہ کالج میں ہے

Marfat.com

کو بھی وہی کچھہ ظاہر کیا گیا۔ جو وہ آسانی سے تسلیم کرسکتی تہی اور یہی وجہ ہی کہ ہم انجیل میں بہی متضاد تعلیم پاتے ہیں اور حرکاتِ بت پرستی کے عقائد توحید کیساتہہ ملا دیئے گئے ہیں غیر مذاہب والوں کو مغلوب کرنیکا یہ آسان طریقہ تہا۔ کہ یسوع کو ہر ایک پہلو سے اُن کے خداؤں پہ فوقیت ہے خواہ ایسے خیالات کو شائع کرنے والے بہی توہمات پرست اور خوش اعتقاد تھے۔ اسی لئے اِن باطل عقائد کی اشاعت میں کچھہ دقت پیش نہیں آئی۔

یہ زمانہ ہی ایسا تہا۔ کہ دیوتا اور اوتاروں کی عام پرستش ہوتی تہی (دیکھو کارلائل صاحب کی کتاب Hero Worship) اور جس طرح آج عیسائی یسوع کو اوتار مانتے ہیں اسی طرح آج بھی ہندوستان میں برہما اور دیگر ممالک میں اوتاروں کی پرستش ہوتی ہی۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ جوں جوں علم کی روشنی پہیلتی جائیگی۔ جہالت کی تاریکی کافور ہوتی جائیگی یہ اوتار اور دیوتا عموماً کنواری عورتوں کے بیٹے تھے۔ جو روح القدس سے حاملہ ہوئیں چین میں "فوہی" ایک کنواری کا بیٹا ہے۔ جو دریا میں غسل کر رہی تہی۔ اوسکا دامن ایک کنول کے پھول سے الجھا۔ اور اوس پہ حمل کے آثار ظاہر ہوئے۔ فوہی تولد ہوا۔ اور ایک مذہب کا بانی ہوا وہ ایک جنگجو سپاہی تہا۔ شریعت بہی ساتہہ لایا تہا۔ سیام اور کمبوڈیا کے درمیان ایک جھیل کے کنارے "کورم" ایک کنواری کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ جسپر سورج دیوتا نے نگاہ مہر کی اور اوس کی شعاعوں سے حمل ہوگیا۔ اگرچہ معشوقہ آسمان کو چڑھ گئی۔ لیکن بچہ پیچھے رہ گیا۔ ایک جوگی نے اوسکی پرورش کی۔ اور بڑا ہوکر اُسنے معجزات دکھاکر لوگوں کو حیران کردیا۔ اور حکیم جاذق مشہور ہوا۔ اسی طرح کوریا میں "آرچ" پیدا ہوا۔ ہندوستان میں تو ایسے بیشمار اوتار ہیں۔ جو خدا کی نسل سے ہیں۔ گوتم بدھ کا باپ آدمی نہ تہا۔ بلکہ خود بدولت خود بخود آسمانی تخت چہوڑ کر اپنی ماں "مایا" کے رحم میں آبرا جے۔ بالکل اسی طرح مونتان میں بلاطوس کی ماں "آپولو" (خدا) سے حاملہ ہوئی۔ چین میں اب تک "چنگ سو"

Marfat.com

(مقدس ماں) کی عام پرستش ہوتی ہے یہ کنواری عورت تھی۔ اور روح القدس سے حاملہ ہوئی۔ جسوقت کیتھولک مشنری چین میں داخل ہوئے تو چینگ ہو کو دیکھکر حیران رہ گئے۔

ریورنڈ ہسلوپ صاحب لکھتے ہیں کہ "قدیم زمانہ میں بابل کے رہنے والے مقدس ماں اور اُسکے بیٹے کی پرستش کرتے تھے۔ اوسکے بت تھے اور اُسکی گود میں ایک بچہ تھا۔

لیکن عیسائیوں کے عقائد باطلہ کی جنم بھوم سرزمین مصر ہے۔ گبن صاحب کی تاریخ (Decline and fall of Roman Empire ....) کا مطالعہ کرو۔ تو بخوبی سمجھ میں آجائیگا۔ کہ کس طرح عیسائیت نے مصری رسم و رواج اور توہمات پرستی اور دیگر مشرکانہ خیالات کو مصر سے لیا۔ اور کسطرح مختلف عقائد کی فریق پیدا ہوئی اور کس طرح مشرقی کونسلیں منعقد ہوئیں اور وہ کیا کچھ تحریف کرتی رہیں۔

اس ستارہ کے طلوع ہونے سے ہزارہا سال پیشتر جو مجوسیوں کو بیت اللحم پر دکھائی دیا مصر میں اعجازی پیدائش عام طور پر تسلیم کی گئی تھی۔ بکسر کے مندر کی دیوار پر ہتھور ماں اور بچہ ہورس نے جو شاہ اسیوسنٹ ثالث کی ولادت کی یادگار ہیں اس عقدہ کو حل کر دیا ہے۔ ان تصاویر میں لوتس کی اور سنی کے پہلے بابوں کا خاکہ کھینچا گیا ہے۔ اور جبرئیل اور روح القدس اور کنواری اور اعجازی مولود کا صحیح صحیح نقشہ ہے نہ صرف یہی بلکہ یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ کس طرح روح القدس کا انزال کنواری پر ہوا۔ اور کس طرح بچہ تولد ہوا۔ اور کس طرح تین شخص نذر و نیاز اوسکو حضور پیش کر رہے ہیں۔ یہ اُن تین مجوسیوں کا نمونہ ہے۔ جو اپنی جھولیاں کھول کر سونا۔ لوبان اور مر نذر کرتے ہیں (متی باب ۲۔ آیت ۱۱)

انہی دیواروں پر دیوی آئی سس (Isis) اور اُسکا اعجازی مولود ہورس (Horus) کی تصویریں ہیں۔ پلوٹارک لکھتا ہے کہ یہ باعصمت دیوی باوجود سورج دیوتا کی ماں کہلانے کے کنواری ہی رہی۔ آئی سس کو ملکۂ آسمان، سمندر کا ستارہ، دانہ اور

[illegible] روح [illegible] - مقدس کنواری کہتے ہیں - عیسائی یہ سب خطاب مریم

کو دیتے ہیں -

آئی سیس کا اعجازی بچہ یسوع کا ہمزاد ہے - دونوں کے خدوخال ایک سے ہیں - دونوں بارہ اور تیس کی عمر میں نوشتہ وہی کارنامہ دکھاتے ہیں - جو کہ مقدس ہما [illegible] - اور بعد الموت دونوں ہوتے اور ہر مردوں سے جی اٹھنا بالکل یسوع کی طرح ہے - اسکی تصویر اسکی والدہ کی گود میں ہے - آنکھ نکل گئی ہے - خدا کا بیٹا - [illegible] - زندگی کا [illegible] حق اور حیات کہتے ہیں - اور یہی خطاب آئی سیس کو دیا جاتا ہے -

آئی سیس اور ہورس کی پرستش نہ صرف مصر تک محدود تھی بلکہ روم میں اسکے معبد بنے ہوئے تھے - اور اب تک کھدائی میں مصر کی [illegible] آئی سیس اور ہورس کی مورتیاں ملتی ہیں - قبطی عیسائی مریم کو [illegible] اور [illegible] ہیں - بلکہ ان کے خط و خال ہو بہو آئی سیس کے ہیں -

[illegible] ہی پیدائش کا ذکر ہے - ۲۵ دسمبر ایک [illegible] تاریخ [illegible] جبکہ منطقۃ البروج کی [illegible] افق شرقی پر طلوع

[illegible] آئی سیس کے بت سیاہ پتھر کے تھے - جو صرف اس امر کا ثبوت ہے کہ وہ زنگی [illegible] کی علامت تھی - یا کہ اس تاریکی کو بھی ظاہر کرتا ہے - جو روشنی کی پیدائش سے پہلے ملائی تھی [illegible] ہر ایک بچہ پیدا ہوتا ہے - وہ کسقدر تعجب کی بات ہے - کہ کنواری مریم کی بہ [illegible] سیاہ پتھر کے تھے - بلکہ ان کے خط و خال ہو بہو آئی سیس کے ہیں -

[illegible] ہی پیدائش کا ذکر ہے - ۲۵ دسمبر ایک [illegible] تاریخ [illegible] جبکہ منطقۃ البروج کی [illegible] افق شرقی پر طلوع

[illegible] ایک [illegible] ہے - [illegible] ایک [illegible] نوجوان عورت کی گود میں ہے -

Marfat.com

کے آثار ظاہر کرتا ہے اور سنہ رائج دیوتا ایک نقطہ ماند ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اور نو امیدہ سال کی عمر کا پہلا دن نوروز ہوتا ہے جیسا کہ ہمیں سنہ ہجری اور سنہ عیسوی کی تاریخ انتقا بتاتا ہے اسی سبب مشرکانہ رسوم اور توہمات جو قدیم زمانہ جہالت میں سارے تمدن مصر کی رسم و نظام ہوا بلکہ درحقیقت یہ سارا سنہ ہی مصری دیوتاؤں کے نام پر ہے۔ ان کے مشرکانہ رسوم اور کارخانہ کے ساتھ ہی اپنے تمام خزانہ مال و اسباب کو بھی ساتھ لے گئے۔ اور ہم مسلمانوں کے ہاتھ میں کچھ نہ چھوڑا۔ ہم نے ان کی تاریخ کا ایک حرف بھی نہیں پایا۔ اور نہ ان کی کتابوں میں سے ایک ورق ہمارے ہاتھ آیا۔ اگر کچھ ہو بھی تو ہمارے علماء کی کتب مقدسہ کو نہیں مانتے اور ان کو اوہام باطلہ کی خرافات کہتے ہیں۔

کسی نے بالکل صحیح کہا ہے۔ کہ عیسائیت اپنی ہر شکل میں ایک مذہب کی طرح ہے جو اپنے ماننے والوں کو ہر قسم کے علم سے روکتا ہے۔ اور ہر طرح کی روشنی سے محروم رکھتا ہے۔ اور ہم مسلمانوں کے لئے ان باتوں کا اندازہ کرنا بہت مشکل ہے۔ اور بعض اوقات ہم ان کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ اور بعض اوقات ہم ان کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ اور بعض اوقات ہم ان کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔

ملہ سنہ رائج کی تاریخ ولادت مسیح کے بعد سے شروع ہوتی ہے یعنی سنہ رائج دیوتاؤں کے نام پر ہے

نکہ ہو سکتا ہے کہ یہ نقطہ ان کے بیٹے کا دن

ملہ ہو بھی سکتا ہے۔ کیونکہ ان کا مہینہ جو شمس عیسائیت قبول کرتا تھا۔ وہ ان کا اپنا مذہب کی رسوم کو ترک نہ کرتا تھا جیسا کہ عام دستور ہے اور ہوتا ہی ہے کہ ہر قوم کے رواج باقی رہتے اور مذہب ہو جاتے ہیں۔

تقویم کی تاریخ ولادت مسیح عیسائی کو معلوم نہیں مختلف زبانوں میں مختلف قرنوں میں مختلف تاریخیں انتخاب کیں۔ اور ۲۵ دسمبر کا دن انتخاب کیا۔ اور اپنی عید کی بنیاد رکھی۔ تیسری صدی کے وسط تک کسی کو بھی اس کا علم نہ تھا کہ آپ کی عمر کتنے سال ہوئی۔ کہ وہ دسمبر کا دن تاریخ ولادت مسیح انتخاب کیا ہے۔

Marfat.com

بڑی ہیں۔ یہ سب مل کر ایک دریا کی صورت اختیار کرتی ہیں۔ نام تو پہلا ہی برقرار رہا ہے۔ لیکن فی الحقیقت صورت کچھ اور ہی ہوگئی ہے۔ اُس ندی کو اس عظیم الشان دریا سے کچھ نسبت نہیں۔ جس کی سطح پر جہاز چلتے ہیں۔ جس کے کناروں پر عالیشان شہر آباد ہیں۔ یہی حال عیسائیت کا ہے۔ یہ ایک ندی تھی نہ معلوم جلیل کی جھیل یا دریاء یردن میں اس کا منبع ہے۔ یا کیولری پہاڑی پر سرچشمہ ہے صدہا سال سے بہ رہی ہے۔ اور ایک طرف دریائے نیل اور دوسری طرف دریائے ٹائبر کے پانی اور اس طرف گنگا و جمنا نے اسے ایک دریائے زخار بنا دیا ہے مصری مائی ہولوجی" یونانی فلسفہ رومی عقائد باطل ہندوستان اور برہما اور چین کی بت پرستی کا مجموعہ عیسائیت ہے۔ روح القدس کا طلوع مجوسیوں کے ستاروں میں ہوتا ہے۔ تناسخ نے عیسائیت میں حلول کیا ہے کہ ایک روح کئی صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ کبوتر۔ فاختہ۔ زبان آتشیں عجب بولیاں بولتی ہے۔ جس سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ تمام دنیا کی زبانیں عیسائیت کے منہ میں ہیں۔ یہوداہ راجہ اندر سے کم نہیں اور "جیوپیٹر" کا دوسرا نام ہے۔ کنواری آئی سس کسی طرح تمام عمر کنواری ہی رہی۔ حاملہ ہوکر اور وضع حمل کے بعد بھی کنواری ہے شمعون۔ یوسیس۔ یہوداہ۔ یعقوب کی ولادت کے بعد بھی کنواری ہے۔ یہ اولاد کس طرح پیدا ہوتی رہی۔ یا اوسپر قیصری عمل جراحی ہوتا رہا۔ یوسف نجار تو برائے نام خاوند تھا۔ بیچارہ بڑھئی کا ماتھا تو پہلے ہی ٹھنکا تھا۔ اور دل کو سمجھاتا تھا کہ ؎

غالب ایسے خوبرد لوں کیلئے
چاہنے والا بھی اچھا چاہئے

روح القدس کی نظر عنایت ہے۔ تو تو کس طرح منظور ہو سکتا ہے مگر حضرت "جیوپیٹر"

Marfat.com

نے اپنی بدنامی کے خوف سے ایسا بتا بتایا کہ غریب بڑھئی اُسے اپنے گھر لے آیا۔ پھر کیا تھا۔ خاوند و زوجہ دونوں روح القدس سے معمور رہنے لگے۔ اور اس لئے کنواری ہمیشہ کے لئے کنواری رہی مگر یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یوسف تمام عمر مجرد رہا۔ ضرور رہا۔ اور ہم فرض کر لیتے ہیں۔ کہ یعقوب سا بیٹا روح القدس کی عنایت ہے اور یوسف کا اطمینان جواب میں ہو گیا ہو گا۔

یسوع کا حال عجیب ہے پیدائش کے واقعات ہم لکھ چکے ہیں۔ باقی حالات معجزات و وفات دوسرے حصہ میں لکھینگے۔

تمت

طبع از رشحات خامہ جناب منشی فیروز الدین احمد صاحب فیروز امرتسری

یہ کتاب گرامی کہ اندریں آواں	مرتب آمدہ از سعی فاضل دوراں
دقیقہ سنج و سخن گستر و نکات اندیش	کہ ہست معنی او قالب سخن را جاں
یہ نسخہ دعین و الف شد نہاں چو بود گل	از انکہ مغز نباشد بہ رنگ پوست عیاں
نوائے بخشش آنچناں اشارت کرد	کزاں زبام بیفتاد طشت کج فہماں
نمود اثنہ ندانساں کزد نمایاں شد	بہ امہات حریفاں ہزار گونہ زیاں
نزد د ظلمت جہل از فروغ حکمت عقل	ضمیر اوست بلاریب مہر نور افشاں
مسیح نیست اگر مورد گناہ نسب	باوہم است ہماں رتبہ بلکہ بیش ازاں
چناں دلائل قطعی بروے کار آورد	کہ اندرو نبود مدخل چیں و چناں
دل من از سر ادراک گفت سنہ خوب	چو التفات نمودم بسال جمع آں

کتبخانہ اسلامیہ امرتسر کی چند قابل دید کتابیں

بشارت فاطمہ :- ایک عدیم النظیر دلچسپ مذہبی ناول ہے جس میں ایک عیسائی لیڈی کے مشرف باسلام ہونے کی تفصیلی کیفیت ایسی انداز سے بیان کی گئی ہے کہ ایک دفعہ شروع کر دیجئے پھر ختم کئے بدون کتاب ہاتھ سے چھوڑنے کو ہرگز جی نہ چاہیگا قیمت ۴

ارمانوسہ :- ایک نہایت دلچسپ دلگیر اور حیرت ناک تاریخی عربی ناول کا ترجمہ جس میں عشق و جنس کے فرضی افسانے نہیں بلکہ سچے واقعات اور اسلامی عظمت و جبروت کے عدیم المثال کارنامے اعلیٰ خوبی سے بیان کئے گئے ہیں۔ جس کا اندازہ بغیر پڑھے غیر ممکن ہے قیمت ۴

عربی بول چال حصہ اول :- میں ابتدائی اُن جملوں کے مفردات لکھکر پھر اُن سے کثیر الاستعمال جملے مرتب کئے ہیں۔ اور ہر جملہ کے مقابل اُسکا بامحاورہ اردو ترجمہ لکھا ہے بول چال کے علاوہ اس میں دو خصوصیتیں اور ہیں (۱) مصر و شام کے علماء تاجروں کے خطوط (۲) بارہ سو لفظوں کی فرہنگ معہ ترجمہ اردو و انگریزی قیمت ۴

ایضاً حصہ دوم میں مرکب الامثال نوادر۔ مرادفات۔ امثلہ۔ اسماء مشتقہ۔ جملوں کی ترکیب۔ عربی اخبار اسکے مطالب عربی کے ذریعے ادا کرنا۔ مختلف عبارتوں کو بہ تغیر و تبدل لکھنے کا طریق معہ ترجمہ درج ہے اسکے علاوہ مضامین ذیل شامل ہیں (۱) مصر و شام کے اخبارات کے انتخاب (۲) ایکہزار الفاظ جدیدہ کی فرہنگ معہ ترجمہ اردو سنہ ۱۹۱۴ء میں بار اول طبع ہوئی قیمت فی جلد ۴

المشتہر مینیجر کتبخانہ اسلامیہ امرتسر

Marfat.com

کتاب الروح کا اردو ترجمہ

یہ کتاب ایک مصری فلاسفر کی نہایت دلچسپ اور قابل دید تصنیف ہے اس میں روح انسانی کے متعلق اس قدر قیمتی اور بے بہا معلومات کا ذخیرہ جمع کیا گیا ہے جو ہزار ہا روپیہ کی صرف سے بھی حاصل ہونا محال تھا۔ حکمائے یونان کی تقریریں اور محققین اسلام کے بحث مباحثے اپنے فاضل مصنف کا زبردست محاکمہ دیکھنے کے لائق ہے اس کے مطالعہ سے آپکو اپنی گذشتہ اور موجودہ اور آئندہ زندگی کا بخوبی علم ہو جائیگا۔ واقعی اس قسم کی کوئی جامع کتاب اردو زبان میں آجتک طبع نہیں ہوئی۔ اس میں بہت سے ایسے مضامین بھی آگئے ہیں جن کو آپ نے کانوں سے بھی نہیں سنا ہوگا۔ صفحات ۴۰۰ قیمت صرف عہ

مباحثہ گوشت خوری

اس میں گوشت کو انسانی خوراک نہایت زبردست دلائل کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے قیمت ۵ر

انوار قدسیہ کا اردو ترجمہ

یہ کتاب امام المتقین شیخ عبدالوہاب شعرانی کی عدیم المثال تصنیف ہے اس میں اولیاء اللہ کے مقامات۔ علامات کا مفصل بیان ہے۔ اس میں بالتفصیل دکھایا گیا ہے۔ کہ طالب صادق کس طرح انوار الٰہی کا مشاہدہ اپنے قلب کا تزکیہ کر سکتا ہے چونکہ اس پر آشوب زمانہ میں مرشد کامل لنا عنقا صفت ہو گیا ہے لہٰذا طالب محبوب کیلئے اس سے بڑھ کر اور کوئی چارہ نہیں ہو سکتا صفحات ۱۲۰ قیمت ۱ر

الہام دیانندی:۔ اس میں سوامی دیانند کی شرائط الہام کے مطابق دیانندی الہام کا غیر الہامی ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ قیمت ۱ر

صوت مادہ۔ یہ دلائل ثابت کیا گیا ہے کہ مادہ قدیم نہیں بلکہ حادث ہے قیمت ۲ر

فتوح الغیب اردو۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی ملفوظ پر مشتمل ہے قیمت ۱ر

خیر کثیر:۔ محض عقلی دلائل سے اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت قیمت ۱ر

تاریخ اسلام قیمت ۱ر

ان میں حضرت آدم سے لیکر آنحضرت صلعم الی آخر انبیاء مرسلین اور شاہان اسلام دنیا پر جو کی یا موجود ہیں۔ ان کے مختصر حالات اس میں درج کئے گئے ہیں

المشتہر: مینیجر کتب خانہ اسلامیہ امرتسر

Marfat.com

اخبار جمعیۃ الاسلام امرتسر

بالفعل یہ اخبار پندرہ روزہ دفتر کتب خانہ اسلامیہ امرتسر سے شائع ہوتا ہے قرآن کریم کی تعلیم کے حقائق اور اسلام کے مقدس اصولوں کے معارف کی اشاعت اسکا مقصد اعلیٰ ہے مخالفین اسلام کے اعتراضوں کے جواب دینا اور ان کے مسلمہ اصولوں پر الہامی کتابوں پر طلب اعتراض کرنا اس کا اصلی مسلک و غرض ہے۔ آریوں کی تردید اور ویدوں کی تعلیم کی قباحتیں بالالتزام شائع ہوتی ہیں مسلمانوں میں بیکاری کاہلی اور پست ہمتی کو دور کرنا حرفت و صنعت کا رواج دینا۔ اسلامی کارناموں کی اشاعت کرنا۔ دنیا کے مسلمانوں کے جدید واقعات کا شائع کرنا وغیرہ اس کے اصولوں میں داخل ہے۔ قیمت سالانہ علیحدگی

حصہ دوسرا دوم

جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ مادہ کے اجزاء قدیم اور غیر مخلوق نہیں ہو سکتے۔ اور چند علماء اور مذاہب کے خیالات کا رد کیا ہے اور اسلام کا عقیدہ اس کی بابت بتلایا گیا ہے۔ قیمت ار

ناظم

منیجر کتب خانہ اسلامیہ

اخبار جمعیۃ الاسلام

امرتسر پنجاب

Marfat.com

29/1/1966.

وَادْعُوا اللّٰهَ أَيَّامًا تَدْعُوا فَإِنَّمَا

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي يَسَّرَ لَنَا طَبْعَ هٰذِهِ النُّسْخَةِ

الْمَيْمُونَةِ الْمُبَارَكَةِ الْمُحْتَوِيَةِ عَلَى مَعَارِفَ جَزِيلَةٍ وَحَقَائِقَ جَلِيلَةٍ الْمُسَمَّاةِ

بِالدُّرَّةِ الْبَهِيَّةِ

فِي شَرْحِ

أَسْمَاءِ اللّٰهِ الْحُسْنَى

تَأْلِيفُ الْعَبْدِ الْفَقِيرِ إِلَى اللّٰهِ الْوَلِيِّ أَصْغَرَ عَلِيٍّ الرَّوْحِيِّ الْمُدَرِّسِ

بِالْعَرَبِيَّةِ فِي الْكُلِّيَّةِ الْإِسْلَامِيَّةِ الْكَائِنَةِ بِبَلْدَةِ لَاهُورَ صَانَهَا اللّٰهُ

عَنِ الْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ

طُبِعَ بِمَطْبَعَةِ أَسْرَةِ الدِّخَانِيَّةِ عَلَى نَفَقَةِ صَاحِبِهَا الْهَوَى مُنِيبٍ